سٹیزن ٹام پین

مصنف: ہاورڈ فاسٹ

انگریزی سے ترجمہ: ڈاکٹر شاہ محمد مری

سٹیزن ٹام پین

مصنف: ہاورڈ فاسٹ

ترجمہ: ڈاکٹر شاہ محمد مری

جملہ حقوق بحقِ مترجم محفوظ ہیں

ضابطہ:

کتاب: سٹیزن ٹام پین

مصنف: ہاورڈ فاسٹ

ترجمہ: ڈاکٹر شاہ محمد مری

پہلی اشاعت: 2014

دوسری اشاعت: 6 جولائی 2021

قیمت:

ناشر: سنگت اکیڈمی آف سائنسز

بلوچستان سنڈے پارٹی کے نام

ترتیب

مترجم کا پیش لفظ 8

حصہ اول

امریکہ

1 میرا نام پین ہے 13

2 امریکہ، امیدوں بھری سرزمین 21

3 چوہے دان 37

4 19 اپریل اور 1775 47

5 ایک انقلابی کا بننا 67

6 ٹام پین نے کیسے چھوٹی سی کتاب لکھی 93

7 کامن سینس 116

8 انسانی روحوں کی آزمائش کرنے والے زمانے 131

9 طویل جنگ 166

10 انقلاب روک اور قید کے بغیر 204

حصہ دوم

یورپ

11	مجھے سات سال دے دو	239
12	ریپبلک آف فرانس	277
13	پرماتما اور انسان میں دلیل	301
14	نپولین بوناپارٹ	332
15	''مگر کوئی شخص اپنے مزار کے بارے میں نہیں جانتا.....''	353

مترجم کا پیش لفظ

ہاورڈ فاسٹ ہمارے عہد میں تاریخی ناول لکھنے کا ایک بہت بڑا استاد تھا۔ بہت ہی غریب خاندان کا چشم و چراغ فاسٹ ،ساری عمر انصاف اور سماجی آزادی کی خاطر بہادری سے جدوجہد کرنے والا امریکی تھا۔ایک بیسٹ سیلر مصنف ، جو کہ طبقاتی شعور سے بھرے ہوئے ناول لکھتا تھا۔اس کا والد ایک فیکٹری مزدور تھا۔والدہ اُس وقت فوت ہوئی جب وہ ابھی محض دس برس کا تھا۔ چنانچہ اس یتیم کو رشتہ داروں نے پالا پوسا۔ گیارہ برس کی عمر میں وہ آوازیں لگا لگا کر اخبارات بیچا کرتا تھا۔

اس نے دنیا بھر میں شہرت یافتہ ادیب کی حیثیت سے 80 سے زائد کتابیں لکھیں۔اس کی کتابیں عملاً کروڑوں کی تعداد میں بکیں۔ اس کے ناول اپنی زوردار کہانی پن اور مضبوط گرفت کی وجہ سے مشہور تھے۔اس نے فریڈم روڈ (1944)،اپریل مارننگ،ایسٹیبلشمنٹ ،دی لی گے سی، مائی گلوریئس برادرز ، دی انڈی پنڈنٹ وومین ، دی امیگرنٹس ڈاٹر،دی امیریکا(1946)،جان پیٹر آلجیلڈ ،سٹیزن ٹام پین،ناقابلِ شکست ،سیکنڈ جنریشن ، دی لاسٹ فرنٹیر، اور سپارٹیکس (1951) جیسے شہرہ آفاق ناول لکھے۔

وہ طبقاتی اور نسلی مسائل کو اپنی تاریخی تصانیف میں جوڑتا ہے جس کی بہترین مثال اس کا مشہورِ زمانہ ناول ''سٹیزن ٹام پین'' ہے ۔یہ ناول اس نے 1943 میں لکھا۔ یہ ناول امریکی انقلاب کے بانیوں میں سب سے بڑے لڑاکا انقلابی، ٹام پین پہ تحسین بھری نگاہ تھی۔

منظر نگاری میں فاسٹ کا ثانی نہیں۔ وہ سزائے موت پانے والوں کے روز وشب کو اس خوبصورتی سے پیش کرتا ہے کہ رونگھٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ محبت کو بہت جوش سے، بڑی اپنائیت سے بیان کرتا ہے۔ وہ جدوجہد کی شوقینی اور سبک گامی کی نفسیات بتاتا ہے۔ وہ شکست کا کچلا بہت بدمزگی سے نگلتا ہے، وہ فتح کا جشن بڑی مٹھاس سے مناتا ہے۔ وہ سوچتا ہے، نتیجہ نکالتا ہے، مشورے دیتا ہے، کتابیں لکھ کر اپنی بات سمجھاتا ہے۔

اس کا یہ شاہکار ناول شاید ''سپارٹیکس'' کے بعد اُس کا سب سے زیادہ بکنے اور پڑھا جانے والا ناول ہے۔ امریکہ جو آج سامراج ہے، ایک زمانے میں خود برطانیہ کا غلام تھا۔ یہ ناول اس غلام امریکہ کی جدوجہدِ آزادی کی کہانی ہے۔

ناول ''سٹیزن ٹام پین'' دراصل ایک فکشن بنائی سوانح عمری ہے جو تین ملکوں میں انقلاب لانے کی جدوجہد میں لڑنے اور صعوبتیں برداشت کرنے والے تھامس پین پر لکھی گئی۔ تھامس پین اٹھارویں صدی کا غیر معمولی انسان تھا۔ وہ بہت ہی موثر، مدلل اور سبک رفتار پمفلٹ نویس تھا۔ پین کی تصانیف تین صدیوں تک حملے سہتی، سکرات میں جیتی مر نہ سکیں اور وقت کی آزمائشوں سے سلامت گزر کر مجھ اور آپ تک پہنچی ہیں۔ اور ہر عہد کی سجی دوزخ، اور سماجی انصاف قائم کرنے کی جدوجہد کرنے والوں کی لاشیں ٹام پین کو پھر زندہ کرتی جاتی ہیں۔

فاسٹ، تھامس پین کی ایک واضح اور سچی پورٹریٹ بنانے میں کامیاب رہا۔ نہ صرف اُس کی شخصیت وتعلیمات کی تصویر کشی میں بلکہ اُس زمانے میں یورپ اور امریکہ کی عمومی سیاسی سماجی اور معاشی حالات کی تصویر کشی میں بھی۔ اس پورے پس منظر میں فاسٹ ہمیں پین کے اثرات دکھاتا ہے۔

یہ ایک سادہ کہانی ہے۔ قاری کو اس ہیرو کے بارے میں معمولی سے معمولی تفصیلات تک اس ناول میں موجود ملیں گی۔ ایسی تخلیق کہ اس کے کردار آپ کو چلتے بولتے نظر آئیں گے۔ پین کا انقلابی جوش ویقین ناقابلِ شکست رہا۔ کوئی مادی مالی سماجی اور سیاسی دباؤ اُسے جھکا نہ سکا۔ میں حیران ہوں کہ اس بڑے انسان ٹام پین اور اُس پر لکھا گیا ہاورڈ فاسٹ کا شہرہِ آفاق ناول

ہمارے خطے میں گم نام کیوں رہا۔ یہ ناول کیوں ہم سیاسی کارکنوں کے نصاب میں شامل نہ رہا؟۔

ہمارے لیے دیگر بہت سی باتوں کے علاوہ ایک اہم سبق یہ بھی ہے کہ ہم اپنی جدوجہد میں شخصیات پر کم سے کم انحصار کریں۔ شخصیت پرستی تباہ کردیتی ہے۔ تین سو برس قبل انقلابی تھامس پین کی تحریک کو جارج واشنگٹن جیسا شخص دغا دے گیا۔ حالانکہ ساری جنگِ آزادی اُسی کی کمان میں لڑی گئی تھی۔ مگر فتح مند ہوکر اس نے عام انسان کو بھلا دیا اور سرمایہ داروں کی خدمت بجالاتا رہا۔ ٹام پین نے واشنگٹن کے خلاف بہت لکھا۔ مگر اُس وقت کوسنے سے کیا فائدہ جب اگلے کو آپ خود بڑھا چڑھا کر، عبادت کی حد تک تعریفیں، توصیفیں کرکر کے اقتدار پر بٹھا دیں۔ ہمارا اپنا خطہ تو اس بات کا مجرم ہے کہ ہم نے بار بار یہ غلطی دہرائی ہے۔ ہماری انقلابی تحریک ہر وقت کسی نہ کسی ''بڑی'' شخصیت کی بلند قدی بڑھانے کا کام کرتی رہی۔ یوں تنظیم تباہ ہوئی اور فرد واحد نے جس طرح چاہا، تحریک کا رخ متعین کرتا رہا۔

میں نے موجودہ ناول سے قبل، اسی ہاورڈ فاسٹ کے ایک دوسرے ناول ''سپارٹیکس'' کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ کتنا اچھا ہے کہ اُس ترجمے کے چار مرتبہ چھپ جانے، اور اُس سے دو تین مزید زبانوں (سندھی، براہوی) میں ترجمے ہونے کے بعد، میں پین پہ لکھے ہوئے فاسٹ کے اِس ناول کا ترجمہ دوسری بار چھاپ رہا ہوں۔

پروف پڑھنے اور اشاعتی پراسیس کو آسان بنانے میں پروفیسر عابد میر اور پروفیسر جاوید اختر کی مدد کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

شاہ محمد مری

6 جولائی 2021

حصه اول

امریکه

1

میرا نام پین ہے

یہ 1774 کی ایک ٹھنڈی صبح تھی۔ ڈاکٹر بنجمن فرینکلن کو بتایا گیا کہ تھامس پین اس سے ملاقات کرنے تقریباً ایک گھنٹے سے انتظار کررہا ہے۔ ڈاکٹر فرینکلن کئی سال تک انگلینڈ میں رہ چکا تھا اور وہ پوری مہذب دنیا میں ایک سکالر، ایک بذلہ سنج فلاسفر، ایک سائنسدان اور ایک اچھے آدمی کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ انگلینڈ میں ہر اہم شخص سے اُس کی واقفیت تھی۔ اُس کی بہت سے ایسے افراد سے بھی جان پہچان تھی جو خود تو اہم نہ تھے مگر ان کا نام اہم تھا۔ مگر اُسے یاد نہیں آرہا تھا کہ اس نے تھامس پین نام کے کسی شخص کے بارے میں سنا بھی ہو۔

ملاقاتیوں کی اطلاع دینے والے بوڑھے آدمی نے کہا کہ مسٹر پین ایک جنٹلمین نہیں ہے۔

یہ بات فرینکلن کے لیے کوئی انوکھی بات نہ تھی کہ اس کے ملاقاتیوں میں ایسے بھی ہوں جو جنٹلمین نہ ہوں۔ اس نے اپنی عینک آنکھوں سے قریب تر کرنے کے لیے اپنی ناک سیکٹر لی، اپنا بڑا اور بھدا سر ہلایا اور اس خط پر سے نظریں ہٹائے بغیر، جس کو وہ لکھ رہا تھا، کہا: ''اسے اندر لاؤ، کیوں نہیں لاتے؟''۔ اور پھر یہ اضافہ کیا، ''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ وہ انتظار کررہا ہے؟ تم پہلے کیوں اسے اندر نہ لائے؟''۔

''وہ گندا ہے''۔ بوڑھے آدمی نے منہ بسورتے ہوئے کہا اور باہر چلا گیا۔ وہ ایک لمحے

بعد ایک شخص کی راہنمائی کرتا ہوا اندر آیا، جس نے دروازے کے اندر آ کر تقریباً گستاخانہ انداز سے خود کو درست کر لیا اور کہا۔

''سر، میرا نام پین ہے!''۔

ڈاکٹر فرینکلن نے اپنا قلم ایک طرف رکھا، ایک لمحے کے لیے اپنے ملاقاتی کا مطالعہ کیا اور پھر مسکرا کر کہا۔

''سر، میرا نام فرینکلن ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو انتظار کرایا''۔ یہ کہتے ہوئے اس نے سر کی جنبش سے نوکر کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے انتظار کیا''۔ پین نے جنگباز انداز میں کہا۔''آپ کے پاس اب کوئی اور ملاقاتی نہیں ہے۔ اب آپ مجھے کہہ سکتے ہیں کہ جہنم میں جاؤ، اور میں دفع ہو جاؤں گا۔ میں کسی بادشاہ سے ملنے نہیں آیا تھا، میں تو ڈاکٹر فرینکلن سے ملنے آیا تھا۔ اور گویا مجھے کچھ اور کرنے کو تو تھا ہی نہیں، بس وہاں بیٹھنا تھا''۔

ڈاکٹر فرینکلن مسکراتا رہا اور اپنے ملاقاتی کو دیکھتا رہا۔ پین خوبصورت نہ تھا، البتہ وہ دلچسپ ضرور تھا۔ ڈاکٹر کے خیال میں اس کی عمر 30 اور 40 برس کے درمیان تھی۔ اس کی تیز نوکدار ناک اس کی عمر میں کچھ سالوں کا اضافہ ہی کرتی تھی۔ اس کی ٹوڑھی نوکدار تھی، منہ بھرا بھرا تھا، بد صورتی سے مڑی ہوئی آنکھیں تلخی اور تاسف سے سخت تھیں۔ چہرے پہ کوئی شیطانیت نہ تھی۔ مگر ایک طویل عرصے سے کوئی مسرت بھی نہ تھی اور نہ ہی کوئی امید تھی۔ اس کا قد کوئی خاص لمبا نہ تھا مگر وہ پستہ قد بھی نہ تھا۔ وہ ایک درمیانے قد قامت والا شخص تھا۔ اس کے کندھے ایک محنت کش کی طرح مضبوط اور ترچھے تھے۔ وہ بہت دیر تک بنچ پر بیٹھا رہا تھا۔ اس کے چوڑے ہاتھ گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کا سستا کوٹ اس کی کہنیوں کے نیچے سے پھٹا ہوا تھا اور اس کی پتلون گھٹنوں کے اوپر بہت پتلی ہو چکی تھی۔ اس کے پیروں کے انگوٹھے اس کے کبھی بھی اچھے نہ رہنے والے جوتوں میں سے آزادانہ طور پر جھانک رہے تھے۔

''آپ نے کتنے عرصے سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے؟''۔

7

''اس سے تمہیں کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ میں خیرات مانگنے یہاں نہیں آیا''۔

''بیٹھ جایئے پلیز''۔ فرینکلن نے آہستگی سے کہا اور خود باہر چلا گیا۔ اور کچھ منٹ بعد ایک روٹی، گوشت کے ایک ٹکڑے اور بیئر کے ایک مگ کے ساتھ اندر آیا۔ اس نے یہ سب چیزیں میز پر رکھ دیں اور پھر اپنا خط لکھنے لگا اور اس وقت تک اوپر نہ دیکھا جب تک کہ پین نے کھانا ختم نہ کیا۔ تب پین کھڑا ہوا، بے چین اور کچھ کچھ متاسف۔

''کچھ بہتر ہوئے؟''۔ فرینکلن نے پوچھا۔ پین نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے اندر کوئی چیز بے چینی سے جل رہی تھی۔ اس کے انگوٹھے اس کے شکستہ جوتوں میں سے باہر جھانکنا چاہتے تھے اور دونوں ہاتھ جیبوں میں تھے۔ اس نے فرینکلن کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ ایک جیب سے مٹھی میں چاندی کے سکے نکال کر اس نے کہا۔''یہ رہے تیس گینئر۔ میں یہاں خیرات لینے نہیں آیا تھا''۔

''میں بھی ایسا نہیں سمجھتا''۔ فرینکلن نے جواب دیا۔''آپ بیٹھ کیوں نہیں جاتے مسٹر پین؟۔ آپ دنیا کو اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھنے کی کوشش کی بجائے اسے لڑھکنے کیوں نہیں دیتے؟۔ میں کفایت شعاری کو اچھا سمجھتا ہوں۔ اور اگر کوئی شخص اپنی جیب میں تیس گینئر رکھے اور ایک شلنگ قیمت کی چیز پہننے کو نہ خریدے تو میں اسے بھی مناسب سمجھوں گا۔ مگر کسی کے کھانے کو ٹھکرانا نہیں چاہیے اور اس روٹی سے ایک آدھ لقمہ توڑ کر کھانا کوئی خیرات نہیں ہے' مسٹر پین۔ آپ کون ہیں اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''۔

''میں امریکہ جانا چاہتا ہوں''۔ پین بول پڑا۔''آپ ایک امریکی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ سے بہ آسانی بات کی جا سکتی ہے۔ معمولی لوگ بھی آپ سے مل سکتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ شاید آپ مجھے کوئی تعارفی رقعہ لکھ دیں''۔

''میں لکھ دوں گا''۔

پین نے ابھی تک پیسے اپنے ہاتھ میں لے رکھے تھے۔ اس نے آہستگی سے سر ہلایا اور کچھ کہنے کی کوشش کی۔ مگر وہ بہت کم الفاظ بڑبڑانے میں کامیاب ہوا جن کا کوئی خاص مطلب نہ نکلتا تھا۔ پھر وہ بیٹھ گیا اور اپنے بڑے سے ہاتھ اس طرح پھیلا کر رکھ دیے کہ اس کے ننگے گھٹنے چھپ

سکیں۔ پھر وہ اپنی ہفتہ بھر کی بڑھی ہوئی داڑھی سے کھیلنے لگا۔ فرینکلن اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے خط پہ مہر لگائی اور ایک لمحہ کے لیے پین کی طرف دیکھا۔ اور اس کا پیشہ پوچھ لیا۔

''میں بریز ئیر سینے والا ہوں'' پین نے کہا۔ ''ہاں، خواتین کے لیے بریز ئیر اور مردوں کے لیے واسکٹ۔ میں ایکسائیز میں بھی رہا ہوں۔ میں سال میں پچاس پاؤنڈ کے معاوضے پر ایک ناپ تول والا رہا ہوں۔ میں ایک برا سا بڑھئی بھی ہوں۔ میں نے چھ پنس روزانہ کے حساب سے موچی گیری بھی کی، اس لیے کہ میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟۔ میں اس سے آدھی اجرت پہ ایک جولا ہے کے مکان میں جھاڑو لگاتا رہا ہوں۔ اور دگنی قیمت پہ ربن بیچتا رہا ہوں۔ میں کبھی کبھار لکھتا بھی ہوں''۔ اس نے اپنی بات ختم کی۔

''آپ کیا لکھتے ہیں؟''۔ فرینکلن نے نرمی سے پوچھا۔

''جو کچھ ایک شخص کہہ نہیں سکتا اس لیے کہ اُس میں وہ کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا''۔

انہوں نے ایک گھنٹہ تک بات چیت کی۔ پین اس دوران بیئر کا ایک کوآرٹ چڑھا گیا تھا۔ اس کی مُڑی ہوئی آنکھیں چمک رہی تھیں اور اس کے چوڑے ہاتھ اضطراب میں کبھی بھنچ جاتے اور پھر کُھل جاتے۔ وہ اپنے کپڑے، اپنی داڑھی، اَن دھلا جسم، اپنی یادیں.....سب کچھ بھلا چکا تھا اور ایک ایسے بوڑھے آدمی کی فریفتگی میں خود کو گم کر چکا تھا جو حیران کن طور پر جوان اور متحرک تھا، اور لوگوں کے بقول عقلمند تھا۔

''امریکہ کس طرح کا ہے؟''۔ اس نے فرینکلن سے پوچھا۔

''ایک امید کی مانند۔ یا سکاٹ لینڈ، ویلز اور سیکسس کی طرح کا۔ یا ان میں سے کسی کی طرح بھی نہیں۔ یا آدمی آدمی کو دیکھ کر اُس کی گردن پہ پڑا ہوا جوا۔ یا ایک ٹوپی کی طرح جسے وہ اپنے سر پہ فٹ کر دے''۔

''بڑا ہے؟''۔

''یہ بڑھتا جاتا ہے''۔ فرینکلن نے کہا ''یہ ابھی پوری طرح دریافت نہیں ہوا، اس کا سروے نہیں ہوا''۔ اس کی آواز میں پشیمانی کی جھلک تھی جیسے کہ وہ خود اُسے دریافت اور پھر سروے

کرنا چاہتا ہو۔

''میں نے بھی ذہن میں اُسے بڑا سمجھ رکھا ہے''۔

''معاوضہ اچھا ملتا ہے''۔ فرینکلن نے کہا ''اگر کوئی شخص کام کرنا چاہے تو وہ بھوکا نہیں رہتا''۔

''آپ وہاں پہ جل سکتے ہیں''۔ فرینکلن مسکرایا۔ ''اس لیے کہ وہاں آگ کسی کو نہیں جھلساتی''۔

''میں کافی جلتا رہا ہوں''۔ پین نے ٹھوس انداز میں کہا۔ ''میں اپنے جسم پہ ایک کوٹ اور پاؤں میں اچھے جوتوں کا ایک جوڑا چاہتا ہوں۔ میں اس قابل ہونا چاہتا ہوں کہ کسی ہوٹل میں داخل ہو جاؤں اور ایک طلائی سکہ ادا کر سکوں، اس طرح کہ مجھے معلوم ہو کہ طلائی کا سکہ کیا ہوتا ہے نہ کہ صرف اس کی بُو جانوں''۔

''کیا آپ کو لاطینی زبان آتی ہے؟''۔

''تھوڑی سی''۔

''آپ امن و امان کی تبلیغ کرنے اور زبان و لباس کی سادگی پر زور دینے والے فرقے' کوئیکر میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی، ہیں ناں؟''۔

''ہاں تھا۔ اب پتہ نہیں کیا ہوں۔ میں نے نشے میں دھت ہونے کی کوشش کی اور اپنا سر دیوار پہ مارا۔ ڈاکٹر فرینکلن، مجھے کچھ کچھ نشہ ہونے لگا ہے جس سے میری زبان بے لگام ہے۔ مگر یہ اچھا ملک نہیں ہے، اِس سے بدبو آتی ہے، گوبر کے ڈھیر کی طرح کی سڑاند آتی ہے' اور میں اِس سے باہر، اِس سے دور نکلنا چاہتا ہوں اور اسے دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیے ۔تھوڑی سی خوراک، سر چھپانے کے لیے ایک جگہ' اور کرنے کو کوئی روزگار''۔

''آپ کو یہ مل سکتے ہیں''۔ فرینکلن نے تفکر کے انداز میں کہا۔ ''میں آپ کو ایک خط لکھ دیتا ہوں۔ یہ آپ کو مدد دے گا۔ دیوار سے سر نہ ٹکرائیے بلکہ ایک ایک پیسہ جمع کیجئے اور پنسلوانیا میں زمین کا ایک ٹکڑا خرید لیجئے۔ وہاں زمین سستی ہے۔ اور پھر اُس زمین پہ کام کیجئے''۔

پین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں اپنے داماد کے نام خط لکھتا ہوں، وہ آپ کے لیے کچھ کرے گا''۔

پین سر ہلاتا رہا۔ وہ کچھ کہنے کی کوشش میں کامیاب ہو گیا کہ، فرینکلن اس سے اچھی طرح پیش آ رہا تھا، بہت اچھی طرح۔ پین تھوڑا سا نشے میں آ چکا تھا اور تھک بھی گیا تھا۔ اس کا سر سامنے لڑھک گیا تھا۔ اس کی مڑی ہوئی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ اس کا پورا وجود.....تباہ حال لباس اور گندی جلد اور داڑھی، اور عجیب نوکدار خدوخال ایک ایسا تکلیف دہ معمہ بنا رہے تھے جو کہ بعد میں جب بھی فرینکلن ٹام پین کے بارے میں سوچتا، اسے یہ کئی سالوں تک یاد آتا رہا۔ فرینکلن کو معمے بہت اچھے لگتے تھے مگر یہ تو ایسا معمہ تھا جسے وہ کبھی بھی حل نہ کر سکتا تھا۔

''اگر کام نہیں کرنا ہے تو، امریکہ چلے جاؤ''۔ پین کے والد نے اس سے یہ فقرہ اُس وقت کہا تھا جب یہ لڑکا تیرہ برس کا تھا۔ وہ کافی سکول پڑھ چکا تھا اور کافی خواب دیکھ چکا تھا اور پرانے تھیٹ فورڈ کے سرسبز کھیتوں میں کافی آوارگردی کر چکا تھا۔ اور پرانے قلعے کے کھنڈرات پہ بہت چڑھ چکا تھا اور خود بہت سے ہوائی قلعے بنا چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بچپن ہمیشہ جاری رہے گا۔

''بریزیئر نہیں بناؤں گا، مزید''۔ اس نے ضدی انداز میں کہا تھا۔

''اور یہ کہنے کے لیے تم ہی رہ گئے ہو کہ بریزیئر بنانے ہیں یا نہیں بنانے''۔

''بریزیئر نہیں بناؤں گا''۔

''اور تم کوئی اور کام نہیں جانتے' ہٹ دھرم، بدتہذیب، اجڈ، کتے کے بچے''۔

اُس نے اس کام میں شاگردی کی تھی اور اُسے بتایا گیا تھا کہ اس کام کا ماہر کس طرح کام کرتا ہے۔ مسز ہارڈی اپنا بریزیئر فٹ کروانے آئی تھی۔ وہ گو کہ خوبصورت خدوخال کی تھی مگر چونکہ اب عمر میں بڑی تھی، اس لیے 25 برس میں جو خدوخال ہوا کرتے ہیں وہ اب کہاں تھے۔ مسز ہارڈی کا وزن 200 پاؤنڈ کا تھا۔ اور اس وزن کا زیادہ حصہ پیٹ اور چھاتی کے درمیان تھا۔ اس کی چھاتی ایسی تھی جیسے کہ سکاٹ لینڈ کی جھاڑیوں بھری پہاڑیاں ہوں اور پیٹ ایسا کہ جس نے کھانے سے زیادہ جَو کی شراب سے دوستی کر رکھی تھی۔ وہ چودہ ماہ سے نہیں نہائی تھی۔ حالانکہ وہ جہاں رہتی تھی

وہاں وافر پانی موجود تھا۔ پین کو بریزیئر سینے والے کی حیثیت سے پہلے ہی دن اپنا سر مسز ہارڈی کے پیٹ پہ مارنا پڑا تھا۔ اسے معموں اور تہہ در تہہ میں جانا پڑا تھا، جبکہ وہ ایک سؤر کی طرح چیں چیں کرتی رہی۔

''تھامس، خود کو اُس تک پہنچاؤ''۔ اس کے والد نے حکم دیا۔

وہ تسموں سے لٹک گیا جبکہ مسز ہارڈی غرّائی:

''پین، کمینہ۔ تم بارہ انچ چھوٹے ہو''۔

''تم بارہ انچ لمبی ہو''۔ مصیبت میں پڑے تیرہ برس کے لڑکے نے سوچا۔ اس نے تسمہ کسنے کے لیے ایک ہاتھ مضبوط انداز میں بڑھایا جو ایک دیوہیکل جسیم پستان میں گہرا دھنس گیا۔

''تھامس، خود کو اُس تک پہنچاؤ''۔ اس کے باپ نے اپنے خشک لہجے میں دہرایا اور پھر ایک لمحے کے لیے کمرے سے باہر نکلا۔ تھامس گم ہو چکا تھا۔ وہ گوشت کے سمندر میں گہرا ڈوبتا چلا گیا۔ اس پر دہشت طاری ہو گئی اور گرم مصیبت میں پھنس گیا۔ اُسے تسمے بھول گئے اور بریزیئر چٹک کر کھل گیا اور گوشت باہر، اس پر لڑھک گیا۔ آہستگی سے ہنستی ہوئی اور ''تم چھوٹے کمینے، تم چھوٹے کمینے'' کہتی ہوئی اس نے اسے اپنے بازوؤں میں لیا۔ تھامس نے جدوجہد کی، مزید گہرا ڈوبا، اپنی زندگی کے لیے لڑتا رہا۔ بالآخر خود کو چھڑا لیا اور وہ دکان سے بھاگا، کھیتوں میں بھاگا، کتوں کی طرح ہانپتا ہوا بھاگتا رہا اور آخر کار پرانے کھنڈوں کے سائے میں خود کو پھینک دیا۔

زندگی کے بہترین بارہ برس اس کے پیچھے کھلے اور خون آلود پڑے تھے۔ وہ بریزیئر سینے والا بن رہا تھا۔ اس کا باپ بریزیئر سینے والا رہا تھا۔ ''اگر یہ نہیں کرنا تو امریکہ چلے جاؤ''۔ بوڑھا پین سخت آدمی نہ تھا مگر چیزوں کا اپنا طرز ہوتا ہے۔ جو کچھ تم تھے وہی کچھ تمہارے بیٹے نے ہونا ہے۔ دنیا ایک تلخ و ناراض جگہ تھی۔ اور اگر تم نے ایمانداری سے اپنا شلنگ کما لیا تو یہی کچھ خدا نے تمہارے لیے لکھا تھا۔ اب ٹام پین امریکہ جا رہا تھا اور بریزیئر کے ایک سیٹ سے زیادہ شکستہ چیزیں اپنے پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔ اور تیرہ برس کی عمر میں کوئی بھی یاد نہیں رکھتا کہ اِدھر کیا تھا اُدھر کیا تھا۔ اُسے نیند آ رہی تھی اور اب وہ اوپر دیکھ رہا تھا اور بنجمن فرینکلن کو خط پڑھتا سن رہا تھا جس نے یہ خط اپنے

دامادر چرڈ باخ کو بڑے مہربان انداز میں لکھا تھا۔ رچرڈ باخ ایک دور دراز مقام پہ با اثر شخص تھا، جسے فلیڈ یلفیا کہتے ہیں۔

''میں حامل ہذا مسٹر پین (یہ تھا امریکہ، خطاب ملا ''مسٹر'' پین۔ اس گندے میلے کچیلے پھٹے پرانے لباس والے کو خطاب ملا ''مسٹر''۔ اور یہ خطاب کسی ایرے غیرے نے نہیں، بنجمن فرینکلن نے دیا تھا جو کہ دنیا کا عقلمند ترین شخص تھا) کی پرزور سفارش کرتا ہوں۔ یہ ایک ہنرمند قیمتی نوجوان ہے (اور اس پر بھی غور کیجئے ''قیمتی نوجوان'')۔ یہ پنسلوانیا جا رہا ہے وہاں آباد ہونے کی نیت سے۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اُسے اپنے بہترین مشوروں اور نظرِ کرم سے نوازیں، اس لیے کہ یہ وہاں بالکل اجنبی ہوگا۔ اگر آپ اسے کلرک، یا کسی سکول میں اسسٹنٹ ٹیوٹر یا اسسٹنٹ سروئیر کی کوئی نوکری دلا دیں (جن کے لیے میرے خیال میں یہ اہل ہے) تو وہ کم از کم اُس وقت تک اپنا گزارہ کر سکے گا جب تک کہ کوئی واقفیت پیدا کرے اور علاقہ کے بارے میں معلومات حاصل کر لے۔ یہ آپ اپنے پیارے والد کے اوپر مہربانی کریں گے.....''۔

''میں کچھ کرنا چاہتا ہوں''۔ پین نے کہا۔ ''مجھ پر کسی اور نے اتنی مہربانی نہیں کی، اور نہ میرے کوئی دوست ہیں۔ میں اگر آپ کو کچھ پیسے دینا چاہوں تو آپ ہنسیں گے تو نہیں؟''۔

''یہ کسی اور کو دے دینا''۔ فرینکلن نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''اور خود کو قابلِ ترس نہ بناؤ۔ داڑھی بڑھ گئی ہے جاؤ شیو کرا لو اور منہ دھولو۔ یہ مت سوچا کرو کہ دنیا نے تمہیں کسی اور سے زیادہ تباہ کیا ہے''۔

2

امریکہ، امیدوں بھری سرزمین

یہ مشرق سے مغرب کی طرف نو ہفتوں کا سفر ہے جہاں سے آگے (پیچھے تھیٹ فورڈ میں بوڑھے لوگوں کے بقول، جو کہ اپنے گھروندوں سے ایک دو میل دور نہ نکلتے تھے)، یہ دنیا کا آخری کونا ہے۔ مگر وہ تو ٹام پین تھا۔ سفر کرنے والا اور مہم جُو ٹام پین، نہ کہ جولاہا، یا، بریزیئر بنانے والا اسسٹنٹ پین۔ وہ بخار کی وبا میں مبتلا بحری جہاز پر نو ہفتوں تک سفر کرتا رہا۔ اور اب وہ مر رہا تھا۔ کسی کو پتہ تھا اور نہ کسی کو پرواہ تھی۔ خود کیپٹن اتنا بیمار تھا کہ اُسے دوسروں کی ہوش تک نہ تھی۔ جہاز آہستگی سے اُس ملائم دھوپ میں جھولتا جا رہا تھا جو کہ دریائے ''دلاویر'' پر پڑ رہی تھی جہاں سے فلیڈ یلفیا کی سرخ چھتیں ایک پتھر پھینکنے کے فاصلے پر تھیں۔ اور وبائی مرض کے شکار جہاز کی تاریک تہہ میں ٹام اپنی زندگی کو کراہوں سے دھکیل رہا تھا۔

اُس نے خود سے کہا تھا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ فرینکلن نے کہا تھا کہ ''خود پہ رحم کھانا چھوڑ دو''۔ اس نے فرینکلن کو برا بھلا کہا جو کہ انگلینڈ میں ایک بوڑھے موٹے زہریلے مینڈک کی طرح رہتا تھا۔ دنیا چند ہی لوگوں کے لیے اچھی جگہ ہے جنہیں آپ اپنی انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ باقیوں کے لیے تو دنیا ایک قید خانہ ہے، ایک باڑھ ہے، ایک ویرانہ ہے۔ کسی بورڈ پہ پن سے ٹھونکی ہوئی ایک مکھی کی طرح، نسان کچھ وقت کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، پھر مر جاتا ہے۔ اور پھر کچھ

نہیں رہتا جیسے کہ شروع میں کچھ نہ تھا۔ ٹام پین اس کی خاطر کیوں جدوجہد کرے؟۔ وہ کیوں بیماری اور بھوک اور تنہائی اور دکھ سے لڑے؟۔

وہ اُس سے نہیں لڑے گا، اب وہ مر جائے گا۔ اور اب اس کی حالت اس قدر قابلِ رحم تھی کہ وہ خود کو دیکھ کر بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ پر رو دیا اور پھر اپنے آنسو پونچھ لیے اور پرانی اچھی یادوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ تھیٹ فورڈ میں رہنے والا بچہ پھولوں بھرے پہاڑی علاقے میں رہتا تھا۔ اس کے آگے لمبے گُندھے ہوئے بالوں والی مے ایڈم دوڑتی ہوئی گر گئی اور اپنا گھٹنا زخمی کر دیا۔ بچے نے لڑکی پہ لگی مٹی کو جھاڑ کر صاف کیا اور اس کا بوسہ لے لیا۔ ''غلط'' لڑکی نے کہا تھا۔ اور جب اس نے پوچھا کیوں، تو وہ محض دھراتی رہی' غلط' غلط۔ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے مگر اس بات کا دونوں کو پتا نہ تھا۔ وہ زیادہ بڑا نہ تھا جب وہ چیچک سے مر گئی اور اس نے یہ زخم اپنے دل میں رکھ لیا۔ اپنے بنچ پہ بیٹھے، بنا کچھ کھائے، بنا رُکے وہ جینی لٹرٹن کے لیے بریزیئر بناتا رہا۔ اس کا باپ کہتا جاتا کہ ''محنتی لڑکا دیکھو' کتنا بدل گیا ہے۔ پہلے یہ بہت بدمعاش ہوا کرتا تھا''۔

ہر چیز مر گئی۔ اب وہ خود مر رہا تھا اس لیے کہ فرینکلن نے اُسے امریکہ روانہ کیا تھا۔

وبائی بخار والا جہاز روشنی کے اشارے دیتا دُور رک گیا اور لنگر انداز ہونے کے 24 گھنٹہ بعد تک فلیڈیلفیا کی قریب قریب نصف آبادی اُسے دیکھنے چلی آئی۔ بتایا گیا کہ کس طرح ان نو ہفتوں کے دوران جہاز سے پانچ لاشیں سمندر میں پھینک دی گئیں۔ بیمار مسافر، ٹھیک ہوتے ہوئے مسافر، اور گھسٹتے مسافر ساحل پر آ رہے تھے۔ ہر ایک اس تکلیف دہ کہانی کو اپنے انداز میں بیان کر رہا تھا۔ اُن میں سے ایک نے اُس شخص ذکر کیا جس کے پاس ڈاکٹر فرینکلن کا خط تھا۔ اور ڈاکٹر کرسلے جو کہ امریکہ کے اس عظیم شہر میں بسنا چاہتا تھا مگر اب تک بہت بُری حالت میں تھا' اس نے فیس ملنے کی بُو محسوس کی۔

''اُس کا نام کیا ہے؟''۔

''پین ہے، میرے خیال میں''۔

''کیا تم نے خط دیکھا ہے؟'' کرسلے نے احتیاط سے پوچھا۔

''نہیں۔ میں نے سنا ہے''۔

''تم نے وہ خط دیکھا؟''۔ ڈاکٹر نے ایک اور سے پوچھا۔

''نہیں''۔

فیس تو فیس تھی مگر بغیر کسی آمدن کے بخار والے جہاز پر جانا ایک ڈاکٹر کے فرائض میں شامل نہ تھا۔

''کیا وہ جہاز کے پیندے میں ہے؟''۔

''نہیں، وہ کیبن مسافر ہے''۔

جہاز کا پیندا تو بھرتی شدہ نوکروں سے بھرا ہوا تھا، جہاں سے یہ بیماری پہلے پہل شروع ہوئی تھی۔ اور پہلے ہی بمشکل کھڑا ہوا کیپٹن دو مالدار فلیڈیلفیائی سوداگروں سے اِن نوکروں کی فروخت کے لیے مول تول کر رہا تھا۔

''ڈیوٹی ڈیوٹی ہوتی ہے''۔ ڈاکٹر نے کہا اور جہاز پر چلا گیا۔ وہ نیچے بدبودار تہہ میں گیا اور جسموں پر سے لڑکھڑاتے ہوئے اپنی ڈیوٹی کی سختی کو برا بھلا کہتے ہوئے اس نے مسٹر پین کو آواز دی جو کراہ رہا تھا۔

مسٹر پین نے آواز کا جواب دیا۔ ڈاکٹر کے پاس ایک موم بتی تھی جو بدبودار ہوا میں پھڑ پھڑا رہی تھی۔ ٹام پین کو تلاش کرنا اور باہر نکالنا کافی مشکل کام تھا۔ ڈاکٹر کو یہ سارا کام بیکار لگا، آمدنی کی توقع نہ تھی۔ کپڑے وہی جو اس نے نو ہفتہ پہلے پہنے تھے، داڑھی بدترین انداز میں بے ربط تھی۔ میل کی تہہ موٹی تھی اور سارا مجموعہ قے آور چیتھڑوں اور عذاب کا تھا جو ڈاکٹر کے کان میں ''چلے جانے'' اور اسے ''چین سے مرنے دینے'' کے لیے کھسر پھسر کر رہا تھا۔

''آہ۔ تم مرو گے تو ضرور''۔ ڈاکٹر نے خود سے کہا۔

''دفع ہو جاؤ' چلے جاؤ''۔ پین غرّایا۔

''تمہارے پاس فرینکلن کا دیا ہوا خط ہے؟''۔ کرسلے نے پوچھا۔

''ہاں ہے۔فرینکلن کو خدا غارت کرے''۔

''اور.....پیسہ کتنا ہے؟''۔

''تین پاؤنڈ''۔پین نے کھسر پھسر کی۔

''آہا۔تو پھر کل تک تم تندرست ہو کر چلنے پھرنے لگو گے۔ پیسے تمہارے اپنے پاس ہیں؟۔کوئی سامان ہے؟''۔

''تم دیکھتے نہیں میں مر رہا ہوں؟''۔

ڈاکٹر چلا گیا اور ایک کشتی کے ملاح کو ساتھ لایا جس نے جہاز پر قدم رکھنے سے قبل ہی تین شلنگ اجرت کا مطالبہ کیا۔ اُن دونوں نے ٹام پین کو بازوؤں اور ٹانگوں سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے کھلی ہوا میں لے آئے اور بوری کی طرح کشتی میں پھینک دیا۔

پین میں بغاوت اور ہوش کی آخری چنگاری بجی ہوئی تھی۔ محض اس قدر کہ وہ ڈاکٹر اور کشتی بان کو ''حرامیوں کا جوڑا'' ہی کہہ سکا۔اور پوچھا کہ کیوں اُسے مرنے کے لیے چھوڑ نہ دیا گیا۔ ڈاکٹر بھی اتنا ہی بے تکلف شخص تھا اور جس وقت کشتی بان ساحل کی طرف چپو چلانے لگا تو وہ پسینے سے شرابور مریض پر جھکا اور یوں وضاحت کی:

''اس لیے کہ تین پاؤنڈ ہر روز نہیں ملا کرتے، خاص کر مجھ جیسے شخص کو جو تازہ تازہ پرائیویٹ پریکٹس شروع کر رہا ہو۔ میں کوئی چور نہیں ہوں، میں خود کما کر کھاؤں گا۔تم زندہ رہو گے۔ حالانکہ صرف خدا ہی جانتا ہے کہ کیوں''۔

''یسوع دیتا ہے، یسوع لے جاتا ہے، یسوع پر رحمتیں ہوں''۔کوئیکر فرقے کی خاتون نے کہا جو کہ اس کے لیے بسکٹوں کا ڈبہ اور ناک کے نیچے لٹکانے والی ایک خوشبو کی پوٹلی لائی تھی۔ اس نے سنا تھا کہ ایک بے گھر شخص، کرسلے کے ساتھ رہ رہا ہے، اور یہ کہ وہ گستاخِ دین اور گندا ہے، اور یہ کہ کرسلے نے مشہور ڈاکٹر جیپس سے 20 پاؤنڈ کی شرط لگائی تھی کہ یہ مریض نہیں مرے گا۔ یہ دعویٰ تو کفر تھا۔اب پین نے اس خاتون کے سامنے تسلیم کیا کہ وہ ایک کوئیکر کی اولاد ہے اور اس کی

پرورش کوئیکر فرقے کے ایک فرد کی طرح ہوئی۔اس وقت کرسلے بستر کی پائنتی پہ ہنسی روکے کھڑا تھا۔ جس نے معاملات کو خراب کر دیا۔

''دعا کرو''۔خاتون نے پین سے کہا:''یسوع سے معافی کی التجا کرو اور اس کی ابدی رحم مانگو''۔

''یہ اب تندرست ہو چکا ہے''۔کرسلے مسکرایا۔

''دعائیں مانگو، دعائیں مانگو!'' وہ کمرے سے بھاگتے ہوئے مڑ کر بلند آواز سے بولی اور کرسلے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

''تم کتنے غلیظ شیطان ہو''۔پین نے کہا۔

''کیا میں نے تمہیں نہلایا نہیں؟''۔

''نکل جاؤ یہاں سے''۔

''میں تمہیں یہ یاد دلانے آیا تھا کہ تم میرے دس پاؤنڈ کے مقروض ہو''۔ڈاکٹر نے کہا'' تم یہاں چھ ہفتوں سے ہو۔اس لیے یہ رقم مناسب ہے۔ میں نے تمہاری زندگی بچائی، جس کے لیے یہ دس پاؤنڈ کچھ بھی نہیں۔اور یہ اچھی شکر گزاری دکھا رہے ہو تم!۔ایک آدمی کی زندگی کی قیمت کیا ہے؟''۔

''میں شکر گزار ہوں''۔پین بڑبڑایا۔''میری والی کی قیمت تو بہت کم ہے۔ جونہی روزگار ملے گا تمہاری ادائیگی کر دوں گا''۔

''کیا کرو گے؟''۔

پین نے کندھے اچکائے۔

''میں قرض کے لیے تمہیں جیل پھینک دوں گا''۔ڈاکٹر نے کہا۔

''تم ایسا کر سکتے ہو''۔پین نے تسلیم کیا۔وہ بیماری کی وجہ سے لاغر اور نڈھال تھا۔اس کی بس سفید کھال ہی باقی رہ گئی تھی۔ جس میں مڑی ہوئی بھوری آنکھیں بڑے سوالیہ نشانوں کی طرح دھنسی ہوئی تھیں۔ ہڈیوں نے اسے یوں کھینچ تان رکھا تھا جیسے ایک ڈرائیر پہ پرانے کپڑے ہوں۔ کرسلے نے سوچا کہ وہ بہتر تو ہے مگر اس قدر تھکا ہوا ہے کہ بات یا دلیل بازی نہیں کر سکتا۔

''میں تمہیں ایک مہینہ دیتا ہوں''۔کرسلے اچانک بول پڑا''تم یہاں سے کل جا سکتے ہو''
۔اور پین نے شکر گزاری میں سر ہلایا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

وہ کچھ دیر سویا ہوگا۔ڈاکٹر جا چکا تھا،اور چھوٹا سا کمرہ ملگجی روشنی سے منور تھا۔وہ جس جگہ لیٹا ہوا تھا وہاں سے واحد کھڑکی میں سے فلیڈیلفیا کی سرخ ٹائلوں والی چھتیں نظر آ رہی تھیں۔دور سلیٹی رنگ کے آسمان کے پس منظر میں ایک گرجا کا مینار جھانک رہا تھا۔اور ٹام پین کے دیکھتے دیکھتے برف باری شروع ہوگئی۔صاف،سفید اور سست چھوٹے چھوٹے گالے جو تیز تر ہوتے ہوئے گر رہے تھے جب تک کہ اس سفید پردے نے چھوٹی سی کھڑکی کو بند کر دیا۔جلنے کا کوئلہ ایک کھوکھے میں رکھا ہوا تھا ۔کرسلے سنگدل شخص نہ تھا مگر ایسا شخص تھا جو غربت اور بے تعلیمی کی وجہ سے خستہ حال تھا۔پین اب یہ سب کچھ سمجھ سکتا تھا حتیٰ کہ اُسے اس سے ہمدردی پیدا ہوگئی تھی۔کرسلے نے اس کا علاج کیا تھا اور اُسے اس کی زندگی لوٹا دی تھی،اور دس پاؤنڈ کوئی بہت بڑا پیسہ بھی نہ تھا۔اب اُس کی تھکن کم ہو چکی تھی ۔اس میں کچھ غیر یقینی تو تھی مگر اسے ٹانگوں میں اتنی توانائی محسوس ہوئی کہ وہ اسے کھڑا کر سکیں۔پین اٹھا اور کھڑکی تک گیا۔یہ امریکہ تھا جہاں وہ آ گیا تھا،اور وہ اسے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔دور ایک گرجا کا مینار سفید برف لیے کچھ چھتیں،کچھ لوگ گلی میں چلتے ہوئے نظر آئے..... برادرانہ محبت کا شہر۔امریکہ وہ سرزمین،وہ خواب،اور وہ سلطنت تھی جس کے بارے میں بہت عرصے سے اس نے سوچ رکھا تھا۔ اس سوچ کا سارا مجموعہ اس کی طرف پھر لوٹ آیا۔اور ٹام پین دوبارہ آپے میں آ گیا۔سرما کی اس شام میں ایک میٹھی صفت تھی،تقریباً ایک ناسٹلجیا تھا،گرجا کی گھنٹیاں مدھم آواز میں بجنا شروع ہوئیں اور پین کو لگا جیسے گلی کے لوگ مزید تیز چلنا شروع ہو گئے تھے۔

اب زندگی کسی پرانے گیت کی طرح ایک میٹھی چیز تھی۔وہ جذبات سے کانپنے لگا،اور پھر دوبارہ اپنے بستر کی طرف گیا.....مگر وہ اُس رات سو نہ سکا۔

اگر اِس جگہ پہ کوئی نبی آتا تو وہ بنجمن فرینکلن ہوتا۔اس نے پین کو جو خط دیا تھا وہ گل کر بہت خستہ ہو چکا تھا،وہ تڑ مڑ گیا تھا،اس میں شکنیں پڑ گئی تھیں۔اور وہ پھٹا ہوا تھا۔مگر فرینکلن کے

داماد باچے نے اُسے پھیلا دیا،احتیاط سے پڑھا اور کہا:ہاں'وہ پین کے لیے کچھ نہ کچھ کرے گا۔کوئی بڑا کام تو نہیں مگر یہ امریکہ ایک اچھا ملک تھا،پنسلوانیا ایک اچھا صوبہ اور فلیڈیلفیا ایک اچھا شہر تھا۔ خدا شاہ جارج پر رحمتیں نازل کرے۔کوئی شخص بھوکا نہیں رہتا،کوئی بھی نہیں'اگر اُس میں ذرا بھی صلاحیت ہو۔وہ پرانے ملک کے بارے میں تو کچھ نہ کہتا تھا مگر ایک لحاظ سے یہ جگہ پرانے ملک سے بہتر تھی۔۔

''میرا یہی خیال ہے''۔پین نے کہا۔

کیا پین کچھ کام کر سکتا ہے؟۔کیا وہ ایک سفر کرنے والا شخص ہے؟۔

''بریزیئر بنانے والا ہوں''۔پین نے کہا۔''مگر بریزیئر بنانے سے زیادہ،میں بُنائی کا کام کر سکتا ہوں،محنت مزدوری کر سکتا ہوں۔مگر میں بیمار پڑ گیا تھا اور اگر'(اس کا چہرہ سرخ ہوتے ہوئے)میں کچھ عرصہ تک ہاتھ کی بجائے دماغ استعمال کرنے والا کام کر سکوں تو یہ بہت اچھا ہوگا۔ کوئی بہت بڑا نہیں،اس لیے کہ علمیت والی چیز میرے پاس نہیں۔مگر میں ہجے کر سکتا ہوں،حساب کر سکتا ہوں،اور میں کچھ لاطینی جانتا ہوں''۔۔۔۔باچے کا چہرہ غیر فیصلہ کن ہی رہا۔

باچے موٹا تھا،خوشحال تھا۔وہ پین کی عمر کا تھا مگر اس کے اوپر ایک بایقین دنیا تھی۔اس نے اثبات میں سر ہلایا،پین کا کندھا تھپتھپایا اور کہا'' کافی ہے۔میں آپ کے لیے کچھ تلاش کر لوں گا''۔

دو دن تک فاقے کرنے کے بعد،اپنے اولین چند سکّوں کے ساتھ وہ ایک کافی ہاؤس چلا گیا اور رولز اینڈ مکھن لیے'اور گاڑھے سیاہ محلول کی ایک پوری چینک خریدی۔اس کے گرد کامیاب لوگ بیٹھے ہوئے تھے'باچے کی طرح کے کامیاب لوگ۔لندن ہوتا تو صرف اُس کا خستہ لباس ہی اُسے کھانے کے کسی معزز مقام پر جانے سے روکتا۔مگر یہاں اس پر کسی نے دھیان تک نہ دیا ۔وہاں اُس جیسے اور بھی تھے۔کونے میں بلیک لینڈز سے تعلق رکھنے والا ایک جنگلی آدمی بیٹھا تھا۔اس نے چمڑے کا لباس پہن رکھا تھا،ایک فر کی ٹوپی تھی اور بندوق اس کے گھٹنوں کے بیچ رکھی تھی۔وہ

ہاتھوں سے کھا رہا تھا۔لگتا تھا اس نے کبھی چُھری کانٹے نہیں دیکھے تھے۔تو پھر اس میں کیا مضائقہ تھا کہ وہ مسٹر ڈولان کے دو بچوں کو یہ پڑھا رہا تھا کہ ''ایک اور ایک دو ہوتے ہیں'' اور ''سی اے ٹی سے ''کیٹ'' بنتا ہے''.....اور مسز ڈولان دوپہر کو آئی اور کہا'' آپ ایک کپ چائے پئیں گے مسٹر ؟''۔اور یہ کہ،کل کو سمتھ کے بچے بھی پڑھنے آئیں گے، دو چھوٹی لڑکیاں اور ایک لڑکا۔

دو ماہ گزرے، وہ غصے سے پاگل ہو جاتا مگر یہ امریکہ تھا اور اُسے زندگی واپس مل گئی تھی، اور 'ٹیچنگ' بریزیئر بنانے سے تو بہت بہتر کام تھا۔یا ہوسکتا ہے کہ اس کے اندر کچھ چیز جل چکی تھی کہ وہ صابر تھا اور کل کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا۔خود کو تسلیاں دیتا گھسٹ رہا تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ ٹام پین ہے۔بس۔

انسان تبدیل ہوتا رہتا ہے۔وہ بوڑھا نہ تھا، وہ جوان بھی نہ تھا مگر حتیٰ کہ کرسلے، جو کہ سخت اور ظالم تھا، کو بھی پین پر کچھ رحم آیا۔جب پین قرض ادا کرنے کے اپنے وعدے کی تجدید کے لیے اُس کے پاس آیا تو کرسلے بولا: ''بھول جاؤ۔میں نے تم پر بیس پاؤنڈ کمائے''۔

''میں نے اس بارے میں سنا ہے''۔پین غصہ کیے بغیر بولا۔

''میں نہیں کہتا کہ تم زیادہ کے اہل نہیں ہو''۔ڈاکٹر نے ایک لمحہ توقف کیا۔''میں نہیں جانتا کہ ایک انسان کی اہمیت کیا ہے۔میں نے سنا ہے تم پڑھا رہے ہو''۔

''ہاں''۔

''مجھے امید ہے کہ یہ کام خوب اچھی طرح کر رہے ہو''۔ڈاکٹر نے اس بار خلوص سے کہا۔

پین نے کندھے اچکائے۔ایک شلنگ یومیہ کا معاوضہ ٹھیک تھا اور دو شلنگ تو کافی سے بھی زیادہ تھے۔اور جب مسز کریڈل نے اسے اپنے خاوند کا تیسرا بہترین پرانا جوڑا دیا تو وہ اس نے لے لیا۔وہ محنت مزدوری نہیں کرتا تھا اور یوں اس کے پاس پورا دن ہوتا تھا اور وہ فلیڈیلفیا میں گھومنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتا تھا۔وہاں لکڑی بھرے پہاڑوں سے باہر' اپنے گندے شوخ کمبلوں میں لپٹے، دانتوں میں مٹی کے بنے چلم دابے ریڈ انڈین تھے۔جرسیاں پہنے اور لکڑی کے جوتے پہنے ڈچ تھے۔بوسٹن سے آئے نوکیلی ناکوں والے یانکی تھے۔دلاویر علاقے سے لمبے تڑنگے سویڈنی

تھے۔پیچھے کی کاؤنٹیوں سے میلے چمڑے کا لباس پہنے شکاری تھے جو جہاں بھی جاتے اپنی چھ فٹ لمبی بندوقیں ساتھ لے جاتے۔اندرونی علاقے سے سفید و سیاہ اور سرخ و بھورے اور سلیٹی کوئیکر فرقے کے لوگ تھے۔پین اور ڈارلے اور روڈ مونٹ لوگ تھے۔وہ آہستگی سے کاہلی سے چلتا ہوا، ایک تاریک راہ پر دنیا سے الگ چلنے لگا۔اس کا ماضی گزر چکا تھا، مستقبل غیر موجود تھا، ایک شلنگ والا ٹیچر، فحش کہانیوں کا مسخرہ، برفباری اور تیز ہواؤں والے خراب موسم میں اس کا گھر کبھی ایک سرائے کا کمرہ ہوتا کبھی دوسری سرائے کا۔لیکن اگر موسم اچھا ہوتا تو کسی کوئیکر کے اصطبل میں گھاس پھوس کا ڈھیر اس کا بستر ہوتا، اس طرح اس کے چھ پنس بچ جاتے جو کہ کسی سرائے میں سستے ترین کمرے کا کرایہ ہوتا۔

اگر وہ کبھی اپنے بارے میں سوچتا بھی تو بہت رحم سے سوچتا۔اگر اُسے شراب کی ایک بوتل ہاتھ آجاتی تو وہ خود ترسی میں اس قدر کھو جاتا کہ یہ شراب نوشی آخر میں تلخ آنسوؤں کے سیلاب پر منتج ہو جاتی۔اور اُسے تنہا پینا نہ پڑتا اس لیے کہ عموماً کوئی نہ کوئی شرابی اس کا ساتھ دیتا۔وہ اپنی زندگی کی طرف اشارہ کرتا کہ میری زندگی دیکھو۔مجھے کوئی موقع ملا؟۔جب میں لڑکا تھا تو بریزیئر بنانے والا تھا، محبت کے لیے ایک عورت ملی مگر کھو گئی۔میں ایسی حالت میں پس رہا تھا جسے لوئر مڈل کلاس کی برطانوی زندگی کہتے ہیں۔ساری دنیا جیسے کوئی چھوٹا اڑنے والا پہیہ ہو۔ایک معمولی حسن کے لیے دھند میں گھسٹتا ہوا، وہ خود بدصورت، میلا کچیلا۔

وہ احمق نہ تھا۔وہ خود کو اکثر کہتا رہتا کہ اس کا کم سے کم ثبوت یہ ہے کہ اس نے کئی چیزوں کی تمنا کی تھی۔اور اس نے کبھی بھی اطاعت قبول نہ کی تھی' اس لیے اس نے بہت سخت نفرت کی تھی ۔۔۔شاہوں سے نفرت کی تھی، سرداروں سے، بیگمات سے، جنٹلمینوں سے، بھکاریوں، چوروں، اور فربہ و امیر سوداگروں سے، بدتمیز عورتوں اور رنڈیوں اور نفیس خواتین سے بھی نفرت کی تھی۔

وہ جانتا تھا کہ اس نے ایک بار ایک عورت سے محبت کی تھی۔

اب وہ محبت نہیں کرتا تھا اور نفرت نہیں کرتا تھا۔اس نے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا، وہ امریکہ کی سرزمین پہ پہنچ گیا تھا جہاں وہ آرام کر رہا تھا۔کسی نے اُسے جوتے نہیں دیئے، اور اس

کے جوتے ٹوٹ گئے تھے، اس کے موزے بس دکھاوا تھے۔ اُسے ایک پرانا کوٹ دیا گیا تھا جو اس کے کندھوں سے پھٹ چکا تھا اور وہ ہواؤں کے سرد تھپیڑوں میں سر جھکائے گلیوں میں چکر لگایا کرتا تھا۔ اس کی صورت فلیڈیلفیا جیسے چھوٹے شہر میں اتنی غیر معمولی تھی کہ لوگ اُسے پہچاننے لگے۔

''وہ دیکھو ٹام پین جا رہا ہے''۔ وہ کہتے تھے۔

ایک بار کوئیکر بیگمات کی کمیٹی نے اُسے بلالیا۔ انہوں نے اسے ایک نیا کوٹ اور بنیان خرید دی۔ ''تم ہمارے لیے باعثِ شرم ہو''۔ انہوں نے کہا ''تم اسی طرح رہو گے جب تک کہ بھگوان منہ پھیر نہ دے''۔

وہ چونکہ شراب پیئے ہوئے تھا اس لیے احمقانہ طور پر مسکراتے ہوئے بولا۔

''میں بھگوان کا پیٹ چاٹوں گا''۔

یہ بات شہر میں پھیل گئی اور وہ ٹیوشن کے اپنے نصف کام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ جنوری کا مہینہ تھا، 1775 کا جنوری۔ یہ ایک ایسے سال کی ابتداء تھی جس نے کہ انسانیت کی تقدیر بدل کر رکھنی تھی۔ پھر بھی یہ ایک ایسا جنوری تھا جو کہ عموماً وہاں ہوتا ہے.....کبھی بارش، کبھی برفباری، کبھی ژالہ باری اور کبھی ایسا شفاف گرم دن جو کہ جون میں ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے سال کی ابتداء تھی جو ایک عہد کی ابتداء تھی، اور یسوع خود زمین پر گھومتا اور گونگی انسانیت سے ایک درشت مگر نرم آواز میں بات کرتا۔ پھر بھی انسانوں کی اکثریت کو پتہ نہ تھا اور نہ پرواہ تھی۔ انہیں تو سینکڑوں کام کرنے تھے، خرید و فروخت کرنی تھی، پیداوار کرنی تھی، محبت کرنی تھی، نفرت کرنی تھی، نفع کرنا تھا، نقصان کرنا تھا۔

فلیڈیلفیا کے لیے یہ ایک اچھا سال ہونا تھا۔ یہ قصبہ تیزی سے شہر میں تبدیل ہو رہا تھا۔ اور یہ چونکہ امریکہ، ورجینیا، میری لینڈ، پین سلوانیا، نیویارک، اور میساچُوسَٹ کی قوموں کے سنگم پہ واقع تھا اس لیے اس نے کرہِ ارض کے عظیم ترین شہری مراکز میں سے ایک بننا تھا۔ اس کی گلیوں میں سے، اس کے تجارتی مراکز میں سے، جو کہ کافی ہاؤس تھے، اس کے وئیر ہاؤسوں، اور اس کی بندرگاہوں سے برطانوی نو آبادیوں اور کئی یورپی ممالک کی نو آبادیوں کے ساتھ تجارت کا بہاؤ جاری تھا۔ پچھلے سال ایک لحاظ سے بے ہنگم تنظیم، پہلی براعظمی کانگریس فلیڈیلفیا میں منعقد ہو چکی تھی

، مگر انہوں نے کچھ بھی کام سرانجام نہیں دیا تھا، اور متمول شہریوں نے اعتبار نہیں کیا تھا کہ یہ کانگریس نو آبادیوں کی حفاظت اور خوشحالی کے لیے کوئی خطرہ تھی۔ گو کہ گڑبڑ موجود تھی اور کھسر پھسر بھی (زیادہ تر بوسٹن میں اور شمال کے دیگر یا نکی قصبوں میں) مگر گڑبڑ کے بغیر کونسا زمانہ گزرا؟۔ جنوب کی عقبی کاؤنٹیوں میں بھی بے چینی تھی مگر جنگل کے لوگوں سے آپ اور کیا توقع کر سکتے ہیں جو کہ اپنی چھ فٹ لمبی بندوقوں کے ساتھ ہُن لوگوں کی طرح آزادانہ پھرا کرتے تھے۔

اوپر اتنے اُود بلاؤ تھے کہ خرگوشوں سے بھی زیادہ تھے، اور لاغر سکاٹ لینڈ والوں اور سیاہ ریش یہودیوں کی طرف سے چرواہا گیری ہوتی تھی جو کہ ایک رواں ندی کی طرح شہر میں نازل ہوتے رہتے۔ تمباکو کی فصل بہت اچھی ہوگئی، جرسی والے لوگ اشیائے خوراک سے بھرے ہوئے تھے، دلاویر سے اچھی سفید صنوبر کی کشتیاں چلی آتی تھیں۔ جرمن کاؤنٹیوں میں سؤر کبھی بھی اتنے موٹے تازے نہ ہوئے تھے اور نہ شہر کی شمالی چراگاہوں کی بھیڑیں پشم سے اس قدر لدی پھندی تھیں۔ جنگلی لکڑیوں میں، جھیل کی کاؤنٹی اور فَن کا سل علاقے میں ہرنیاں مکھیوں کی طرح بڑی تعداد میں بھاگتی دوڑتی تھیں، جنہیں فلیڈیلفیا میں شکاری لوگ فی پاؤنڈ 4 پینس پر فروخت کرتے ہیں۔ ہرن کی کھالیں ہزاروں کی تعداد میں اوپر نیچے بندرگاہوں پہ بدبودار گٹھڑیوں میں رکھی ہیں، سارے یورپ کے مردوں کا فیشن بدلنے کو تیار تھا۔ ہر بڑھئی انگلش فرنیچر کا خبط رکھنے والوں کے لیے لڑ رہا تھا۔ وہ صرف نقل نہیں کر رہے تھے بلکہ ایک حقیقی امریکی فرنیچر کی تخلیق کر رہے تھے۔ شہر کے محنت کش توانا تھے اور ان کے ہاتھ بنانے اور تخلیق کرنے کے لیے خارش کر رہے تھے۔ گھر بلند ہو رہے تھے اور کبھی کبھی اینٹیں مقامی ہوتی تھیں اور سیمنٹ بھی۔

بلاشبہ بے چینیاں بھی تھیں اور بُڑ بُڑ بھی تھے مگر اچھی چیزوں کی بہتات تھی۔ بے صبری بھی تھی مگر صبر بھی کافی تھا۔ فضا میں آزادی بھی تھی۔ جنگ کی افواہیں تھیں۔ گو کہ فضا دھندلی تھی، مگر لوگ جنگ نہیں چاہتے تھے۔

یہ ایک اچھا شہر تھا۔ اس کی منصوبہ بندی احتیاط سے کی گئی تھیں۔ اُسے نہ تو خریدا گیا تھا، اور نہ سرخ آدمیوں سے لُوٹا گیا تھا۔ یہ شہر غریب کوئیکرز سے بھرا ہوا تھا اور ایسے امیروں غریبوں

سے بھی بھرا ہوا تھا جو کہ کوئیکرز نہ تھے۔اس میں مڈل کلاس خوشحالی کا ایسا عزم موجود تھا جو آپ کو کسی اور یورپی شہر میں نہ ملتا۔مکانات ٹھوس تھے،زیادہ تر اینٹوں سے بنے تھے،کچھ نیم لکڑی کے بنے تھے ۔گلیاں زیادہ تر روڑے والی تھیں۔اُن کے نام آدمیوں کے ناموں پر نہیں بلکہ درختوں کے ناموں پر رکھے گئے تھے،یا اُن کے نمبر دیئے گئے تھے۔آگ بجھانے کا ایک اچھا محکمہ تھا،گارڈ کا اچھا محکمہ تھا اور ایک اچھی لائبریری تھی۔وہاں ایک فلاسفر تھا بین فرینکلن۔یہاں امریکہ میں کسی بھی اور جگہ سے زیادہ اچھا شیشہ تھا،سوتی کپڑا تھا،چاندی تھی،اور فرنیچر تھا،اور فیشن کے بعد وہاں مذہب اور فکر کی زیادہ آزادی تھی۔یہاں'اس امید بھری سرزمین میں'فلیڈیلفیا امید بھرا شہر تھا۔

پین ایک غلام فروشی کی جگہ پر گیا،اس لیے نہیں کہ وہ خریدنا چاہتا تھا یا اس کے پاس خریدنے کے لیے پیسے تھے بلکہ اس لیے کہ یہ ایک سہ پہر تھی'اور اُس کے پاس کرنے کو کچھ اور نہ تھا۔ نیز اس لیے بھی کہ اسے تجسس تھا کہ انسانوں کو خریدنا اور بیچنا کیسا ہوتا ہے۔یہ نیلامی'اناج کے ایک بڑے پرانے سٹور میں ہو رہی تھی جس کے دروازے مقفل تھے اور وہاں ایک درجن تاجر موجود تھے ۔یہ اچھی نسل کی نوجوان عورتوں کی فروخت تھی جس کا مطلب تھا کہ صرف عورتوں کی نیلامی ہوگی ۔اور وہ یا تو کنواری ہوں گی یا حاملہ،اور یہ کہ بولی بہت تیز ہوگی۔صرف یہی نہ تھا بلکہ پین نے تو سنا تھا کہ یہ محض فروخت اور خرید نہ تھی بلکہ یہ دوسرے پہلوؤں کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہوگی۔

وہ آج زیادہ پیسے ہوئے نہ تھا،محض سرور جتنا چڑھا رکھا تھا،اتنا کہ وہ خود سے کہہ سکے:'' وہ انہیں کیوں نہ بیچیں،کیوں نہ خریدیں؟۔۔۔سفید فاموں کو بھی،صرف کالوں کو کیوں؟''۔پھر بھی وہ نہ تو ناراض تھا نہ ہی توہین شدہ،بلکہ خود سے خوش تھا کہ اس نے اچھے تاجروں کو منوالیا کہ اُسے اندر آنے دیں۔وہ اتنے اچھے تھے کہ اُسے ایک شلنگ والا ٹیوٹر کہنے کے بجائے لکھاری کہہ کر پکارتے تھے۔اور اُن کا خیال تھا کہ شاید وہ اس نیلامی کے بارے میں کچھ لکھے گا اور اپنی تحریر کسی رسالے کو فروخت کرے گا۔

بولی لگنے سے نصف گھنٹہ قبل تاجر ارد گرد بیٹھ گئے،وہ گھاس کے مضبوط بندھے گٹھوں پر آرام سے نیم دراز بیٹھ گئے۔تمباکو نوشی کرتے ہوئے،نسوار استعمال کرتے ہوئے۔۔۔مگر پھر بھی

وہ کچھ گھبرائے ہوئے' کچھ شرمائے ہوئے ہوتے ہیں جیسے نو بالغ کسی چکلے میں ہوں۔ایک لمحہ کو پین کچھ نہ سمجھا اور پھر اسے معلوم ہوا کہ وہ تو سیاہ فام عورتوں کو ننگی دکھائیں گے۔اس کا گلہ سکڑ گیا۔وہ گرم اور سرد ہوا اور شرمندہ اور خواہش مند ہوا اور مہینوں بعد پہلی بار خود کو چھوٹا محسوس کرنے لگا۔

اس نے محسوس کیا کہ اس نے شیو نہیں کیا ہوا ہے،اپنے آپ کو سنوارا نہیں ہے اور وہ خستہ حال ہے۔اس کے ناخن سیاہ ہلال بن چکے تھے۔خود پہ اس کا ترس ایک گیلا نوالہ تھا،ایک جھوٹ، ایک واہمہ.....اور اگر کوئی' آدمی کی شرافت کے معیار کے بطور کسی قسم کا ثبوت پیش کر سکے،تو وہ کم از کم ٹام پین کو انسان کی سُبکی کے بطور آرام سے پیش کر سکتا ہے۔

نیلامی شروع ہوگئی۔مائلز ہینسی،جو اس زمانے میں غلاموں کا سب سے بڑا دلال تھا، اناج گھر کے پیچھے چھوٹے سے باڑہ سے باہر آیا جہاں سیاہ فام لڑکیوں کے ریوڑ رکھے ہوئے تھے۔ وہ چاندی کے سرے والی اپنی چھڑی سے ایک سولہ سالہ لڑکی کو چھوئے ہوئے ہنکار کر لا رہا تھا۔ ہینسی اپنے پاؤڈر لگے،خوبصورتی سے گھنگھریالے کئے ہوئے وگ سے لے کر پالش کئے ہوئے جوتوں تک شان و شوکت کا بہترین نمونہ تھا۔موزے ریشمی اور سونے کے تاروں والے تھے،اس کی گردن کی پشت پر اور آگے اندازاً پانچ پاؤنڈ جتنے گچھے دار تسمے تھے۔اس نے سیاہ پرتگالی کپڑے کا کوٹ پہن رکھا تھا اور نرم اور خوبصورت نمدے کا ایک تین کونوں والا ہیٹ۔ایسا تھا ہینسی،جو کہ ایک لی جنڈ تھا۔وہ اپنے ذاتی ''غلام جہازوں'' کے ساتھ افریقہ تک جاتا تھا۔اُس نے ایک سیاہ فام بادشاہ تک کو فروخت کیا تھا،چار سیاہ فام سربراہ اور کم از کم ایک سو کے قریب شہزادے۔جسے اس بات پر اپنے آپ پہ فخر تھا کہ جب وہ کوئی حاملہ نیگرو بیچتا تھا تو وہ اُسی کی حاملہ کردہ ہوتی۔وہ ایک شیطان تھا'ایک قاتل.....اس کا چہرہ لمبوترا ابھورا تھا اور اُس کی چھوٹی چھوٹی نیلی آنکھیں تھیں اور وہ سات مغربی ساحلی لہجے بولتا تھا۔

وہ مسکرایا۔اور لڑکی کو لکڑی کے بنے پلیٹ فارم پر کھینچ لایا۔وہ ایک کمبل میں لپٹی ہوئی تھی ۔صرف اس کا پشمینہ خوفزدہ سر آگے کو نکلا ہوا تھا۔پسینہ اور خوف نے اس کے عجیب سے گول چہرے کو سیاہ مرمر کی طرح چمکدار بنا دیا تھا۔ہینسی نے کہا:

''حضرات' میرے اچھے دوستو۔ یہ سولہ سال کی ہے، نرم جیسے ایک برّا، مضبوط جیسے کنواری گائے اور حسین۔ اور قدیم سلیمان اسے اپنے پاس رکھنے کے لیے اپنے تاج سے ایک ہیرا دے دیتا۔ اس کا خون شاہی ہے اور جہاں تک اس کے ذہن کا تعلق ہے تو وہ اپنی بات سمجھانے کے لیے بادشاہی بولی بولتی ہے۔ اس کے پستان دو ہم آہنگ انگوروں کی طرح ہیں، اس کی پشت دودھ پیتے سؤر کی رس دار پشت ران کی طرح۔ میں اُس کے لیے بولی 50 پاؤنڈ سے شروع کرتا ہوں، اور حضرات، اسے 100 بنائیے اور اونچی آواز میں بولیے۔ حضرات اسے گھر لیجائیے، یا بستر پر، یا گھاس کے گٹھے پہ، ساٹھ کہیے، حضرات 75 بنائیے، 80 بنائیے۔ کمبل 80 پر گر جائے گا''۔

''اسّی پاؤنڈ'' کوئی پکارا۔

اور ہینسی نے کمبل کھینچ کر گرا دیا۔ وہ ایک چھوٹی لڑکی تھی، خوفزدہ۔ کانپتی ہوئی خوف سے دبک گئی۔ جب ہینسی پکارا ''کنواری، حضرات کنواری، اوپر آؤ دیکھو''۔

پین نے برف میں ٹھوکر کھائی۔ اس نے کسی کو قتل کرنا چاہا تھا، اور وہ خوفزدہ تھا۔ وہ تین گھنٹے تک فلیڈ یلفیا کی گلیوں میں گھومتا رہا۔ اس کے پیر اور موزے گیلے اور ٹھنڈے تھے۔ جونہی اندھیرا ہونے لگا تو وہ ایک سرائے میں چلا گیا اور آگ کے سامنے بیٹھ گیا اور نصف شب تک وہ بنا کچھ بولے، بنا حرکت کئے بیٹھا رہا۔

رابرٹ ایٹکن اُن تنہا، اور بے مُسکان سکاٹ لینڈ والوں میں سے تھا جو ایک ایک دو دو کر کے امریکہ کھچے چلے آئے تھے' اُس وقت سے جب سے اِسے نوآبادی کے لیے کھول دیا گیا تھا۔ یہ عجیب لوگ تھے۔ تاثرات سے دور' بظاہر آباد ہونے کو اور امیر بننے کو، مطمئن ہو جانے کو، یا بس چلے جانے اور انڈینز کے ساتھ زندگی بھر تجارت کرنے کے لیے۔ خودسر، ان کے کیل وِن والے مذہب سے اتنی زیادہ برداشت آئی جتنی زیادہ ہٹ دھرمی آئی تھی۔ اور ایک سکاٹ باشندے اور ایک یہودی میں جانوروں کی ملائم کھال کی تجارت میں زندگی بھر کے لیے حصہ دار بن جانا ایک مشترک چیز تھی۔

ایٹکن لمبا اور دبلا پتلا شخص تھا۔ اس کا چہرہ سخت تھا جو اس بات کی چغلی کھاتا تھا کہ وہ پھیکا

شخص ہے اور تخیل و جذبات سے مبرا۔ لوگ اس سے بات نہیں کرتے تھے۔ اس کی دکان تھی جہاں وہ کتابوں کی خرید و فروخت کرتا تھا۔ اس کا ایک پریس بھی تھا۔ کبھی کبھی وہ ایک آدھ چھوٹی کتاب یا پمفلٹ شائع کرتا تھا۔ اس کے دماغ میں بڑے بڑے منصوبے تھے۔ وہ پین کے ساتھ گھل مل جانے سے کترا رہا تھا۔ یہ غلام فروشی کے بعد کا دن تھا، اور پین اس کی دکان میں آ گیا تھا۔

''میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''۔ ایٹکن نے پوچھا۔

پین نے ہکلاتے ہوئے وضاحت کی کہ وہ ایک لکھاری ہے، انگلینڈ میں اُس نے ایک یا دو پمفلٹ لکھے تھے، اور یہ کہ یہاں وہ ایک شیلنگ والا ٹیچر ہے''۔

''اور ایک بلانوش بھی!!''۔ ایٹکن نے ترشی سے کہا۔

پین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں اخلاقیات کا خیال رکھتا ہوں''۔ ایٹکن نے کہا ''اپنی شکل تو دیکھو، گندے، بدبودار، خستہ.....اور ڈھٹائی تو دیکھو! یہاں چلے آئے ہو اور مجھ سے ایک ایماندارانہ گزر بسر مانگ رہے ہو!''۔

''ایک موقع تو دیجئے''۔ پین نے کہا۔

''میں کیوں موقع دوں؟۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم فرینکلن کا ایک خط لے کر آئے تھے۔ اور یقیناً تم نے اُس اچھے انسان سے دھوکہ کیا ہے۔ تم شہر کے گرد ایک پاگل شخص کی طرح گھوم رہے ہو۔ مجھے پکا یقین ہے کہ تم اجرت پر ایک برے لکھاری ہو!''۔

پین دروازے کی طرف مڑا، مگر جب ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو اس نے سکاٹ والے شخص کی آواز سنی جو اُسے واپس بلا رہا تھا۔

''کیا تم فی ہفتہ ایک پاؤنڈ پر کام کرو گے؟''۔ ایٹکن نے پوچھا۔

پین کا بڑا، بدصورت سر ہلا، اس کی تڑی مڑی بھوری آنکھیں ایٹکن پر جم گئیں جیسے کہ وہ لاغر کتب فروش ہی وہ واحد شخص ہو جس کی قدرت میں اُس کی تقدیر ہو۔

ایٹکن نے نرمی سے کہا: ''میں آدمی کو نہیں دیکھتا ہوں' اس کے باطن کو دیکھتا ہوں۔ تم کسی بھی طرح بے وقوف نہیں ہو اور نہ ہی میں بیوقوف ہوں۔ حالانکہ شہر میں کئی بڑی توندوں والے ہم

دونوں کو احمق سمجھتے ہیں۔ میں اُس وقت خرچ کرتا ہوں جب مجھے خرچ کرنا پڑتا ہے۔ میں بہت اچھی سرمایہ کاری کرتا ہوں''۔

وہ اپنی تجوری تک گیا اور مٹھی بھر چاندی نکالی۔''یہ ہے ایک پاؤنڈ۔ اور اگر تم اِسے شراب پہ خرچ کرو گے تو پھر مجھے اپنا گندہ چہرہ دوبارہ نہ دکھانا۔ نائی کے پاس جاؤ، اور اس کے بعد کچھ نفیس لباس خریدو؛ ایک کوٹ لے لو اور پھر واپس یہاں آ جاؤ''۔

18

پین نے سر ہلایا، رقم لی اور باہر چلا گیا۔ وہ کچھ کہہ نہ پایا، وہ سوچ بھی نہ پایا، جیسے وہ فاقہ کشی کی جیل سے رہا ہو گیا ہو۔ اسے بہت بھوک محسوس ہوئی۔ اسے پوری دنیا کی طلب ہوئی۔ اسے نیلامی کے چبوترے پر کپکپاتی ہوئی نیگرو غلام لڑکی کی طلب ہوئی۔ اُس نے چاہا کہ وہ اسے بازو سے تھامے اور کہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کی قوت کا احساس اس سادہ حقیقت کا نتیجہ تھا کہ وہ ابھی تک زندہ تھا، کہ وہ ابھی تک خواہش کرتا تھا، بھوک محسوس کرتا تھا، امید کرتا تھا۔

وہ جب واپس وہاں آیا تو اس نے شیو بنایا ہوا تھا، بال بنائے سنوارے ہوئے تھے اور اس کے ناخن صاف تھے۔ ایٹکن نے اسے رات کا کھانا کھلایا اور وہ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ کتب فروش غیر معمولی شخص تھا، وہ یکتائے زمانہ تو تھا لیکن نوآبادیوں کے بارے میں ٹھوس اور مفصل علم سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے پین کو بلا تکلف بتایا:''میں تم پہ اس لیے اعتماد کرتا ہوں کہ تم سستے ملے ہو۔ یہی میرے اندر کا سکاٹ مین کہتا ہے، میرے اندر کا بے وقوف!''۔

انہوں نے ساری شام باتیں کیں۔ اور نصف شب کو''پنسلوانیا میگزین'' پیدا ہو چکا تھا۔ پین نے رات ایٹکن کے گھر گزاری۔ وہ سو نہ سکا' بس اندھیرے میں تکتا ہوا سیدھا لیٹا رہا۔

3

چوہے دان

پین بُرا تھا۔ ایک لڑکے کو، یا ایک آدمی کو اپنی اوقات میں رہنا چاہیے مگر پین نے اپنا سر دیوار سے دے مارا۔ چودہ برس کی عمر میں وہ خاموش تھا، مگر اس کی خاموشی تاریک اور بدمزاج تھی، جس نے لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ اس کے اندر ایک شیطان ہے۔ ایک بار زمیندار نواب نے نافرمانی پر اسے کوڑے مار مار کر ادھ موا کر دیا تھا اور پین نے اپنا دکھ چیخ کر بتایا:''خدا تمہاری مدد کرے اور تمہارے جیسوں کی۔ خدا تمہاری مدد کرے۔ خدا تمہیں تباہ کرے، خدا تمہیں تباہ کرے!''۔

''برا شخص ہے اور اس سے قبل کہ یہ قتل کر دے اس پر ڈنڈا رکھو''۔ زمیندار نے پین کے باپ سے کہا۔

ٹام نے کہا:''وہ ایک موٹا خنزیر ہے''۔ یہ بات سچ تھی۔ دوسو پینتیس پاؤنڈ، زمیندار ایک پھولا ہوا اور سرخ انگریز جنٹلمین تھا۔ صبح کو کتے سے شکار کرتا ہے، روسٹ بیف، اور پرتگالی شراب رات کے کھانے کے لیے، دوپہر کو کتے سے شکار کرتا ہے، رات کے کھانے کے لیے روسٹ بیف اور پرتگالی شراب کے لیے، آدھی رات تک باتوں اور شراب نوشی میں مصروف رہتا ہے۔''قسم خدا کی، وہ بہت ہی عمدہ اور نفیس جنٹلمین ہے۔ خدا اس پہ مہربان ہو''۔ اُس کے بزرگوں نے کہا۔ وہ

واقعی ایسا تھا۔اور یہ تعجب کی بات تھی کہ اس نے بریزیئر بنانے والے کے بیٹے کی شیطانیت پر صبر سے کام لیا تھا۔

زمیندار کا اپنا بیٹا ایٹون میں تھا، پندرہ برس کا ایک لمبا تڑنگا خوبصورت نوجوان۔ دیدہ زیب اور اس قدر بنا سنورا کہ اس میں دیہاتی پن نہ تھا۔ ہر شخص نوجوان ہیری کو گڈ مارننگ کہتا۔نوجوان ہیری اپنے سکول کے آخری برس تاش میں آٹھ سو پاؤنڈ ہار چکا تھا، اور زمیندار نے اس کے بارے میں سنا تو اپنے گھٹنے پر ہاتھ مارا اور قہقہہ لگاتے ہوئے بولا: ''چھوٹا شیطان، چھوٹا شیطان''۔

ہیری تین دیگر نوجوانوں کے ساتھ سکول سے گھر آیا تو اسے دیہی زندگی بہت بور لگی۔ ضرورت نے اسے ایک خاص درجے کی موجدی پر اکسایا، اور اس نے اور اس کے دوستوں نے ٹام پین کو تھوڑا سا سبق سکھانے کا فیصلہ کیا۔ البتہ انہوں نے ذرا سا جواز ڈھونڈا۔ انہوں نے اس کے خطا کرنے کا انتظار کیا۔ اور زمیندار کے پاس موجود بہت بڑی زمین کا تصور کرتے ہوئے ایسا اکثر ہوتا تھا۔ انہوں نے لڑکے کو پکڑا، اسے پتلی شاخوں والے ڈنڈوں سے بے تحاشا مارا اور پھر اسے ایک شاہ بلوط کے درخت کے ساتھ الٹا لٹکایا۔ انہوں نے اُس وقت اس کی رسیاں کاٹیں جب لگا کہ وہ مر چکا ہے۔ اور جب یہ دیکھ کر انہیں مایوسی ہوئی کہ وہ ابھی تک سانس لے رہا تھا تو انہوں نے اسے ننگا کر دیا اور اسے ایک سیاہ کیچڑ میں لت پت کیا۔ انہوں نے حوش و توانائی کی بحالی کے لیے اسے تھوڑی وہسکی پلائی اور پھر گھر تک اس ننگے کو کوڑے مارتے گئے۔ یہ ایسا شخص تھا کہ انہوں نے اس کے بارے میں سوچا بھی نہ تھا اور اس شغل نے اگلے پورے سال کے لیے انہیں سکول میں نہ ختم ہونے والا موضوعِ گفتگو مہیا کر دیا۔ زمیندار خود اس کہانی کو ہر ہر جگہ دھراتا اور وہ جب بھی یہ قصہ سنانے لگتا تو اس طرح فراواں انداز میں پر جوش ہو جاتا کہ اس کی بیوی خوفزدہ ہو جاتی کہ کہیں اسے رعشے کا دورہ نہ پڑ جائے۔

بنچ پہ کوباندھتے ہوئے اپنے باپ کی نظروں میں ٹام نے آہستگی سے کہا: ''آپ ایک ا بریزیئر بنانے والے تھے اور میں.....اور اگر آپ ایک بھکاری ہوتے، میں بھی ہوتا، اور اگر

آپ ایک چور ہوتے، میں بھی ہوتا، زمیندار کے سامنے جھکتا، غربت و میل میں زندہ رہتا، جب شکاری کتے دوڑے آ رہے ہوتے تو راستے سے بھاگ کر دور ہو جاتا جب لیڈی آ رہی ہوتی تو سامنے سے ہٹ جاتا، چرچ جاتا اور خدا کی عبادت کرتا.....''۔

''بکواس بند کرو''۔اس کا باپ غرایا۔

''میں ایک مرد ہوں''۔لڑکے نے بھاری آواز میں فریاد کی۔''میں تمہیں بتاتا ہوں، میں ایک مرد ہوں، مرد، مرد''۔

''بکومت''۔اس کا باپ چیخا۔''بکومت ورنہ میں تمہارا گناہ بھرا سر توڑ دوں گا''۔

''تم ایک بریزیئر بنانے والے ہو، اور میں ایک بریزیئر بنانے والا ہوں''۔لڑکا ہچکیاں لیتے ہوئے بولا۔

''تم! تم، گناہ بھرے شیطان ہو! ۔دماغ کافرکا، باتیں کافروں کی سی۔ خدا تمہیں سمجھائے!''۔

شیطان اس میں تھا، اُس کے کانوں میں بجتا ہوا، اُسے اکساتا ہوا۔ایک ماہ بعد وہ سمندر کی طرف فرار ہو گیا، ایک کیبن بوائے کی حیثیت سے بحری جہاز میں غیر ملک چلا گیا۔کیپٹن نے حقارت کی ہنسی ہنستے ہوئے اس سے کہا''ایک کوئیکر سے مجھے کیا لینا دینا؟''۔

''مجھے رکھیے، آزمایئے''۔

''کیا تم لڑو گے؟''۔

''میں لڑوں گا''۔ٹام نے اشتیاق سے کہا۔''میں لڑوں گا، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں لڑوں گا''۔یہاں آزادی تھی، وسیع اور دمکتی آزادی۔سمندر میں آدمی خود اپنا مالک ہوتا ہے۔امارت کا نام تھا آزادی، اور یہاں ایسی کوئی بلندیاں نہ تھیں جہاں پر ایک شخص نہ ابھر سکے۔کیپٹن نے اسے کان سے پکڑا اور عرشے پر زور سے اچھال دیا۔

''آ جاؤ، ننھے میاں، چلو ہمارے ساتھ آ جاؤ''۔وہ مسکرایا۔کیپٹن متواتر پیا ہوتا۔وہ اس معاملے میں پکا وحشی تھا۔کپتان کا معاون صرف آدھے وقت دھت رہتا اور کیپٹن کے مقابلے میں

آدھا وحشی۔مگر وہ دونوں اس کی کسر،کیبن بوائے پر نکالتے تھے۔اور جس وقت وہ تھیمز پہ لنگر انداز ہوئے تو ٹام پین زخموں کے نشان کا ایک سیاہ لوتھڑا بن چکا تھا۔محض ایک آرام تھا،اور وہ یہ کہ کیپٹن کا شراب ہتھیا لو اور اپنے معدے میں انڈیل دو۔اور اس پہ، مار دگنی پڑتی تھی۔لندن سے باہر لنگر انداز ،لڑکا غچہ دیکر کُود ا اور تیرتا ہوا ساحل تک گیا۔اگلے دو ہفتوں تک وہ ایک کوڑا کرکٹ چننے والے کے جھونپڑے میں رہا،اور اس دوران اس نے وہی کچھ کھایا جو کچھ وہ بالٹیوں میں سے اٹھا سکا۔

انہوں نے اسے تھیٹ فورڈ میں بتا دیا تھا کہ لندن گناہ بھرا شہر ہے۔مگر جیسے جیسے وہ پھٹی آنکھوں کے ساتھ غلاظت بھری گلیوں میں گھومتا رہا۔وہ فرق کرنے لگا: گناہ کرنے والوں میں اور اُن میں جن کی زندگی گناہ ہے۔اُس زمانے کے لندن کا نچلا طبقہ، وحشی جس کا جنگل تنگ گلیوں کا ایک بھول بھلیاں تھا،سستے جن نامی شراب پہ، سستی گناہ پر اور سستے ڈاکے پر گزارہ کرتا تھا۔ پہلے والے پر سزا آہستہ آہستہ موت تھی، دوسرے پر خوفناک موت اور آخری پر موت یا تو لٹکانے سے ہوتی تھی، یا سنگسار کرنے پر۔روٹی کے ایک ٹکڑے پہ آدمی غرانے لگتا، پاگل دھت،اور چونکہ دھت ہونا غریب کے لیے موجود دوزخ کو بھول جانے کا واحد راستہ تھا،''جن'' نامی شراب باقی ساری خوراک کی جگہ لیتی جارہی تھی۔تین سال کی عمر کے بچے ''جن'' کا پورا گلاس پی لیتے تھے۔دودھ پلاتی مائیں ''جن'' پر زندہ رہتیں اور اپنے روتے بچوں کو اسی کے ذریعے خاموش کراتی تھیں،محنت کرنے والے مرد رات کے کھانے کے بطور ''جن'' کا ایک کُپا پیتے تھے،بوڑھے اپنی موت میں تیزی اُسی سے لاتے تھے اور بالغ اس سے خود کو دیوانہ بناتے تھے۔کچھ گلیوں میں، دن کے مخصوص اوقات پہ،ساری آبادی جن سے دھت چیختی چلاتی۔رنڈیاں اُس وقت اپنا ذریعہ روزگار کھو دیتیں جب ایک بچی سے لے کر ایک ماں تک خود کو ایک پنی پر شراب خانے میں پس جانے بیچ دیتی۔

ان حالات میں ٹام پین زندہ رہا اور پیتا رہا اور چوہے کی طرح بھاگتا رہا،اور چوری کرتا رہا اور کوستا رہا اور لڑتا رہا۔اور تنگ گلیوں میں، چھپروں میں اور گند بھرے تہہ خانوں میں سوتا رہا۔پھر ایک دن اس نے خود پہ قابو پایا،جن کی دھینگا مشتی ترک کردی، اور ایک بریزیئر بنانے والے کے ساتھ خود کو شاگرد بنالیا۔

اسے معلوم تھا کہ کوئی امید نہ تھی،کوئی فرار نہ تھا،کوئی نجات نہ تھی۔

سولہ سالہ، بریزیئر بنانے والے کے اِس اسسٹنٹ نے ایک سال سے زیادہ تک ''جن'' کو چھوا تک نہیں۔اس کے کپڑے گو کہ اچھے نہ تھے مگر صاف تھے اور وہ کتابیں پڑھنے لگا۔راتوں کی راتیں وہ کتابیں پڑھتا رہا، ..... ہر قسم کی کتابیں جو بھی اسے ہاتھ لگتیں.....سوفٹ اور ایڈیلین، پوپ، ڈی فو، کانگریو، فیلڈنگ، رچرڈسن حتیٰ کہ سپنسر بھی، اور کبھی کبھی شکسپیئر بھی۔وہ جو کچھ پڑھتا اس کا بڑا حصہ اُسے سمجھ نہ آتا۔ڈیفو اور فیلڈنگ اُسے کسی حد تک آسان لگے پھر بھی اسے غصہ آتا کہ انہیں وہ کچھ لکھنا چاہیے جسے وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا، بجائے شائع ہونے والی خیالی دنیا سے خیال آفرینی کے۔وہ ایک ایسا شخص تھا جو اپنی راہ خود بنا رہا تھا۔اسے اپنی تقریر اور باتوں سے کوئیکر والے "Thee" کو مکمل طور پر نکال باہر کرنے میں بہت تھوڑا وقت لگا۔وہ لندن میں سے ڈینگیں مارتا رہا، اور اپنی آنکھوں کے سامنے ایک گلابی دھند میں وہ گھنٹوں'' وہائٹس'' یعنی عظیم جوابازی کے ٹوری ہاؤس، یا وِگز کے ہمسر بروکس کے سامنے کھڑا ہوتا اور ایک پتے کی باری پر اپنے ہزاروں لاکھوں رکھ دینے کے لیے آنے والوں کو دیکھتا رہتا۔''وہ میرے لیے ہے'' وہ خود سے کہتا'' خدا کی قسم وہ میرے لیے ہے''۔

اس نے دو دوست بنائے۔ایک بزار کا اسسٹنٹ الیک سٹیونز جو کہ لاغر اور ٹی بی والا پندرہ سالہ لڑکا، اور دوسرا چمنی صاف کرنے والا شاگرد جونی کوٹ، جو کہ تھا تو بائیس سال کا مگر بدن کے اعتبار سے بارہ سال کا لگتا تھا۔وہ تینوں کسی شراب خانے میں جاتے اور تلخیاں پیتے رہتے جب تک کہ ان کے سر سیسے کے وزنی ڈھیر لگنے لگتے،اور پھر ایک دوسرے پر لٹکتے جھومتے ہوئے اور پوری آواز سے گاتے ہوئے گھر جاتے۔ان شراب نوشیوں والے دوروں کا مطلب دونوں شاگردوں کی پٹائی ہوتی مگر ٹام کے لیے یہ ہمیشہ اس کے مالک کی بیوی بیگم مورس کی شفاعت ہوتی۔

یہ اُس وقت شروع ہوا جب لاغر و کمزور ساٹھ سالہ مسٹر مورس کاروبار کے سلسلے میں ناٹنگھم

چلا گیا تھا۔ اس سے بیس سال کم عمر کی اس کی فربہ، حسین بیوی (لگتا تھا کہ چیچک نے اس کے سارے چہرے پر نشان چھوڑے) نے ٹام کو اپنے پیٹ سے لے کر چھاتیوں تک کس لینے والی بنیان کو ٹھیک کرنے کے لیے اندر بلایا۔

اس نے بعد میں ٹام کو بتایا'' تم ایک اوباش شیطان ہو جس طرح کوئیکر لوگ ہوتے ہیں۔ مگر تم مجھ سے باتیں کرتے رہو ورنہ میں تمہاری پیٹھ پر چاقو گھونپ دوں گی''۔ حالانکہ وہ ایک مکھی کو بھی گزند نہ پہنچا سکتی تھی۔ اس بات نے ٹام کو بعد میں خود کو مرد محسوس کرایا، سٹیونز اور کوٹ کے سامنے ڈینگ مارنے کے لیے۔ وہ اُس کے ساتھ اچھی تھی، اُس کے لیے کیک اور بسکٹ لاتی تھی اور مسٹر مورس کو تاثر دیتی رہتی تھی کہ ٹام کتنا اچھا لڑکا ہے۔ مگر سٹیونز نے پین کی کہانیوں سے متاثر ہو کر اسی چیز کی کوشش اپنی مالکن سے کی، ایک گول ڈنڈے نے اس کے سر پر ایک انچ اونچا سوجن بنا دیا۔

سٹیونز ایک راہزن بننا چاہتا تھا۔ وہ کوئی اور بات کرتا ہی نہیں تھا اور اس نے سینکڑوں مرتبہ یہ کہا ہوگا کہ جونہی وہ سولہ برس کا ہو جائے گا وہ ڈوور روڈ پر ریڈ گیلنٹ گروہ میں شامل ہو جائے گا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب راہزن ابھی تک بڑی طاقت ہوا کرتے تھے، جب 50,40 گلہ کاٹنے والے کنگز روڈ پر گھوما کرتے تھے اور سرخ کوٹ والے سپاہیوں سے گھمسان کی جنگیں کیا کرتے تھے۔

''کیا شہزادہ ہے وہ ریڈ گیلنٹ''۔ سٹیونز کہا کرتا۔

''بس بہت ہو چکا۔ وہ بہت مختصر زندگی ہوتی ہے۔ میں 90 برس تک زندہ رہوں گا''۔

کوٹ احتیاط سے بولا۔

ٹام نے کہا کہ زندگی کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ ہے بلڈز کے درمیان۔ اگر آپ انگلینڈ میں بلڈز نہیں ہیں تو آپ بس گند ہیں۔ وہ اُن کے بارے میں سوچ رہا تھا اور ان کے طور طریقے دیکھ رہا تھا۔

''تم انہی میں سے ایک بن جاؤ نا؟''۔

''شاید''۔ ٹام بولا۔

''کیسے؟''۔

''اس کے طریقے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا آسان ہے مگر اس کے طریقے ہیں''۔

''آہ.....''۔

''دود کش اوہ''۔ کوٹ نے نفرت سے کہا۔ ''تم ایک گند سے آئے ہو، گند پر گند ہی پلتے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں ہے کیا؟۔ نیچے تو یہ آسان ہے مگر اس میں اوپر جانا ہوتا ہی نہیں''۔

''میں کب کہہ رہا ہوں''۔ ٹام نے کہا۔

''اوہ''۔

دود کش۔

لیکن بعد میں سٹیونز نے ٹام کو بتایا کہ اسے یقین تھا، ایک انسان کے کندھے پر سر کا نہ ہونا بغیر وجہ کے نہ تھا۔ اور وہ خود کو ایک لطف کے لیے تیار کر رہا ہے، ایک چھوٹی سی مسرت، متاثر کرنے کی کوئی چیز نہیں، مگر جیسا کہ سٹیونز نے کہا۔ ''خطرات بھری ایک رات کے لیے بہت سارے پیسے''۔

ٹام نے ارادہ دیکھا اور لڑکے کو خبردار کیا'' وہ تمہیں چوری کے الزام میں لٹکا دیں گے''۔

''اگر وہ مجھے پکڑیں گے تب ناں؟''۔

ٹام نے اس رات خواب دیکھا۔ وقفے وقفے سے سویا، بھیانک خواب دیکھے، جاگتا سوتا رہا اور دوسرے دن سٹیونز سے درخواست کی'' یہ کام نہ کرو، ایک، نہ کرو''۔

انہوں نے سٹیونز کو پکڑ لیا۔ اس نے اپنے مکان کی دکان کے ساتھ والے جولاہے کی نقدی رکھنے والی الماری میں نقب لگائی تھی اور پیسے چرا لیے۔ ایک احمق کی طرح اس نے رقم اپنے جوتے میں ڈال دی، اور چونکہ وہ صبح دیر تک سوتا رہا، اس کا مالک جوتے موچی کے پاس لے گیا تا کہ وہ لڑکے کی تنخواہ کے لیے پیسہ بنا سکے۔ جولاہا اپنی کہانی سنانے آیا، اور رقم کا حجم اس میں بہترین طور پر سما گیا۔ انہوں نے لڑکے کو پیٹا اور تیس لاتوں مکوں نے ہی اس سے اعتراف کرا لیا۔

اگلے کچھ ہفتوں کے لیے کوٹ محض سٹیونز کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔

''ترنگ''۔وہ ٹام کو کہتا''کم سن سٹیونز''۔

''یہ ممکن نہیں نظر آتا''۔ٹام متفق ہوا۔

''وہ اس پر مقدمہ چلوائیں گے''۔سٹیونز نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''پھانسی؟''۔

''کچھ اور تو دکھائی نہیں دیتا''۔

''وہ اُسے پھانسی نہیں چڑھائیں گے۔وہ لڑکا ہے،ایک چھوٹا احمق۔اس کو احساس ہی نہیں۔اُس کی ذہانت پراگندہ تھی''۔

''دودکش کھلا،اور بند ہوا۔اندر گھسا،اب اس کی گردن کے گرد رسہ ہے۔کھلا اور بند ہوا''۔

یہ کھلا اور بند ہوا ہی تھا۔ٹام اور کوٹ جج کا فیصلہ سنانے کے بعد اُسے ایک بار دیکھ سکے۔یہ پہلی بار تھی کہ ٹام جیل میں تھا،مگر کوٹ ایسے معاملات میں تجربہ کار رہو چکا تھا۔وہ قرض خواہوں کے جیل میں رہ چکا تھا،اور اُسی نے مشورہ دیا کہ وہ ایک روٹی اور جن کی ایک بوتل ساتھ لائیں۔ہر ایک،ایک ایک پوّالایا اور کوٹ نے ٹام کو یقین دلایا کہ رسی کو آسانی سے کھینچا جاسکتا تھا۔جیل میں سٹیونز ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکا،بس خاموش بیٹھا تکتا رہا'تکتا رہا اور آنسو اس کی میلی گالوں پر چھوٹی چھوٹی ڈیزائنیں بناتے رہے۔

''بالکل خاموش''۔کوٹ نے کہا''اب تم بڑے لوگوں کے ساتھ ہو گئے ہو،اُسی پھانسی کے پھندے پر جس پر ہر وقت ہنستے ہوئے والٹنگ سٹریٹ کا جونی،بیس بروک کو لٹکایا گیا تھا۔قسم خدا کی وہ عظیم آدمی تھا،مطلب قاتل تھا،ریڈ گیلنٹ سے دگنا''۔

مگر سٹیونز کی طرف سے ایک مسکراہٹ بھی نہ تھی۔صرف اس کی پچکی ہوئی لاغر گالوں سے آنسو رواں تھے۔

''شراب بچالو اور کل پی لو''۔ٹام نے خود پہ جبر کر کے کہا۔

''بچالو،کچھ بچالو''کوٹ نے بھی کہا۔''اس سے تم میں گرمائش آئے گی اور تم پھندے

کی سختی کم محسوس کرو گے،بلکہ خدا کی قسم جلاد کی آنکھوں میں تھوک دو گے''۔

اگلے دن دونوں جلوس میں چلے گئے،ان کے آقاؤں نے انہیں سہ پہر کو چھٹی دی تھی۔اگر وہ سٹیونز کو نہ بھی جانتے تب بھی وہ چلے جاتے۔اس لیے جب بھی پھانسی کا کوئی جلوس ہوتا،نیو گیٹ پہ شروع ہوتے ہوئے،اور دو میل تک ایسے عظیم الشان انداز میں بڑھتا ہوا ٹیبرن تک جاتا،تو سارا لندن چھٹی لے لیتا۔پیدل مارچ کے پورے دو میلوں کے ساتھ ساتھ مجمع انسانی چہروں کا ایک سمندر بن جاتا،ایک الم غلم جو جھومتا،اپنی پوزیشنیں بدلتا،چیختا،بددعائیں دیتا،آوازے کستا،چلاّتا،اور سیٹیاں بجاتا۔مرد عورتیں اور بچے،بوڑھے گنوار،ننھے بچے،تقریباً ہر شخص قوی الجثہ سوداگروں یا سفر کرنے والوں کے لیے روٹی،پنیر،اچار اور شراب لیے،محنت کشوں،جیب کتروں،فاحشاؤں،بدمعاشوں،اشراف لوگوں،سکالروں کے لیے ہلکی شراب اور تیز شراب اور بگھیوں میں عظیم لیڈیز اور جنٹیلمینوں کے لیے۔اس لیے کہ جب ایک انسان مرنے جاتا تو یہ ایک ڈرامہ ہوتا،عظیم اور شاندار ڈرامہ،ایسا ڈرامہ جو سٹیج اور بیڈ روم کبھی مہیا نہیں کر سکتے تھے۔اور جنت یا دوزخ کے دروازوں سے اس قدر قربت میں اس بات کی کوئی اہمیت نہ ہوتی کہ سزا یافتہ شخص اعلیٰ نسل کا ہے یا کم ذات کا۔

کوٹ اپنی کوتاہ قد پہ غرایا اور روہانسی ہو گیا۔وہ مجمع میں گھس گیا،ایک سانپ کی طرح رینگتا ہوا اپنا راستہ بنایا۔وہ انتھک تھا اور اس نے ٹام کو تھکا دیا۔اور ایک بار جب وہ پہنچ گیا اور سٹیونز کی ایک جھلک دیکھی جو چھکڑے میں ہچکولے کھا رہا تھا،اس کا چونچیلا چھوٹا چہرہ بمشکل گرفت میں لیے جانے کے قابل تھا کہ وہ عظیم الشان ضیافت کا مصنف خود تھا،چھکڑا چلتا رہتا اور دھکم پیل نے دوبارہ شروع ہونا تھا۔

''اپنے دوستوں سے سلوک کا یہ کوئی طریقہ نہیں''۔کوٹ نے شکایت کی۔

''یہ کوئی طریقہ نہیں''۔

ایک گھنٹے تک چمنی صاف کرنے والے اور بریزیئر ساز شاگرد پھانسی گھاٹ تک اپنا راستہ بناتے رہے اور اُس گھنٹے کے دوران ٹام نے سٹیونز میں ایک تبدیلی محسوس کی۔یا تو شراب اثر

دکھا رہی تھی، یا کوئی اور بات تھی۔ موقع کی شان نے اس کے دل سے خوف نکال دیا تھا۔ سٹیونز اپنا جسم اکڑا رہا تھا، جھک رہا تھا اور نمائش کر رہا تھا، اس نے چھکڑے میں ذرا سا رقص بھی کیا، اس نے اپنے ہاتھ ہلائے، اس نے ایک چھوٹے سے بندر کی طرح مضحکہ خیز شکل بھی بنائی۔

''وہ بہادر اور طاقتور ہے'' کوٹ بڑبڑایا ''بہادر اور طاقتور''۔

اور مجمع نے اُس کے لیے تالیاں بجائیں۔ حتیٰ کہ والٹنگ سٹریٹ کا جونی ہیسبروک بھی موت تک اس انداز میں نہیں گیا تھا۔

اور حتیٰ کہ پھانسی کے پھندے پر بھی سٹیونز احمقوں کی طرح کھڑا مسکراتا رہا۔

اس رات پین مورس سے چلا گیا، وہ بھاگ گیا۔ وہ پنجرے کی دیواروں سے اپنا سر اندھا دھند مارتا رہا، وہ دو دن تک لندن کی گلیوں میں پھرتا رہا اور پھر اس نے جن نامی شراب سے اپنا پیٹ بھرا۔ وہ بھکاریوں اور چوروں کے ٹھکانوں میں گیا اور ایسی باتیں سنیں جو انسانی کانوں کے لیے اچھی نہیں ہوتیں۔ مگر وہ انسان تھا، اور بھکاری اور چور انسان نہ تھے۔

وہ دو ماہ تک خود کو دوزخ میں گھسٹتا رہا، اور پھر زندہ رہنے کا ارادہ اس کی ہٹ دھرمی کا حصہ تھا، اس نے ایک موچی کی شاگردی قبول کی۔ وہ اس سادہ عقیدے پر یقین کرنے کے قابل تھا کہ جوتے بنانا بریزیئر بنانے سے بہتر تھا۔

23

4

19 اپریل 1775

بہت عرصہ بعد وہ اس دن کو یاد کرے گا، اس لیے کہ یہ شاید کسی اور کے لیے کچھ بھی اہم نہ تھا، اور کچھ لوگوں کے لیے ذرا سا اہم تھا، مگر اس کے لیے یہ ابتداء تھی اور ہمیشہ ابتدا رہے گی۔ اس کی زندگی میں دو وقتوں کے درمیان وقفے، اور عالم انسانیت کی زندگی کے دو وقتوں کے درمیان کا وقت، وہ وقت جب اس نے دریافت کر لیا کہ ٹام پین عجیب اور خوفناک مٹی سے بنا ہے۔۔۔۔ اور وہ دوبارہ اپنے آپ کے ساتھ نہیں رویا۔

وہ بہت کچھ رہا تھا، اور اب وہ ایک ایڈیٹر تھا، ایک ایسا شخص جو برسرِ روزگار ہو، تھوڑی سی رقم جیب میں، شیو بنایا ہوا، ایک اچھی پوشاک پہنا ہوا، جوتوں کا ایک اچھا جوڑا، بن سوراخوں کے جراب، ایک ایسا شخص جس کا سماج میں کچھ مقام ہو، کچھ کی طرف سے جس کی عزت کی جاتی ہو، کچھ کی طرف سے ناپسند، مگر درحقیقت اور سچی طرح مقام رکھنے والا ایک شخص فرنٹ سٹریٹ پہ چلتے ہوئے اور ان سے ''صبح بخیر، مسٹر پین'' یا ''کیا آپ نے یورپ سے آخری خبر سنی مسٹر پین؟'' یا ''میں نے

آپ کا تازہ ترین شمارہ پڑھا اور وہ شاندار ہے، مسٹر پین، شاندار ہے، میں دوبارہ کہتا ہوں'' کہلواتے ہوئے اسے اپنا سر ہلانا پڑتا اور اپنی شناخت پر غور کرنا پڑتا، نہ ہی وہ کسی بھکاری یا ایک لوفر یا کسی افتادہِ خاک شیطان غریب کے پاس سے یہ سوچے بنا گزرتا' یہ ہے، اللہ کے فضل سے تھامس پین''۔

مگر اس کے مقام کے باوجود، اس پر قیمتی ایٹکن، اس کے ہاتھوں کے تحت پین سلوانیا میگزین کا شمارہ بعد شمارہ نکلتے رہنے کے باوجود وہ ابھی تک زندگی کی دہشت سے چھٹکارا نہ پا سکا تھا۔ زندگی ایک درندہ تھی اور جب اس کا یوم تعطیل ختم ہو جاتا تو درندہ دوبارہ اسے چیر پھاڑ ڈالتا۔ دوبارہ جدوجہد کرنے یا جوابی لڑائی لڑنے والا آدمی بے خوف ہوتا ہے اس لیے کہ آخر میں آدمی اپنی جگہ میں مستقل ہوتا، اور دنیا میں نہ ترس موجود ہے اور نہ انصاف۔

ایسا 1775 کے اپریل کی 19 تاریخ تک رہا جب ایک واقعہ رونما ہوا۔ تب پین کے لیے ایک ابتداء تھی۔ جس دیوار میں اس نے اپنا سر چھپایا ہوا تھا اس میں ایک دراڑ پیدا ہوگئی اور وہاں سے سورج کی شعائیں اندر آئیں۔ شیطان اپنی پچھلی ٹانگوں پر الف ہوا اور اپنے دانت ننگے کر دیئے اور بیس فرشتوں نے اپنی موسیقی پہ ایک کورس بجایا۔ لیکن ویسے دنیا بالکل ڈسٹرب نہ ہوئی، سورج اسی طرح چمکتا رہا، بارشیں اسی طرح ہوتی رہیں اور توڑے دار بندوقوں کی آوازیں اتنی ہی قریب سے سنائی دے رہی تھیں جتنا ایک شخص سن سکتا ہے۔ دنیا کے گرد کوئی گولی چلنے کی آواز سنائی نہ دی اور امریکی ساحلی پٹی کے اوپر نیچے، جہاں پر رہائش پذیر تین ملین لوگوں کی ایک گڈمڈ ترتیب تھی، زندگی حسبِ معمول ساکن، دیہاتی طرز پہ جاری تھی۔

مگر لیکزنگٹن میں ایسا نہ تھا۔ اٹھارہ کی شام کو ایک بہت جذباتی گھڑسوار چیختا چلاتا، گھوڑے کو چابکیں مارتا چھوٹے سے خوبصورت سے ''نیو انگلینڈ'' گاؤں میں داخل ہوا اور اس کی اونچی آوازوں نے ہر اُس شخص کو جگا دیا جو ابھی تک جاگا ہوا نہ تھا۔ سفید شاہ بلوط سے بنے گھر سے، شراب خانے سے، پادری کے مکان سے، اور حتیٰ کہ ایک یا دو فارموں سے جو گاؤں کے اندر نہ تھے، میسا چوسٹ کے گھروں میں سے لوگ باہر آتے گئے، اپنے لمبے سفید شب خوابی کی قمیصوں میں اور اپنی

مزین سفید شبینہ ٹوپیوں میں، ہاتھوں میں اپنی بدوضع توڑے دار بندوقیں لیے، اُن کی بیویاں پیچھے پیچھے باتیں کرتی ہوئی، اُن کے بچے بالائی زینوں کی کھڑکیوں سے سر اٹھا اٹھا کر جھانکتے ہوئے۔

''قیمت کس نے چکانی ہے؟''۔ انہوں نے گھڑسوار سے پوچھا جس کا نام پال ریورے تھا۔

''جہنم نے قیمت چکانی ہے''۔ وہ چیخا۔

پادری جوناہ کلارک کے گھر سے دو شرفا نکلے جن کے لیے اس کا بیان مہلک اہمیت رکھتا تھا۔ انہوں نے غنودگی میں اپنی گردنیں رگڑیں اور اپنی شبینہ قمیصیں سیدھی کیں۔ ان کے نام ایڈمز اور ہینوک تھے۔ پہلا شخص سیاستدان تھا، دوسرا اسمگلر۔ اور وہ دونوں اس چھوٹے سے ساحلی نوآبادی پہ خارجی حکمرانی سے سخت غصہ رکھتے تھے۔ ان کے غصے نے میٹنگوں، کانگرسوں، اور بلوؤں کے اشتعال کی صورت اختیار کی تھی۔ وہ اپنے مقصد کے لیے اچھے مواد سے نمٹ رہے تھے۔ ضدی اور اکڑی گردنوں والے کاشتکار جو اس چٹانی ساحل پہ ہل چلانے ایک زرخیز، مزے دار زمین سے آتے تھے صرف اس لیے کہ ان کے پاس مذہبی اور شخصی آزادی کے نرالے تصورات تھے۔ اب اگرچہ ہوشیاری سے برٹش بادشاہ، برٹش وزیراعظم، اور برٹش حکومت اُن کی ان آزادیوں کو کاٹ رہے تھے، کناروں کو کاٹ رہے تھے۔ یہاں سے آزادی کا ایک پرکاٹتے ہوئے وہاں سے ایک رعایت کاٹتے ہوئے، یہاں ایک ٹیکس کا اضافہ کرتے ہوئے، وہاں ایک ڈیوٹی لگاتے ہوئے .....۔

پرجوش گھڑسوار کو کلارک نے زمین پر اتارا، جو اُس سے خوشامد کر کر کے ایک سے ایک تفصیل اگلوا رہا تھا، جبکہ شبینہ قمیصوں والے کاشتکار، جو نیند سے جگائے جانے پر ناراض تھے، مجمع بنائے ہوئے تھے۔

''برطانوی آرہے ہیں''۔ وہ اصرار کرتا رہا۔

''کہاں سے؟۔ پیدل؟''۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا پادری کلارک نے ہر ایک کو یقین دلایا کہ سوچنے کے لیے

وقت کافی ہے، اور یہ کہ کبھی بھی ایک مسیحی کو گرم طبیعتی نے نہیں بچایا، اور یہ کہ وہ بھی گھر جا سکتے ہیں اور اپنی نیند پوری کر سکتے ہیں۔

''نیند کا بھی وقت ہوتا ہے اور دوسری چیزیں کرنے کا بھی''۔ مجمعے میں سے ایک نے خرخراہٹ میں کہا۔''اور اب سونے کا وقت ہے'' پادری نے خاموشی سے کہا۔''خدا دن کو بھی اپنے آسمان میں ہے اور رات کو بھی' مگر رات سونے کے لیے بنائی گئی''۔

''اب پادری''۔ایک لمبے، نوکدار ناک والے کاشتکار نے کہا'' کیا یہ بات آپ سرخ کوٹ والوں کو بتائیں گے؟''۔

''ہاں اگر میں انہیں اپنے چرچ میں ہانک کر لا سکوں تو''۔کلارک کہا، اور اس برجستگی نے ہر طرف ایک قہقہہ لگوایا، اور گشیدگی کو کافی حد تک کم کیا۔ایک نے ایک بڑی شلغم شکل کی چاندی کی گھڑی نکالی چہرے کے قریب لایا اور متانت سے اعلان کیا'' آدھی رات سے دو گھنٹے زیادہ''۔

''خدا رحم کر''۔ایک عورت نے درد بھرے انداز میں کہا' اور اپنے بچوں کو اپنے چہرے کھڑکی سے اندر کرنے، اور سو جانے کا حکم دیا، وگرنہ وہ اسی لمحے ان پر ایک ڈنڈا برسائے گی۔دبی دبی ہنسی ہنستی لڑکیوں کے ایک گروہ نے تین شبینہ قمیص پوش لڑکوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کی، جو کہ اپنی اٹھائی ہوئی بھاری توڑے دار بندوقوں کے بوجھ تلے تھے۔ایبنر گرین نے اپنی چھوٹی بہن کو دوڑ جانے کو کہا اور پھر خود اسے اس کی ماں کھینچ لے گئی، جس نے کہ اس کی کان کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔''چیزوں کی حالت عجیب ہے''۔اس نے کہا۔'' آدمی بچوں کی طرح پیش آ رہے ہیں اور بچے آدمیوں کی طرح''۔

رات سرد تھی اور پادری کی باتیں سرد تر، اور لوگ دونوں کے زیر اثر واپس چلے گئے۔کچھ واپس اپنے بستروں کو، مگر زیادہ تر بکمین شراب خانے کو، جہاں پہلے ہی آتش دان میں ایک بڑی آگ غرا رہی تھی۔کسانوں نے اپنی بندوقیں دیوار کے ساتھ لگا دیں، بچوں اور عورتوں کو اپنے گھروں کو بھیجا۔وہ ایک لمحے کو بھی گروہ کی گرمجوش رفاقت اور گرمجوشی کو چھوڑ نہ سکتے تھے اور پھر رم، گاڑھی شراب، اور بیئر کے جام کے جام بنائے، ایک جلد باز جبلت کے ساتھ پیا کہ صبح ہونے سے

پہلے کسی وقت مقدر اُن کی تلاش میں آ نکلے گا۔

مگر پیچھے کلارک کے گھر میں ہان کوک اور ایڈمز ابھی تک اپنی گردنوں میں چوکسی محسوس کر رہے تھے اور حیران تھے کہ انہوں نے شیطان کی یہ کیا بغاوت کھڑی کر دی تھی۔پادری نے اثبات میں سر ہلایا اور دانائی سے متفق ہوا کہ اگر برطانویوں نے انہیں گرفتار کر لیا تو وہ یقیناً انہیں پھانسی چڑھا دیں گے۔

''میں بھاگ جانے سے نفرت کرتا ہوں''۔ہان کوک بڑبڑایا۔

''یہ تو محض شروعات ہے''۔کلارک نے سنجیدگی سے کہا'' تم جانتے ہو کہ تم نے کیا ابھار دیا ہے؟۔لوگ لڑیں گے اور مریں گے، اور ایک سے زیادہ بھاگ جانے والے ہوں گے''۔

''میری مذمت نہ کرو''۔ہان کوک بولا''میں نے وہی کیا جو ٹھیک تھا''۔

''ہم سب وہی کرتے ہی جو ٹھیک ہوتا ہے''۔پادری نے اثبات میں سر ہلایا؛''اور میں کسی کی مذمت نہیں کرتا۔کل میں ایک بغل میں ''کتاب'' رکھ لوں گا اور دوسری بغل میں بندوق اور خدا مجھے معاف کرے۔میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ میں کسی کو قتل کروں گا۔مگر ایسے وقت آتے ہیں کہ انسان خدا کو اپنے پیچھے کر دیتا ہے اور اپنا منہ موڑ لیتا ہے۔صاحبو! میں تمہارے لیے گھوڑے لایا ہوں''۔

یہ حیران کن ہے کہ پین نے ایٹکن کی درشت مہربانی کے ساتھ'' پنسلوانیا میگزین'' کی اشاعت شروع کی تو اس کے بعد کسی قدر جلدی دوسری دنیا، یعنی انگلینڈ، تھیٹ فورڈ، لندن، ڈوور کی یادیں مدہم ہو گئیں۔اپنی زندگی میں پہلی بار اس کے پاس وہ کام تھا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔وہ کام جو اُسے حقیر نہ کرتا تھا، وہ کام جس نے اُسے امید و ذہانت کے سادہ وقار کی اجازت دی۔اُس بالا خانے میں جو سکاٹ لینڈ والے ایٹکن نے اُسے دفتر کے لیے دیا تھا، وہ بیٹھا اور محنت کرنے لگا۔شروع میں صبح سویرے سے لے کر آدھی رات تک۔وہ کبھی ایک ایڈیٹر نہ رہا تھا، اسے ٹائپنگ سیکھنی تھی۔سپیلنگ، اور وقفے سیکھنے تھے۔وہ نو آبادیوں کے میگزین پڑھتا جب تک کہ اس کی آنکھیں

دردکرنے لگتیں تا کہ طرز سیکھ لے، ذائقہ لے اور سب سے بڑھ کر نوآبادیوں کی سیاسی اور معاشی محسوسات حاصل کرے۔

اس نے اپنی برطانویت اس طرح الگ کر دی جس طرح ایک بطخ پانی کو الگ کرتا ہے۔

اب اس کے پاس سفر کرنے کے لیے وقت نہ تھا، مگر شراب خانوں اور چائے خانوں میں وہ ہر اُس آدمی کو بات چیت کے لیے روک لیتا تھا، جو دور دراز ملکوں سے ہو آیا تھا، یا جو وہاں رہ چکا تھا اور اب فلیڈ یلفیا سے گزر رہا تھا: نیویارک والے، ورمنٹ والے، ورجینیائی، ڈیپ ساؤتھ کے لوگ، کیرولینا، جارجیا، چبا چبا کر بات کرنے والے جنگلی، اوہائیو سے کشتی بان، نیو اورلینز سے نرم گرفتار کریول۔ وہ جنہوں نے کینٹکی کے بید کے گھنے جنگلات میں پہاڑ عبور کیے، مینؔ سے سخت چہروں والے مچھیرے۔

فلیڈ یلفیا ایسی جگہ تھی۔ اور اگر آپ کافی انتظار کرتے تو سارا امریکہ براڈ سٹریٹ کے ساتھ ساتھ گزرتا۔ پین انہیں چُوس لیتا۔ اپنی زندگی میں پہلی بار اس نے کئی آدمی دیکھے، ہر شعبۂ زندگی کے لوگ، جو اس سے عزت کے ساتھ پیش آتے۔

اس میں سے، خود اس شہر میں سے، ایٹکن میں سے، ان چیزوں میں سے جو اس نے پڑھیں اس امریکہ کی ایک تصویر بنانا شروع کیا۔............ ساحلی علاقہ کی کالونائزیشن کے حاشیے سے مفصل تصویر۔ یہ ایک قوم کی سرزمین نہ تھی، ایک تعصب کی سرزمین نہ تھی، ایک فکر کی سرزمین نہ تھی۔ ایک اتنا بڑا ملک کہ پورا انگلینڈ اس کے ایک کونے میں اڑس دیا جائے اور فراموش کر دیا جائے۔ ایک اس قدر نوجوان ملک کہ جن لوگوں سے ملاقات ہو جاتی ان میں سے آدھے غیر ملکی ہوتے یا غیر ملکیوں کی پہلی نسل ہوتے۔ ایک ایسا ناگزیر ملک جو خود کو خاموشی کے ساتھ، حتیٰ کہ کاہلی کے ساتھ روئے زمین پر سب سے بڑی قوت کے خلاف بغاوت کرنے کو برانگیختہ کر رہا تھا۔

یہ امریکہ کی ناگزیریت تھی جو ٹام کو سب سے زیادہ ابھار رہی تھی۔ یہاں انسانوں کی ایک نئی نسل تھی، خون سے نہیں نہ ہی طبقہ سے اور نہ پیدائش سے، بلکہ ایک خالص اور سادہ بہتر مستقبل میں سے۔ اور یہ بہتر مستقبل جب خلاصہ کیا گیا، جب صاف ستھرا کیا گیا، جب مثبت اور منفی

بنایا گیا، تو پہاڑوں دریاؤں اور وادیوں کے سارے عظیم فریم کا ماحصل؛ آزادی تھی؛ نہ اُس سے زیادہ نہ اس سے کم۔

وہ اندھا نہیں تھا، وہ چوہے کے پنجرے میں اتنا زیادہ رہا تھا کہ اب کبھی اندھا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ برے کو اچھے کے ساتھ دیکھتا تھا۔ یہ اس کے چہرے پر نشان کی طرح موجود تھا، اس لیے کہ جس چھاپے خانے میں وہ کام کرتا تھا اس سے سیدھا، گلی کے پار فلیڈ یلفیا کا سب سے بڑا پبلک غلام مارکیٹ واقع تھا۔ وہاں پنسلوانیا، میری لینڈ اور جرسی سے انسان بطور مالِ تجارت غول کے غول لائے جاتے، سیاہ فام کو جسم وروح کے ساتھ ہمیشہ کے لیے بیچا جاتا؛ سفید فام کو رہن؛ قرض؛ یا سزا کے لیے نیلام کیا جاتا۔ صبح اور شام نیلام کار، گاتا جاتا: ''یہاں ہے ایک الھڑ، یہاں ہے ایک البیلی، یہاں ہے ایک منتخب فربہ سیاہ الھڑ، مضبوط جیسے لوہا، سیب کی طرح پکی ہوئی، اتنی رسیلی جیسے ایک کاٹ ڈالنے والا سانڈ گھوڑا ہو، اسے محسوس کرو، آجاؤ دیکھو صاحبو، آجاؤ دیکھو اور اس کی قوتِ تولید دیکھو، اسے کوڑے مار مار کر عمدہ بنایا گیا، اسے توڑ دیا گیا اور تربیت دی گئی..........''۔ اوہ یہ برادانہ محبت کا شہر تھا، یہ صحیح ہے۔ مگر غلام منڈی پر ایک گھنٹہ رکے بغیر کیسے کوئی اس کا پورا مطالعہ کر سکتا تھا؟۔

کھلا شیڈ جہاں فروخت ہوتی تھی شاندار لندن کافی ہاؤس کے سامنے تھا جہاں چھیل چھبیلے جوان، تسموں، ربن اور ریشم واطلس میں ملبوس، اپنے مشروب کے گھونٹ لیتے اور شو سے لطف اندوز ہوتے۔

اور وہاں صرف غلام منڈی ہی نہ تھی، وہاں سٹاک تھے، کوڑوں والے کھمبے تھے، پھانسی گھاٹ تھے، بے انتہا گندی جیلیں تھیں جہاں مقروض، قاتل، مرد، عورتیں اور بچے موت و بیماری کے ایک سخت قید خانے میں اکٹھے پھینک دیے جاتے ہیں۔

فلیڈ یلفیا میں بُرے کے ساتھ اچھا تھا، مگر وہاں کوئی چوہے کا پنجرہ نہ تھا۔ اگر کسی شخص کے پاس صلاحیت یا ذہن ہوتا.......... یا دونوں میں سے تھوڑا تھوڑا ہوتا، تو وہ اپنا راستہ خود بناتا تھا۔ فرینکلن کو دیکھو!۔

مگر پین جب سڑک کے اس پار شیڈ کی طرف دیکھنے اپنے کام میں وقفہ کرتا تو ایٹکن کہتا :''منہ بند رکھو تھامس، اس سے تمہارا کوئی ''کام'' نہیں ہونا چاہئے''۔

کبھی کبھی پین حیران ہوتا کہ اس کا ''کام'' کیا ہے۔

''تم میگزین میں غلامی کے موضوع پر نہیں لکھو گے''۔ سکاٹ لینڈ والا بولا: ''غلام بیچنے والا بردہ فروش اور غیر بردہ فروش دونوں اپنا شلنگ ادا کرتے ہیں۔ تم مخالفت اور بغاوت نہیں لکھو گے اور فساد نہیں ابھار کرو گے۔ میں لندن میں فربہ بادشاہ کے لیے کوئی وکالت نہیں کرتا، مگر اس کا راستہ امن اور خوشحالی کا راستہ ہے، اور میں اُن لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جو آزادی کے لیے اس قدر زور سے چیختے ہیں''۔ ایٹکن کو کبھی یقین نہ تھا کہ پین کے کھردرے، چونچیلی ناک والے چہرے کے پیچھے کیا تھا، اس کی مڑی ہوئی آنکھوں کے پیچھے جو باہر کے بجائے اندر کی طرف مڑی ہوئی لگتی تھیں۔ میگزین جو کہ ایک خطرے کے سودے کی طرح شروع ہوا تھا تیزی سے ایک کامیابی بنتا جا رہا تھا، پہلے شمارے کے چھ سو، پندرہ سو دوسرے کے ..... اور ایک کی قیمت ایک شلنگ۔ ایٹکن کو افق پہ ایک اچھی قسمت دکھائی دے رہی تھی۔

''مجھ پر آپ کا ایک قرض ہے''۔ پین بڑبڑایا ''مگر میگزین میرا بنایا ہوا ہے، یاد رکھنا''۔

''اور تم میرے بنائے ہوئے ہو، یاد رکھنا''۔ ایٹکن بولا ''تم ایک گندے افتادہِ خاک تھے جب میں نے تمہیں اٹھایا۔ دوسروں کو اپنی ناشکری دکھاؤ مجھے نہیں''۔

ٹام پین کے امریکہ پہنچنے سے چند ماہ قبل، گھوڑوں پر سوار کئی آدمی اسی شہر فلیڈیلفیا کی طرف آئے ہوئے تھے۔ وہ لوگ ایسے کئی اچھے علاقوں سے آئے تھے جو آبادکاریوں کا جھالر بناتے تھے۔ کچھ امیر تھے کچھ غریب، کچھ ذہین تھے اور کچھ اس قدر ذہین نہ تھے، اور کچھ اُن دنوں میں جانے پہچانے تھے اور کچھ بہت بعد میں۔ اُن میں میساچوسٹ کے دو چچازاد بھائی تھے سام اور جون ایڈمز، کشنگ بھی اسی ریاست سے۔ وہ یانکی لوگ عجیب اور بھڑکیلے تھے۔ ورجینیا سے رینڈولف، ورجینیا ہی سے پیٹرک ہنری ..... اور پوٹوماک علاقے سے ایک بڑا، خاموش شجر کار .....

اُس کا نام واشنگٹن تھا۔ ڈیپ ساؤتھ نامی علاقے سے مڈلٹن، اور کئی دوسرے، نفیس، سوداگر، کاشتکار، شکاری اور فلاسفر۔

فلیڈیلفیا میں وہ ساری گلیوں میں گھومتے تھے، زیادہ تر اس لیے کہ ان میں سے کئی لوگوں نے اس سے پہلے اتنا بڑا شہر نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت کھاتے تھے، بہت پیتے تھے، بہت باتیں کرتے تھے۔ وہ خود کو ''کانٹی نینٹل کانگرس'' کہتے تھے۔ اُن کے پاس برطانوی طرزِ حکومت کے خلاف شکایات کی ایک لمبی لسٹ تھی، ٹیکسوں میں جن میں اُن کا کوئی عمل دخل نہ تھا، تجارت کی رکاوٹ، بھاری ٹیکس ومحصولات، درامداتی اجارہ داریاں جو برطانیہ کے ہاتھ میں تھیں، مینوفیکچر پر پابندیاں، نوآبادیوں پہ ریڈ کوٹ دستوں کا قبضہ، سرحد پر انڈینز کے لیے قتل وغارت اور لوٹ مار کی حوصلہ افزائی.....۔ مگر اُن ساری شکایات کے ساتھ، انہیں معلوم نہ تھا کہ کیا کیا جائے اور اِس بات پہ زیادہ گہرا نہیں سوچا تھا کہ وہ کیا کر سکتے تھے۔

نہ صرف وہ، بلکہ آپس میں بھی وہ اجنبی تھے۔ یانکی، غلامی پسند نہیں کرتے تھے۔ سام ایڈمز (بوسٹن کا بغاوت ابھارنے والا) جسے اُن میں سے کئی ذرا ذرا پاگل سمجھتے تھے، مکمل آزادی کی بات کا خطرہ مول لیتا تھا؛ اُسے خاموش کرایا گیا اور ایک احمق اور ایک خطرناک جنونی قرار دیا گیا۔ مگر اُس نے پیٹرک ہنری نامی لاغر، ورجینیائی کا دل ودماغ جیت لیا تھا، غرا اٹھا: ''خدا کی قسم، میں ایک ورجینیائی نہیں ہوں: میں امریکی ہوں!''۔ پھر جب کانگریس جاری تھی، پیچھے میساچوسٹس اٹھ کھڑا ہوا اور برطانوی حاکمیت سے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا۔ پال ریورے اس خبر کے ساتھ بوسٹن سے فلیڈیلفیا گھوڑا دوڑاتے آیا، اور کانگریس نے ایک ''حقوق کا اعلان نامہ'' لکھا۔ پھر جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس کا سنسان خوفناک، امکان اُن پر آشکار ہوا۔

''اگر اس کا مطلب جنگ ہے.....''۔ انہوں نے ایک دوسرے سے نرمگی سے کہا۔

مگر یقیناً اس کا مطلب جنگ نہیں ہوسکتا تھا، بالکل بھی نہیں۔ انہوں نے خطرے کی کسی تجویز کو مسترد کیا، وہ بولتے رہے، بولتے رہے اور بولتے رہے۔ اور سارے الفاظ نے انہیں یقین دلا دیا کہ ہر چیز ممکنہ طور پر بہترین صورت میں ہوگی۔ وہ سینکڑوں گیلنوں کی مقدار میں وہ خاص ''

امریکی'' مکس ومخلوط شراب پیتے رہے، اور 27 اکتوبر 1774 کو وہ منتشر ہوئے ،اپنے گھوڑوں پہ زین کسے،اور گھروں کے طویل سفر پہ روانہ ہوئے۔

کچھ ماہ بعد لندن، ڈوور، اور تھیٹ فورٹ کے بریزیئر ساز ٹام پین نے جو کچھ انہوں نے کہا اُس کا ریکارڈ بنالیا: ''لفظ جمع ہوتے جاتے ہیں''۔ اس نے کہا'' اور اس کے بعد لوگ اقدام کرتے ہیں۔ پہلے الفاظ''۔ وہ رِن وے کافی شاپ میں پرنٹر کلارے بنٹن ،فرکے یہودی تاجر جوڈا پیریز، ایک لوہار انتھونی بنٹ اور فلیڈ یلفیا ملیشیا کے کپٹن اسحاق لی کے ساتھ بیٹھا تھا۔

''یہ یہاں ایک نئی چیز ہے''۔ پین نے کہا'' یہی وجہ ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ کیا کیا جائے''۔

''جب لڑنے کا وقت آئے گا تو ہم جان جائیں گے کہ کیا کرنا ہے''۔ کیپٹن لی نے اصرار کیا، ایک ایسے موضوع پہ ضدی انداز میں زور دیتے ہوئے جسے وہ بار بار رُدھرا چکا تھا۔

''نہیں، پہلے ہمیں جاننا چاہیے کہ کیا کرنا ہے۔ اس لڑائی کا کوئی فائدہ نہیں جہاں آپ کو پتہ نہ ہو کہ آپ لڑکس لیے رہے ہیں۔ خواہ آپ جیت جائیں بھی، یہ اچھا نہ ہوگا''۔

''اور میرا خیال ہے''۔ پیریز نے کہا'' اگر آپ جانتے ہوں کہ آپ کس لیے لڑ رہے ہیں، تو خواہ آپ جیتیں یا ہاریں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا''۔

''آپ ہاریں گے نہیں''۔ پین نے گرمجوشی سے کہا'' یہ ایک ایسی چیز کی طرح ہے جو دنیا نے کبھی نہ دیکھی۔ یہ نئی بات ہے، یہ شروعات ہے، اور اس کی تشریح کرنی چاہیے۔ یہاں ہمارے پاس کوئی چیز ہے مگر پھر بھی ہم اُسے حاصل نہیں کر چکے، اور فرض کرو ہم اُسے ضائع کر دیں اور یہ ہماری انگلیوں میں سے پھسل جائے؟''۔

''تب ہم بھی خوشحال انگلینڈ کی طرح ہوں گے''۔ بینٹ غرایا۔

''اچھا؟۔ آپ نہیں جانتے، آپ امریکی ہیں۔ میں وہاں سے آیا ہوا ہوں''۔

''اس کا کیا مطب ہے؟''۔ بنٹن نے سوال کیا'' کیا تم نے بادشاہ سے مصافحہ کیا؟''۔

''میں نے تو اُس کے چہرے پہ تھوکا تک نہیں''۔ پین نے تلخی سے کہا۔

''اس طرح کی بات کرنا بھی غداری ہے''۔

''واقعی؟۔ غداری کا لفظ بہت ساری چیزوں کے لیے ہے''۔

''شانت، شانت''۔ لوہار بولا

''میں شانت ہوں''۔ پین نے کہا'' یقین کرو، میں کسی سے اس بنا پر نفرت نہیں کرتا کہ وہ کیا ہے، اس موٹے جرمن حرامزادے جارج سوئم سے بھی نہیں۔ مگر میں نے انسان کو ایک صلیب پہ کیلیں گڑے ہوئے دیکھا ہے، خدا جانے کتنے ہزاروں سال سے گڑے دیکھا ہے، جھوٹ سے گڑے ہوئے، ظلم سے، بارود سے، تلواروں سے۔ اب کوئی میرے ہاتھ میں کلہاڑی دے رہا ہے، اور میرے پاس اُس صلیب کو کاٹ پھینکنے کا موقع ہے۔ میں اس موقع کو ضائع نہیں کروں گا''۔ پین کی آواز بلند تھی، اس کے الفاظ گھنٹی کی طرح بج رہے تھے، اور جب تک اس نے بولنا بند نہیں کیا، کافی ہاؤس میں موجود آدھے لوگ میز کے گرد جمع ہو چکے تھے۔ ان میں سے کسی نے کہا'' کیا آپ آزادی کے بارے میں بول رہے ہیں؟''۔

''آزادی ایک لفظ ہے''۔

''لگتا ہے آپ الفاظ کے سخت شوقین ہیں''۔

''اور اُن سے خوفزدہ نہیں''۔ پین غرایا'' میں آزاد لوگوں کی ایک سرزمین میں آتا ہوں اور انہیں ایک لفظ سے خوفزدہ پاتا ہوں جو ان کی آزادی کو باندھے گا!۔ یہ بہتر مستقبل کی سرزمین ہے، اور روئے زمین پر دوسرا کوئی نہیں ہے''۔

وہ زبانی کی بہ نسبت اخبار میں ذرا سا خاموش تھا۔ وہ ساری زندگی لکھنا چاہتا رہا تھا، اور اب ایک پورا میگزین اس کے حوالے تھا۔ وہ ایک پونڈ فی ہفتہ کے عوض جتنا زیادہ لکھتا ایٹکن اتنا زیادہ خوش ہوتا، اور پین میگزین کو غیر جانبدار رکھنے کی اس کی خواہش میں سبب کی اچھی خاصی مقدار دیکھ سکتا تھا۔ اس کی تحریر اچھی نہ تھی مگر وہ اسے کاغذ پر انڈیل دیتا ..... مضامین، بری نظمیں، سائنسی تحقیق، حتیٰ کہ عظیم انجمن فرینکلن کو ایک آدھ خط بھی۔ اس کی خوش قسمتی کہ پنسلوانیا

کے لوگوں کا ادبی ذوق پین اور میگزین اور اس کے درجن بھر قلمی ناموں کو تسلیم کرنے میں کافی نا تربیت یافتہ تھا،.....اور حتیٰ کہ اس کی توانائی کی سانس پُھلا دینے والی رفتار سے کسی قدر فریفتہ ہونے کو بھی۔ وہ چشم زدن میں ایک بریزیئر ساز، ایک موچی، ایک جولاہے اور ایک ایکسائز والے کا وسیع علم میگزین میں ڈالتا جاتا۔ یہ اتصال اچھا تھا، اور اس کی سرکولیشن مستقل طور پر بڑھتی گئی۔

مگر پین خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ اُس کے پاس بہت یادیں تھیں، بہت ساری بے خواب راتیں تھیں، بہت سارے خواب تھے۔ اپنی کھڑکیوں سے باہر دیکھتے ہوئے وہ منڈی میں رہن رکھے جانے والے سفید غلاموں کو فروخت ہوتے دیکھ سکتا تھا۔ اور جوں جوں قلم متذبذب ہوتا، وہ اور بہت سی باتیں دیکھ سکتا تھا، اب سے قبل سارے برسوں کی یاد آتی تھی۔

''میں تمہاری اجرت بڑھا رہا ہوں''۔ ایٹکن نے ایک دن اُس سے کہا۔

اُس کے پاس عزت تھی، مقام تھا، ایک روزگار تھی.....مگر پھر بھی اُس کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس کے کرب اسے چکلے تک لے جاتے تھے جہاں زخمی آنکھوں والی، نیم احمق غلام عورتیں رکھی ہوئی تھیں، جنہیں ڈیلروں کی فرموں کے ذریعے انگلینڈ اور سکاٹ لینڈ سے لایا گیا تھا۔ اُن کی غریب کسان عصمت و شان کو تین شلنگ کے عوض سارے آنے والوں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا، اُن میں سے چھ پنس اُن کی آزادی کے لیے جانے تھے۔ پھر بھی کسی طرح اُن میں سے ایک کو بھی آزادی نہیں ملی، اور وہ سخت سنگھار کے رنگ میں رنگی، ہیچ زبان رنڈیاں بن گئیں۔ پین کے لیے اُن مقامات پہ کوئی سکون نہ تھا، اور حتیٰ کہ جب اس نے دو لڑکیوں کی آزادی خرید لی تب بھی اس کے ضمیر کا بوجھ ہلکا نہ ہوا۔

رَم نامی شراب ایک راستہ تھا۔ وہ دوبارہ بوتل کی طرف جاتا، اور جلد جلد دھت ہونے لگا۔ جاموں کی گہرائی میں وہ ٹوری ترجمان بین فریڈی کے ساتھ ایک مناقشے میں پڑا، اور وہ دونوں مجسٹریٹ کے سامنے گھسیٹ لائے گئے۔

ایٹکن نے کہا: ''تم گند ہو، اور واپس گند میں جاؤ گے''۔

''خدا تمہیں غارت کرے، بکومت''۔

''اپنی اسی بے ہودہ آزاد خیالی والی طرز پہ اس قدر یقین نہ کرو۔ وہ اضافے والا پونڈ اب تمہاری تنخواہ میں نہیں شامل ہوگا''۔

''جہنم میں جاؤ''۔ پین چیخا۔

پھر ایک شب، وہ اپنی موم بتیوں کے سامنے بیٹھا تھا اور لکھتا رہا لکھتا رہا۔ یہ دل سے نکل رہا تھا اور اب اُسے الفاظ کے ساتھ کوئی مشکل نہیں ہو رہی تھی۔ غلامی کے خلاف اُس کی ساری نفرت کاغذ پہ منتقل ہو رہی تھی، اس کا سارا محصور و محبوس طیش۔ اور اسے خود چھاپنے کے قابل نہ ہوتے ہوئے وہ صبح باہر نکلا اور اسے ایک مخالف میگزین کو پوسٹ کر دیا۔ ایک ہفتے بعد وہ چھپ گیا، اور اسی دن ایٹکن اُسے ہاتھ میں تھامے دوڑتا آیا۔

''یہ تمہارا ہے؟''۔ وہ چیخا۔

''ہاں میرا ہے''۔ پین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تب، باہر نکل جاؤ اور اپنی گند میں واپس جاؤ!''۔

''کیا تمہیں ایک پونڈ فی ہفتہ کوئی اور ایڈیٹر ملا؟''۔ پین مسکرایا۔

''میں تمہیں ایک ماہ کا نوٹس دیتا ہوں!''۔

''اسے دو ماہ کر دو''۔ پین بولا ''وگرنہ خدا کی قسم میں اسے دو ہفتے بناؤں گا''۔

اور اس رات، بہت عرصہ بعد پہلی بار ٹام پین آرام سے سویا اور بغیر شراب کے سہارے سویا۔

یہ چوبیس اپریل تھا، سترہ سو پچھتر۔ ٹھنڈے، چمکدار بہار کی شام۔ لمبے گہرے سائے پتھروں سے بنی بھدی گلیوں میں پھیلے تھے، اور فضا میں، ہوا اندرونِ ملک پہاڑیوں سے چلتی ہوئی اگتی ہوئی چیزوں، نئے پتوں، گند میں بدلتے ہوئے پتوں، کی تیز خوشبو تھی۔ اُس خاموش سہ پہر فلیڈ یلفیا کی گلیاں سرپٹ دوڑاتے گھوڑوں کی سموں سے بج اٹھیں۔ اور پسینے سے شرابور ایک گھوڑے پر ایک پسینے سے شرابور سوار سٹی شراب خانے کے سامنے آ کر رکا۔ وہ چیخا کہ اُس کے پاس خبر تھی، بڑی خبر، عظیم الشان خبر۔ ہر طرف سے لوگ دوڑتے آئے۔ پھر گھڑ سوار نے اُس وقت تک

بات کرنے سے انکار کیا جب تک کہ وہ بیئر کا ایک مگ ختم نہ کرے اور ایک اچھے گھڑ سوار کی طرح اپنے گھوڑے کا پسینہ خشک نہ ہونے دے اور پانی نہ دے۔ جب وہ پی رہا تھا، تو یہ خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی اور مجمع بڑے سے بڑا ہوتا گیا۔ پین نے جو کہ اپنی دکان میں تھا، لوگوں کی آوازیں سنیں، اور دوسروں کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا۔

''یہ جنگ ہے''۔ گھڑ سوار اپنی لبوں کو صاف کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ خونی تباہ کن جنگ ہے''۔

کسی نے اُسے نسوار کی چونڈی پکڑا دی؛ دوسرے مجمع میں کھڑے رہے۔

''یقیناً انہیں پتہ تھا کہ ہان کاک اور ایڈمز لگزنٹن میں تھے''۔ اس نے کہا۔

ہم آہنگی سے اُس سے پوچھا گیا: تاریخوں، تفصیلوں، پس منظر کے بارے میں۔

''یہ 18 اپریل تھا''۔ اس نے کہا۔

پھر اچانک ایک خاموشی چھا گئی۔ خبر آہستہ آہستہ گئی، مگر واقعات تیز رفتاری سے چلنے لگے، اور متوحش، پیلے چہروں کے ساتھ مجمعے میں موجود عورتیں اور مرد ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''وہ پادری کلارک کے گھر میں تھے''۔ پیغام رساں بولتا رہا ''سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ مرد انہیں خبردار کرنے بوسٹن چلے گئے، اور اب تک وقت کافی تھا اس لیے کہ ریڈ کوٹ والے پیدل تھے اور ہمارے لوگ جہنم کی تیزی میں گھوڑے دوڑاتے رہے۔ اور پادری کلارک ٹھنڈے مزاج کا رہا۔ اُس نے انہیں بھیج دیا''۔

''وہ گرفتار نہ ہوئے، ہان کوک اور ایڈمز؟''۔

''وہ فرار ہو گئے''۔

پھر وہی خاموشی۔ اخبار نویس غصے سے بپھرے ہوئے، مگر دوسرے انتظار کرتے رہے، اور واحد آواز بچوں کی چیخ تھی جو مجمع کے باہر خرگوشوں کی طرح دوڑ رہے تھے۔ گھڑ سوار نے بیئر کا ایک اور مگ منگوایا اور یہ مگ مجمع کو چیرتا ہوا تیزی سے پہنچا۔

''وہ سارے شہر کو باہر نہیں بھجوا سکا''۔ پیغام رساں بولا ''وہ سب جاگ رہے تھے، اور اُن میں سے زیادہ لوگ جاگتے رہے.....''۔ مزید گفتگو تھی، مزید بیئر تھا، مزید سوالات تھے۔ ٹکڑا ٹکڑا

ساری کہانی باہر آئی، اس کا کچھ توقف کرتے ہوئے، کچھ ایک تیزی کے ساتھ، کبھی کبھی ایک طویل وقفہ جب گھڑ سوار نے ابھی شروع کیا اور اُن واقعات کو قابلِ فہم کرنے کی کوشش کرتا جنہیں وہ بیان کر رہا تھا۔

اٹھارویں کی اُس رات لیگزنگٹن گاؤں میں چند ہی لوگ سوئے۔ ان میں سے اکثریت، جنہیں اُن کی بیویاں گھر گھسیٹ لے گئیں، نے لباس تبدیل کیے اور بندوق، بارود رکھنے والا برتن، اور گولیوں والی تھیلی اپنے ساتھ لیے شراب خانے پہ گروپ میں شامل ہونے باہر پھسل گئے۔ شیطان امشب چل رہا تھا مگر فرشتے اُس کے پیچھے تھے۔ ایسی رات پہلے کبھی نہ آئی تھی اور نہ بعد میں کبھی آئے گی۔ شراب خانے میں لوگ کھسر پھسر میں باتیں کر رہے تھے، حالانکہ وہ چیخ چیخ کر باتیں بھی کرتے اور ایک سوئے ہوئے کو بھی جاگتے نہ پاتے، اور وہ ہیجانی انداز میں اپنی بندوقیں انگلیوں سے چھوتے، اپنی گولیاں گنتے، اور حیران ہوتے کہ آیا ایک انسان پر گولی چلانا گلہریوں اور خرگوشوں پر گولی چلانے سے مختلف ہوتا ہے۔ ان کا کمانڈر کپتن پارکر، جس نے فرانسیسی جنگ کے دوران بندوقوں کو آگ اگلتے دیکھا تھا، خود بھی زیادہ پرسکون نہ تھا، اور خود پہ بوچھاڑ کی صورت آنے والے سارے سوالات کا جواب دینا مشکل پا رہا تھا۔

صبح ہونے سے ذرا پہلے کچھ کرنے کی ضرورت سے پارکر نے زیک سڈبری کو گھنٹیاں بجانے چرچ بھیج دیا۔ زیک اُس وقت تک گھنٹیاں بجاتا رہا جب تک کہ گاؤں میں موجود ہر ایک اچھی طرح نہ جاگا۔ عورتیں کھڑکیوں سے سر نکالتی چیخ رہی تھیں'' شرم، شرم کہ اتنی زیادہ بڑی عمر کے لوگ اس سے بہتر کچھ نہیں جانتے!''۔

پارکر نے اپنے آدمیوں کو لائن بنانے کو کہا جو کہ انہوں نے کیا، ایک دوسرے پر غراتے ہوئے، آگے پیچھے کھسر پھسر کرتے ہوئے:

''تم عمدہ سپاہی ہو، اسحاق''۔

''اپنی ایڑیوں سے ٹک ٹک کی آواز پیدا کر دو جیڈ۔ ایسے عمل کرو جیسے تم نے ایک اصلی عمدہ واسٹک پہن رکھا ہو''۔

اور چودہ سالہ جیری ہکس سے ''جیری، تم گھر کیوں نہیں جاتے اور اپنا سبق کیوں نہیں پڑھتے؟''۔

''آگے چل!''۔ پار کر چیخا۔ اور وہ چرچ کے سامنے لان تک زمین پر پاؤں مارتے چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو پار کر نے اپنا سر کھجلایا، لگتا تھا کہ سوچنے کے قابل نہ تھا کہ اب آگے کیا کیا جائے۔ پادری ایک ہلکی شکاری بندوق لیے آیا اور کہا، خدا مجھ پہ مہربان ہو، یہ اتوار نہیں ہے''۔

اس کا یہاں آنا اچھا تھا۔ اور ہر شخص پرسکون ہو گیا اور بہت ساری باتیں کرنے لگا۔ صبح کی تاریکی اب زردی مائل گلابی رنگت میں بدل رہی تھی اور پھر آڑو کی رنگت میں اور بادامی رنگ میں۔ اور کھیتوں کے اس پار کوے غصے سے چیخ رہے تھے۔ ''کرانک، کرانک، کرانک!'' ۔ جو شوالانگ کا کتا جو پرندوں کے کسی شور پہ سخت غصہ ہوتا تھا، کووں کی طرف بھاگا، اپنی بلند ترین آواز میں بھونکتا ہوا۔

پھر باتیں بند ہو گئیں۔ وہ اکڑ گئے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ دنیا میں ایک آواز تھی۔ شروع میں مدہم، پتلی اور پھر زیادہ واضح، اور پھر زور اور سختی سے ڈھول پیٹنے کی آوازیں، بانسری کی چیختی ہوئی، ایک ظریفانہ بہادری کے انداز میں ہلتا ہوا الاپ، شان، موت اور خدا جانے کس کس کی ایک دعوت۔

کسی کو کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ یہ کون تھا، وہ جانتے تھے، اور کوئی نہ بولا۔ اُس خوش کن اپریل کی صبح اپنی بندوق پر جھکے، زیادہ لوگ خوفزدہ، اپنی زندگیوں میں پہلی بار بھاگ جانے کی زور آور خواہش سے آشنا ہوئے۔ آدمی، لڑکے، بڈھے کھوسٹ، بچے، سادہ نیو انگلینڈ کے کاشتکار کمیونٹی کے سادہ لوگ۔ انہوں نے اپنی مقدر کے ساتھ اپنی تعیناتی ایفا رکھی۔

فلیڈ یلفیا کے سٹی شراب خانے میں گھڑ سوار نے بیئر کا چوتھا گلاس چڑھایا اور کہا ''وہ اٹھ کھڑے ہوئے خدا کی قسم!''۔

''ایک لڑائی؟''۔ کسی نے پوچھا۔

''اور کیا بھئی؟۔ میں نے کہا ناں کہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لڑکے اور آدمی، انہوں نے

گردن اکڑائے اور سارے سرخ کوٹوں کو جہنم واصل ہونے کی بددعا دی''۔

''اور پھر؟''۔

''تم نے ایک خونی لوبسٹر کو بندوق سے منہ موڑتے کبھی نہیں دیکھا''۔ پیغام رساں نے نتھنے پھلا کر کہا۔

سرخ کوٹ فوجیں دیہاتیوں کی طرف مارچ کرتی ہوئی اُن سے ایک درجن گز قریب تھیں کہ اُن کے افسر نے انہیں رک جانے کا حکم دیا، اور وہ اپنی جامع صفوں میں کھڑے ہو گئے، اپنے جامع اور رنگین یونیفارموں میں، اپنی عظیم مخروطی فوجی ٹوپیوں میں اپنے سفید وگ اور سفید کمر پیٹیوں میں، لندن کے آدمی، سفولک اور نارفولک کے آدمی، دیوون اور ویلز اور سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے آدمی۔ وہ بے ڈھنگے کاشتکاروں کو حیرت سے تک رہے تھے جو انہی علاقوں سے تھے جو انہیں روٹی روزی دیتے تھے، جو کہ اب دور دیس تھے۔ وہ حیرت انگیز طور پر گنوار تھے۔ طویل لمحوں تک دونوں گروپ ایک دوسرے کے آمنے سامنے رہے، ایسے ہی لمحات کے لیے تو ریڈ کوٹوں کو تربیت دی گئی تھی مگر کاشتکاروں کی ہتھیلیاں اپنی بندوق پر پسینے سے بھری تھیں۔

پھر برطانویوں کو کمانڈ کرنے والے میجر پٹکیرن نے اپنا ذہن بنا لیا، اگلی صف تک ایڑ لگائی اور غرایا ''بکھر جاؤ!''۔

کاشتکار بڑبڑائے۔

''خدا تمہیں غارت کرے باغیو، اپنے ہتھیار ڈال دو''۔

یہ وہاں تھا، گرم اور خوفناک۔ وہ باغی تھے۔ یہ خیال جو انہیں آیا تھا کہ انہیں آزاد انسان ہونا چاہیے۔ اس آزادی کے ساتھ کہ وہ اپنے طریقے سے اپنی زندگی گزار سکیں، آزادی کا یہ نازک، خواب جیسا خیال جس سے نیک دل انسان ہزاروں سالوں سے کھیلے تھے اچانک لیگزنگٹن کے ایک گاؤں پر اپنے وحشی سر کے ساتھ آیا۔ کاشتکار بڑبڑائے اور اپنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ اِس کے بجائے اُن میں سے ایک نے گولی چلا دی اور خاموشی کی ساعت میں بڑی بندوق کی غراہٹ

ابھری اور بازگشت بازدرگشت کرتی رہی۔اُس سرخ کوٹ والے نے اپنی قمیص کومضبوطی سے پکڑا، جھکااور پھرزمین پرلڑھکنے لگا۔

اس کے بعد،کوئی حکم نہ ہوا،کوئی یادتک بھی نہیں۔سرخ کوٹوں کی صفوں نے ایک باڑھ فائر کردی، کاشتکاراپنی بندوقیں تنہا چلاتے رہے دودواورتین تین میں۔عورتیں چیختی ہوئی اپنے گھروں سے دوڑتی آئیں۔بچوں نے رونا شروع کردیااور کتے پاگلوں کی طرح بھونکنے لگے۔پھرفائرنگ بند ہوگئی اوروہاں زخمیوں کے کراہنےاورعورتوں کی دل چھیدالتجاؤں کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔

فلیڈ یلفیا کے سٹی شراب خانے کے سامنے بیئر کا پانچواں گلاس، اور پھر گھڑسوار نے بتایا کہ کس طرح سرخ کوٹوں والے مارچ کرگئے۔''وہ لیگزنگٹن کے لیے نہ تھے، وہ تو کنکورڈ کے پیچھے تھے''۔اس نے وضاحت کی''ذخائرتو وہیں پر تھے''۔

''کیاوہ کاشتکاروں کولے گئے؟''۔کسی نے پوچھا۔

''نہیں،وہ انہیں لےنہیں گئے!۔کیاتم ایک پاگل کتے کوساتھ لے جاؤ گے؟۔انہوں نے انہیں وہیں چھوڑدیااور کنکورڈ چلے گے اور قصبے میں داخل ہوگئے اورر وہاں چار پانچ گھنٹے ٹھہرے۔پھروہ کچھ بھی کیے بغیر واپس روانہ ہوئے۔اور جب وہ پل پرآ گئے،تو دیہاتی ان کے انتظار میں تھے۔چندنہیں، بلکہ چارسوسے زائد۔

''تم گندے حرامزادو!''۔میجر چیخا''تم گندے کسان حرامزادو! راستہ چھوڑ دواور گھر واپس جاؤ!''۔

''وہ نہ ہلے''۔سوارنے بتایا۔

''خداتمہیں غارت کرے حرامزادو،پُل خالی کردو!''۔میجرغرایا۔

وہ پرعزم رہےاورنہ ہلے۔ان کے جبڑےمتواتر کام کررہے تھے۔ان کی بندوقیں سطح تک رینگ آئیں اوراُن کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔مگروہ ہلےنہیں۔اور پھر برطانویوں نے حملہ

کردیااور دوزخ سج گئی۔توپ غرایا،اور بندوقوں کی آوازیں تھیں۔نصب شدہ سنگینوں کے ساتھ برطانویوں نے پُل پہ دھاوابولااورتوڑے دار بندوقوں کے کندوں کے ساتھ کاشتکاروں نے انہیں پسپا کردیا۔نعرے لگاتے ہوئے ، چیختے ہوئے، برا بھلا کہتے ہوئے ، بددعائیں کرتے ہوئے ، دعائیں مانگتے ہوئے یا نکیوں نے سرخ کوٹوں کو ندی کے کنکورڈ کی طرف پسپا کردیا۔مگراس کو برقرارنہ رکھا جاسکا۔وہ کاشتکار تھے سپاہی نہیں۔اور جب غضب وغصہ کی پہلی لہرگزرگئی،توانہوں نے بے پرواہی کی اورسرخ کوٹوں کودوبارہ صف بندی کرنے دیا، پل پارکرنے دیااورلیگزنگٹن کی طرف مارچ کودوبارہ جاری رکھنے دیا۔

وہ توجب انہوں نے اپنے مردوں کودفن کیااورزخمیوں کی مرہم پٹی کی تب کاشتکاروں کو احساس ہواکہ ایک فتح اُن کی انگلیوں سے پھسل چکی تھی۔ایک سردتلخی نے اُن کے گرم سروالے غصے کی جگہ لے لی۔انہوں نے اپنی بندوقیں اٹھائیں اوردوڑنا شروع کردیا۔.....لیگزنگٹن کی طرف جانے والی سڑک پہ۔

لیگزنگٹن چھ میل کے فاصلے پرتھا،سرخ کوٹوں کے لیےجہنم کے چھ میل۔سارادیہی علاقہ شعلہ فگاں تھا، اوراس اپریل کی سہ پہر ہر پتھر کی دیوار، ہر باڑ، ہر گھر، ہر جھاڑی ،اور ہر درخت بغاوت غرارہا تھا۔بیمار آدمی اپنی کھڑکیوں تک حملہ آوروں پر فائرکرنے رینگے۔لڑکے گھاس میں سے رینگے اور اپنے شکار دبوچ لیے۔عورتیں باڑھ دروازوں کے پیچھے اپنے شوہروں کے لیے بندوقیں لوڈ کرتی رہیں،کاشتکارنیوانگلینڈ میں پتھر کی دیواروں کی لمبائی میں بار بار فائرکرنے دوڑتے رہے۔ایک لڑکا ایک درخت پر چڑھا، نیچے سے گزرتے ہوئے ایک سرخ کوٹ صوبیدارکو قتل کردیااورخودبھی گولی لگنے سے مارا گیا۔مگرمجموعی طور پرسرخ کوٹوں کے باڑاس گھونپتی، کاٹنے، زخمی کرنے والی،خفیہ جنگ کے خلاف بے کار تھے۔

کوئی لیڈرشپ نہ تھی،کوئی سمت نہ تھی،کوئی کمانڈ نہ تھا۔کاشتکارجبلی طور پر ہیجان سے لڑے،آئندہ کسی بھی لڑائی سے زیادہ شاندارانداز میں لڑے،جیسے کہ وہ جانتے ہوں کہ یہاں،آج

،غریب ودکھی وسادہ لوگوں نے بالآخر اپنی طاقت ڈھونڈ نکالی۔

لیگزنگٹن تک سے چھ میل پہلے برطانویوں کو کوئی انجام نہ تھا۔ یہ قصبہ گھروں کی جگہ تھا اور قصبہ میں عورتیں اور بچے تھے، لہٰذا آدمی باہر کھیتوں اور درختوں میں انتظار کرتے رہے۔ لیگزنگٹن میں سرخ کوٹوں کو کمک مل گئی، مگر بہ یک وقت فائرنگ کے شور سے اور تیز رفتاری سے پھیلنے والی خبر سے سینکڑوں کی تعداد میں جوق در جوق کسان گاؤں کی طرف آرہے تھے۔

33

کمک لے کر برطانویوی نے ایک بار پھر بوسٹن کی جانب اپنی پسپائی شروع کردی۔..... اور اس بار دوزخ بدتر تھی ۔زخمی زخمی، خون خون، خنجر گھنپی، اور لڑکھڑاتے ہوئے۔.....

''وہ چارلس ٹاؤن پہنچ گئے''۔سوار نے کہا''جو کچھ اُن کا بچا تھا''۔

5

ایک انقلابی کا بننا

شوروغوغا۔وہ عجیب کہانی جو گھڑ سوار نیو انگلینڈ سے یہاں لایا تھا اُس میں سے کوئی نئی بات آرہی تھی ، ایسی چیز جسے تحریک اور عمل میں تو ڈھالا جاسکتا تھا،مگر منصوبہ اور دلیل میں نہیں۔ اس لیے ٹام پین نے اگلے دن سوچا، سٹیٹ ہاؤس کے سامنے ٹھاٹھیں مارتے مجمع میں کھڑے ہوتے ہوئے ،فلیڈیلفیا کی تاریخ میں سب سے بڑا مجمع ،تقریباً آٹھ ہزار لوگ۔مجمع ایک مجمع تھا اور کچھ نہیں۔یہ چیخ رہا تھا،نعرہ زن تھا۔کھلبلی مچا رہا تھا،گرداب بنا رہا تھا اور کہیں کہیں مختلف مقرروں کو سننے کو خاموش ہو جاتا جو کہ ظالم حکمرانوں اور استبداد کی مذمت کرنے اوپر آجاتے تھے۔یہ دونوں اصطلاحات بہت عمومی اور بہت محفوظ تھیں۔نمایاں طور پر مجمع جذبات میں بوسٹن نواز تھا،مگر یہاں وہاں ایک ٹوریؔ موجود تھا، اُس طرح مسکراتا ہوا جس طرح کہ اُن گذشتہ کئی مہینوں میں ٹوریؔ لوگ

مسکرانے کے کی طرف مائل تھے۔

مقررین سارے مجمعے کو خطاب کر رہے تھے، نسبتاً چھوٹے بچے خود اپنے مخصوص دائرہ میں مقابلہ کرتے تھے، اور مسافر جیکسن ارل، جو کہ عمومی طور پر بادشاہوں اور ظالم حکمرانوں کے جرائم کے خلاف ایک غصہ بھری تقریر کر رہا تھا، اور خاص کر ایک بادشاہ کا، اس نے پین کو گواہی دینے کا کہا۔

''ٹام!''۔اس نے مطالبہ کیا۔''کیا ہم اپنے اوپر ایک جرمن یا برطانوی رکھتے ہیں؟''۔

پین نے کندھے اچکائے۔گذشتہ دن نے اُسے جذباتی اور دہشت زدہ کیا تھا، مگر آج وہ سرد تھا اور پرانی کاہلی لوٹ رہی تھی۔اس نے ایک مختصر، روشن منظر کا خواب دیکھا تھا اور اسے معلوم نہ تھا کہ کیوں یہ مجمع اس کو پاش پاش کرنے میں مدد دے رہا تھا۔ پھر بھی وہ ایک بات جانتا تھا، کہ وہ اس سے باہر تھا۔ وہ پین تھا، ایڈیٹر۔ وہ پین رہا تھا، بھکاری۔مگر دونوں مرحلوں میں اُس کے پاس کچھ نہ تھا۔وہ نفرت اور پیچ وتاب اور احتجاج کر سکتا تھا، مگر وہ خواب کس طرح دیکھ سکتا تھا؟۔

''جارج، میرا مطلب ہے''۔ارل نے جاری رکھا۔

''جرمن میرا خیال ہے''۔

''جرمن!۔ اور کس طرح کا جرمن؟''۔ارل نے مجمع سے پوچھا''ایک غلام بنانے والا ہینوو ریائی، ایک موٹا، بلانوش سئور.....اور اس کا آسمانی حق ہے! خدا کی طرف سے؟۔اب میرے اچھے دوستو، سنو، میں تمہیں بتاتا ہوں! مجھے خدا کی جگہ پر رکھو.....''

مقرر، کوئنسی لی بکسوں کے ایک پلیٹ فارم پر چڑھ کر خاموش رہنے کی درخواست کر رہا تھا۔ارنالڈ، جو کہ ایک کوئیکر تھا، نے ابھی ایک مسلح ملیشیاء کی تجویز دی تھی۔''اور اس سے کیا ہوگا؟''لی اپنی بھرپور طاقت سے چیخا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا شخص تھا، جذبات سے ہانپ رہا تھا۔''لوگ کیا کہنا چاہتے ہیں؟''۔

مجمع غرایا۔

''کون پہلا ہوگا جو آگے آئے گا اور پیشکش کرے گا، جس طرح میں پیشکش کرتا ہوں، اپنی زندگی، اپنے اسلحہ، اپنی تلوار کی اُس مقدس چیز کے لیے، جسے آزادی کہتے ہیں؟''۔

مجمع کس قدر غرایا!

''جس طرح وہ مرے لگزنگٹن میں اور کونکورڈ میں.....''۔

جس وقت پین مجمع میں سے دھکم پیل کرتے نکل رہا تھا ارنالڈ چیخ رہا تھا۔''جس طرح برطانیہ والے ہمیشہ برطانیہ والوں کے حقوق کے لیے لڑے''۔

''پی رہے ہو؟''۔ایٹکن نے اُس سے کہا جب وہ سرد تاروں بھری رات میں باہر سے اندر آیا۔

''پی رہا ہوں''۔پین نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہارا جگر اس قدر گلا سڑا ہوگا کہ تم زیادہ عرصہ تک اس کے مالک نہ رہ سکو گے''۔

پین کھسیانی ہنسی ہنس دیا کیا اور پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''کیا تم آج چوک پر تھے؟''۔

''میں وہاں تھا''پین نے ایک کرسی میں دھنستے ہوئے اور اپنے پیروں پہ نظریں گاڑتے ہوئے کہا''اور اب تم خوش تھے کہ تمہیں اپنا خون اور گرج مل گیا؟''۔

''میں خوش نہ تھا''۔پین نے کہا''میں خوفزدہ تھا''۔

''پھر تو تم دھت ہو۔ میرے چھوٹے آدمی، تم کاغذ پر اچھے ہو، مگر ایک بھنچے ہوئے مکّے کے ساتھ برے ہو''۔

''میں اُس بات سے خوفزدہ نہ تھا''۔

''تمہیں خوفزدہ ہونا بھی نہیں چاہیے''۔سکاٹ لینڈ والے نے اپنی چوڑی پشت کاؤنٹر سے لگاتے ہوئے کہا، اور اب وہ اپنے ایڈیٹر کو ستانے میں ایک وحشیانہ مسرت لے رہا تھا۔''تمہیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے، میں تمہیں بتاتا ہوں، کہ تمہاری زندگی کس لیے اہم ہے؟''۔

''کسی چیز کے لیے بھی نہیں''۔

''آہ، پھر.....اور تم یہ تسلیم کرتے ہو؟''۔

''میں یہ جانتا ہوں''۔پین نے درشتی سے کہا۔

''مگر تم خوفزدہ ہو''۔

کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور ایٹکن نے جواب دے کر اپنا جملہ توڑ دیا۔ یہ ایک بوڑھا تھا جسے پین نے دیکھتے ہی پہچان لیا، اسحاق ڈی ہیروز، یہودی انجمن کا اہل کار۔اس نے اپنی بغل میں دعاؤں کی ایک بوسیدہ کتاب اٹھا رکھی تھی جسے پین اور سکاٹ لینڈ والے دونوں کے سامنے جھک کر سلام کرنے کے بعد اس نے کاؤنٹر پر پھیلا دیا، اکھڑے صفحوں کو آہستگی اور محبت سے سنبھالتے ہوئے۔

''کیا آپ اس کی طرح ایک چھاپ سکیں گے؟''۔اس نے ایٹکن سے پوچھا۔

پین اور ایٹکن دونوں کتاب پر جھکے۔پین تعجب سے اُس اولین عبرانی تحریر کو دیکھ رہا تھا جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ایٹکن پرانی ٹائپ کو جھک جھک کر دیکھ رہا تھا۔

''میرے پاس نہ تو یہ حروف ہیں اور نہ ہی مہارت''۔

''میرے پاس کچھ الفاظ تو ہیں، سب نہیں۔ بقیہ کو آپ بنا سکتے ہیں۔آپ انہیں اسی طرح ترتیب دے سکتے ہیں جس طرح کہ یہ موجود ہیں''۔

''اور اس کا مطلب کیا ہے؟۔میں شیطان کا ایک اجزا ملانے کا عمل نہیں کروں گا''۔

''یہ دعائیں ہیں''۔بوڑھا شخص مسکرایا۔

''میں ایک پوپ والی دعا نہیں چھاپتا''۔ایٹکن نے ہٹ دھرمی کہا۔''پھر بھی تم کہتے ہو کہ حروف کو جوڑ توڑ کر اپنی گردن توڑ دوں''۔

''یہ سادہ دعائیں ہیں جنہیں کوئی بھی شخص سمجھ سکتا ہے''۔بوڑھے شخص نے شائستگی سے کہا۔

''اسے انگلش میں پڑھو''۔ایٹکن نے صفحے الٹتے ہوئے کسی ایک صفحے پر ہاتھ رکھا۔

بوڑھا پڑھنے لگا:

''یہ چیزیں مجھے بالکل یاد ہیں، اور میں انڈیلتا ہوں

اُن کے لیے اپنی روح۔سارے عہدوں میں طویل
نفرت ہمارا پیچھا کرتی ہے۔سارے سالوں میں سے
جہالت نے ایک بلا کی طرح ہمارے شہیدوں کو نگل لیا۔
جیسے خون کے ایک لمبے دن۔
حکمران نہ ختم ہونے والے سالوں کے دوران ابھرے،
استبدادی، وحشی اپنے غبی اقتدار میں،
ایک فضول سوچ سے بھرے، اُس کا ایک ایسا آخر بنانے جو
خدا نے نوازا ہے۔ایک بار ''خدا کی کتاب'' میں

وہ ایک ایسا لفظ ڈھونڈ رہا تھا جو انہیں تہہ تیغ کرنے کے لیے اس کے لیے ایک تلوار کا کام دیتا اور اس نے ایک سطر ڈھونڈ نکالی جو کہتی تھی؛''وہ جو ایک شخص کو چوری کرتا ہے اور اسے بیچ دیتا ہے۔

وہ یقیناً موت کے گھاٹ اتارا جائے گا.....''۔

پین نے اُسے روک دیا، اس بوڑھے کے بازو پر ہاتھ رکھ کر،

''یہی کافی ہے فادر، ہم اسے چھاپ دیں گے''۔

ایٹکن نے پین کی طرف دیکھا اور خاموش رہا، اور پین نے بوڑھے شخص سے پوچھا''کیا آپ سٹیٹ ہاؤس میں تھے؟''۔

''میں وہاں تھا''۔

''اور آپ نے کیا سوچا؟''۔

''میں نے سوچا کہ یہ کسی طویل اور سخت بات کی شروعات ہے''۔

اُس رات، نیم شب کے بعد، بوڑھے کے جانے کے گھنٹوں بعد، پین بیٹھا ایٹکن کو عبرانی حروف کے ساتھ کشتی لڑتے اور بد دعائیں کرتے دیکھ رہا تھا۔

''سو جاؤ''۔ایٹکن نے اس سے پانچویں بار کہا۔

''میرا سونے کا موڈ نہیں ہے''۔

''مجھے دوزخ کے اس پتلے شوربے میں ڈالنے پر، تمہیں نوٹس دینا چاہیے''۔

پین شدت سے چاہتا تھا کہ باتیں کرے، وہ اپنے خیالات کو آواز دینے کے لیے ایک انسان چاہتا تھا، وہ قہقہہ اور آنسو، گیت اور موسیقی سننا چاہتا تھا۔

''کیا تم نے کبھی کسی عورت سے محبت کی؟''۔اُس نے ایٹکن سے پوچھا۔

''کیا تم پاگل ہو؟''۔

وہ اپنے ماضی کا ایک حصہ دیکھنا چاہتا تھا جس سے وہ کچھ لے سکے، اور پھر اس سے قبل کہ یہ دھوئیں کی طرح ختم ہو جاتا وہ اسے کسی اور کو دینا چاہتا تھا۔

پین ایک بریزیئر بنانے والا تھا۔تھیٹ فورڈ میں، ڈوور میں، سینڈوچ میں، جنوب میں پوٹماؤتھ اور برائی ٹن میں، باتھ میں، ونچسٹر میں، برسٹل میں.....کوئی جگہ اسے سمو نہ سکی۔اکثر جب اس نے ایک اور پیشہ کو آزمایا، تو یہ پھر بریزیئروں پہ آتا، جولاہے سے، موچی گیری سے، قصائی گیری سے، سینے سے، کھدائی کرنے سے، ہل چلانے سے، شجر کاری سے، یہ پھر بریزیئروں کو آتا تھا، جو کہ اُس کی جگہ تھی۔اور یہ سینڈوچ میں تھا کہ اُس نے میری لیمبرٹ کو دیکھا۔

وہ گدازتھی، منہ پھٹ، ایک طرح سے دلکش، اس کے دونوں گالوں پہ ایک گڑھا تھا، بھوری آنکھیں، گول بازو، اور وہ اس سے چند سال چھوٹی تھی، اُس وقت وہ اکیس برس کا تھا۔

وہ ملازمت میں تھی، اور جب اُس نے اُسے پہلی بار دیکھا تو وہ چانپیں خرید رہی تھی۔وہ ایسی نہ تھی کہ اپنے گوشت کو دیکھنے پہ اکتفا کرتی، اس نے اسے محسوس کیا، اسے چونڈی دی، اور پھر دکاندار سے بولی''اور دیکھنا' ساری چربی نہیں۔مجھے دھوکہ نہیں دیا جا سکتا''۔

''یہ تو ایسی خوبصورت چانپیں ہیں جو آپ نے دیکھی ہی نہیں''۔قصائی نے کہا۔

''غوں۔ان اچھوں کو دیکھنے پر تو مجھے ایک شلنگ ملنا چاہیے''۔

''ایک درجن''۔

''اور چربی کاٹ دو، سمجھے''۔

اس سارے وقت پین اس پر نگاہیں لگائے رہا، اور وہ یہ جانتی تھی، اس پر نگاہیں ٹکائے وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ کیوں دکان میں آیا تھا۔آیا اپنے رات کے کھانے کے لیے گوشت کا ایک ٹکڑا خریدنے، یا کتے کے لیے ایک ہڈی جوان دنوں اس کے پاس ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ جانتا تھا کہ وہ وہاں ہوگی اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے دور نہیں رکھ سکتی تھی۔

جب وہ چلی گئی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے ہولیا، قصائی پر توجہ نہ کرتے ہوئے''اے جناب، آپ کو کیا چاہیے؟''۔تقریباً بیس فٹ تک اس کے پیچھے پیچھے چلنے کے بعد وہ مڑی اور اس کے مقابل آئی اور اسے بتایا۔

''اپنی راہ لو''۔

پین احمقوں کی طرح اور گونگوں کی طرح کھڑا رہا۔

''اب چلتے بنو۔میں تم جیسوں سے کام نہیں رکھتی''۔

''میرا مطلب کوئی نقصان دینا نہ تھا''۔پین نے کہا۔

''غوں!''وہ تڑاق کے ساتھ بولی۔اور اپنی ایڑیوں پہ گھومی اور روانہ ہوگئی۔پین اس کے پیچھے، پین تیز رفتاری سے اس تک پہنچا اور التجا کی''براہ کرم مجھے اپنا نام بتاؤ''۔

''تمہیں اپنا نام بتاؤں!۔اور کیا تمہیں بتاؤں؟''۔

''مجھے اپنا سامان اٹھانے دیجیے، پلیز''۔

''میں خود یہ کام کر سکتی ہوں، اور چلتے بنو وگرنہ میں تمہارے بارے میں اپنے مالک کو بتا دوں گی''۔

اُس نے اُسے دوبارہ دیکھا؛ سینڈوچ جیسی چھوٹی جگہ پر اُسے نہ دیکھنا ناممکن تھا۔اس نے اس کے بارے میں پوچھا، اور یہ دریافت کر لیا کہ اس کا نام میری لیمبرٹ تھا۔بلاشبہ وہ جانتی تھی، وہ اس سے دور نہیں رہ سکتا بلکہ اس کا پیچھا کرتا رہا، اس کا تعاقب کرتا رہا، حتیٰ کہ کبھی کبھی اس سے

ایک آدھ بات بھی کرتا تھا۔ جب وہ اس پر مسکراتی، جیسے وہ کبھی کبھی کرتی تھی، تو وہ مسرت کی ایک سرمستی میں ہوتی۔ اس کا مالک اُس وقت، جون گریگ، پین کی طرف آنکھ مارتا، اسے پسلیوں میں انگلی چبھوتا۔

''آہ، ٹام، تم ایک اوباش نہ ہو جاؤ، مگر میں جانتا ہوں''۔

وہ پاگل پن کی حد تک محبت میں تھا اور اس طرح کی کسی چیز پر محض احمقی سے مسکرا دیتا۔

''تم نے ابھی تک اس کے گرد بازو حمائل نہ کیے؟۔ میں تمہیں ایک شلنگ دوں گا''۔

وہ کبھی کبھی اُسے اپنے ساتھ ساتھ چلنے دیتی۔ وہ اس کے لیے چیزیں خریدنے لگا اس لیے کہ اس نے دیکھا کہ جب وہ اسے کوئی تحفہ دیتا تو وہ اس کی طرف زیادہ مہربان ہوتی۔ ایک خاموش شام اس نے اسے اپنے ساتھ نیچے ندی تک چلنے کو کہا جس پر اس نے کہا:

''غوں، وہ نرم گندا دلدل ہے''۔

''وہ بہت خوبصورت ہے اور تم اس قدر حسین ہو''۔

''تم گپی ہو پین۔ کیا تم پہلے کسی لڑکی کے ساتھ نہ رہے؟''۔

اس نے اپنا حوصلہ مجتمع کیا اور کہا: ''میں نے کسی سے محبت نہ کی''۔

اس نے اپنے کندھے اچکائے اور اپنے سر کو جھٹکا دیا۔

''میری.....''

''میں شہر میں چلنا چاہتی ہوں''۔ اس نے کہا ''ایک نوکرانی کو اکیلے کہیں نہیں جانا چاہیے''۔

''میری، تمہیں میرا خیال نہیں ہے، ذرا بھی؟''۔

''شاید ہو''۔

''میری''۔

وہ گھر، اپنی مالکن، دوسری نوکرانی، باورچی کے بارے میں بلا سوچے سمجھے بولتی رہی، اور اردلی کے بارے میں جو اُس پر خاصا پاگل تھا۔ ''کل مجھے چوما، اس نے''۔ اس نے کہا۔

''میری، آئی لو یو!''۔

''غوں!''۔ وہ مسکرائی

اس نے ایک بار اُس سے اُس کی ملازمت میں ہونے کے بارے میں پوچھا۔

''میں ہمیشہ وقار کے ساتھ ہوئی ہوں''۔ میری نے کہا۔

''مگر کیا یہ تمہیں اچھا لگا، ایک نوکرانی بننا؟''۔

وہ درشت ہوئی ''یہ بہتر ہے اس سے میرے وقار کو نقصان نہیں پہنچتا''۔

''میرا کوئی غلط مطلب نہ تھا''۔ اس نے معافی مانگی ''میں بس تمہیں ایک نوکرانی کے بطور سوچنا نہیں چاہتا''۔

''تم جو چاہو سوچو''۔

''آئی لو یو''۔

اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

''کیا اس کا مطلب کچھ نہیں؟۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں آئی لو یو۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں تمہارے لیے مرنے کو تیار ہوں.....میں محض ایک بریزیئر بنانے والا نہیں ہوں۔ میں چیزیں کرنا چاہتا ہوں اور چیزیں بننا چاہتا ہوں۔ میں ساری دنیا چاہتا ہوں اور میں یہ تمہیں دینا چاہتا ہوں!''۔

''غوں!''۔

''میں یہ دنیا تمہیں دے سکتا ہوں'' اس نے شدت سے کہا۔

اس نے اپنے ہاتھ اپنے کولہوں پہ رکھے اور ایک شائستگی دکھائی۔

''لڑکے پین!''۔

اور اس نے اُسے چومنے کی کوشش کی اور اس نے اپنی پوری قوت سے اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ وہ وہاں کھڑا اسے دیکھتا رہا اور اپنی گال سہلاتا رہا اور اردلی کا سوچنے لگا۔

''تم مجھ سے نفرت کرتی ہو، ہیں ناں؟''۔

''شاید''۔

پھر اُس نے ذہن بنا لیا کہ وہ دوبارہ کبھی اس کی طرف نہ دیکھے گا، اور دو ہفتے تک اس نے اسے نہ دیکھا، اپنے کام پر بڑبڑاتے ہوئے، تاریک اور ناامید۔

''اس کے گرد باز وحمائل کر دو''۔ مالک گریگ نے اسے مشورہ دیا۔

'' بکومت اور جہنم میں جاؤ''

''میں تمہیں وہ شلنگ دے دوں گا''۔

سیاہ موڈ گزر گیا، اور اس پر ایک زبردست فیصلہ کا دورہ پڑا۔ وہ اپنے لیے کچھ کرے گا۔ احتیاط سے اُس نے انیس پونڈ جمع کیے تھے۔ اب اس نے گریگ کو چھوڑا، ایک پرانی دکان کرائے پر لی، اور اپنے اوزار اور بنچ اس میں ڈالے۔ وہ صبح سے رات تک کام کرتا، پیسہ پیسہ بچاتا رہا، اپنے لیے ہر آسودگی حرام کر دی، شراب، پڑھنے کی چیزیں۔ صرف اُس دن کے خواب دیکھتا ہوا جب وہ اس عورت سے شادی کا خرچہ اٹھا سکے گا جس سے وہ محبت کرتا تھا اور پھر اس نے اسے تلاش کر لیا اور اس سے کہا۔

''میں جانتی تھی تم لوٹ آؤ گے''۔ اس نے خود پسندی سے کہا۔

''ہاں مجھے آنا پڑا''۔

''پھر ادب آداب کا خیال رکھو''۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں''۔ اس نے پرجوشی سے کہا۔

''غوں!''۔

'' آئی لو یو۔ میں تمہارے لیے کچھ بھی کر گزروں گا۔ میں تمہیں خوش رکھوں گا.....''۔

''بولتے جاؤ'' مگر وہ کمزور پڑ رہی تھی۔ یہ اردلی سے بہتر تھا جس نے کبھی بھی شادی کی بات نہ کی، قصاب سے بھی بہتر، اُس کے مالک سے بھی بہتر جو اسے راہ داری میں پکڑ لیتا۔ ایک لمحے کو بریزیئر ساز کی ٹیڑھی جلتی آنکھوں نے اسے گرفت میں لیا، اور لڑکی نے اپنے ننھے پھڑ پھڑاتے ذہن میں نیم پیدا شدہ خوابوں کی ایک جھلک بنالی۔ وہ مسکرائی اور ایک مہربانی کی، اور

ٹام پین کی روح عظیم الشان فتح سے رقصاں ہوئی۔

''میرا بوسہ لو، آ جاؤ''۔ میری نے کہا۔

اس نے اسے اپنی بانہوں میں لیا اور دنیا اُس کی ہوگئی تھی۔

''اور دیکھنا، نوکرانی بننے سے متعلق کوئی بکواس نہیں''۔

''نہیں نہیں۔ تم میرے لیے ساری دنیا ہو! تم کیا کچھ رہی ہو مجھے تعلق نہ ہوگا۔ تم اب ٹام پین کی بیوی ہوگی اور میں تمہیں نوابزادی کی طرح بلند کر دوں گا۔

.....بلند تر!''۔

''بولتے جاؤ''۔

''میں امیر ہوں گا۔ میں ہمیشہ ایک بریزیئر ساز نہ رہوں گا!''۔

''بلند اور شہہ زور تمہارے لیے.....تم ایک عجیب آدمی ہو''۔

''تم کم پرواہ کرو''۔ اس نے اس سے التجا کی۔

''یاد رکھنا، شادی''۔

''ہاں ہاں جانِ من، میری محبت''۔

''تم الفاظ کے ایک جادوگر ہو''۔ اس نے تعریفی انداز میں کہا۔

''ان کا زیادہ مطلب نہیں۔ وہ ہلکے ہیں۔ ہمارے پاس مزید ہوگا، ہمارے بچے ہوں گے''۔

'' پالنے کو منہ ہوں گے''۔ اس نے ایک چہرہ بناتے ہوئے اشارہ کیا۔ ''بس اگر تم مجھ سے محبت کرو.....''۔

''ہوسکتا ہے''۔ میری نے آرزدگی سے کہا۔

اس نے بعد میں سوچا کہ اگر کچھ چیزیں نہ ہوتیں، اگر کچھ چیزیں دوسری طرح وقوع پذیر ہوتیں تو یہ مختلف ہوتا۔ وہ کیا تھی، وہ اُسے بدل تو نہ سکتی تھی، اور یہ جان کر پین کے لیے محض بدتر ہوتا۔ بہت عرصہ بعد وہ یہ سوچے گا کہ اس نے کس طرح اسے لکھنا پڑھنا سکھانے کی کوشش کی تھی، اور کس طرح ایک خیال سے دس پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد، وہ ایک بچگانہ غصہ کے ساتھ اُس پر چڑھ

دوڑتی۔کبھی کبھی اُسے یقین ہوجاتا کہ وہ اُس سے نفرت کرتی ہے،اور کبھی کبھی، اُسے اپنے بازوؤں میں لیے اس کے پاس ایک مختصر لمحہ ہوتا جس میں وہ جانتا کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔وہ وہی تھی جیسا کہ وہ تھی، اپنی مختصر دنیا سے مار مار کر متشکل، ایک قبائلی مخلوق جس پر ایک ہزار ممانعات لادی ہوئی تھیں۔کبھی کبھی، جس قدر نرمی ممکن تھی اُس سے وہ ایک کے بعد دوسری تہہ اتارتا جاتا، اور اُس کی خوفزدہ ننھی روح تلاش کرنے کے نکتے تک آجاتی، اور وہ اس پر برس پڑتی ''غوں' بلند وعظیم و عمدہ ہوتم، پھر میرا مذاق اڑا رہے ہو،تم اور تمہاری عمدہ ہوائی باتیں!''۔

''میرے پاس کوئی ہوائی باتیں نہیں ہیں میری جان''۔

''ایک نواب کی طرح ایکٹنگ کرتے ہوئے،تم ایک بریزیئر ساز''۔

وہ کندھے اچکاتا اور اثبات میں سر ہلاتا اور اسے سوری(Sorry) کہتا۔

''میری ملازمت سے حقارت کرتے تھے تم، اور میں وہاں آرام سے تھی، شرفا بھی تھے وہ، نہ کہ تمہاری گندی خنزیر خانے صفت والے!''۔یا اگر وہ واقعی غصہ ہوجاتی، تو اسے اردلی، اپنے مالک، اور دوسروں سے متعلق تفصیلات بتاتی، اُسے پیچ وتاپ کھاتے اور توہین سے بل کھاتے دیکھنے انڈیلتی جاتی۔

اُس کے کاروبار میں کچھ بہتری نہ آئی۔بریزیئر بنانا ایک طویل دورانیہ والا کام تھا، اور جب تک تمہاری فہرست میں کوالٹی نہ ہوتی تو تم بس دستبردار ہوجاتے۔سینڈوچ میں کاروبار اتنا نہ تھا کہ دو بریزیئر سازوں کا گزارہ ہوجاتا، اور جب پین کرایہ دینے کے مزید قابل نہ رہا، جب وہ اپنا آخری سکہ خرچ کر چکا تو وہ دوبارہ گریگ کے پاس چلا گیا۔

''تم ناکام شخص ہو''۔گریگ نے ٹھوس انداز میں کہا، اور وہ اس بات کا اختتام تھا۔

انہیں بے دخلی کا نوٹس دیا گیا، اور پین نے کہا ''ہم کسی اور شہر جا کر کوشش کریں گے''۔

''اور مجھے ایک نوابزادی سے بلند تر ہونا تھا''۔میری نے اس کی نقل کی۔

''اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے''۔پین نے خاموشی سے کہا ''میں پامال نہیں ہو چکا''۔مگر اس نے زندگی میں پہلی بار خود کو بوڑھا محسوس کیا۔وہ بائیس سالہ عمر میں لڑکپن کے لیے ترس رہا تھا جو اس

نے کبھی نہ دیکھا تھا، ایک پنجرے میں گرفتار ہوا، تشدد کی مشین پر ایک گلہری کی طرح گول گول چکروں میں بھاگتا رہا۔اس بار اس نے توقع کی کہ وہ دوبارہ ملازمہ والے کام پر واپس جائے گی، مگر وہ اس کے ساتھ چمٹی رہی، روز اس کو لعنت ملامت کرتی ہوئی، اس کے لیے چیزیں بدتر کرتی ہوئی۔ ابھی تک ایک خواب کی جھلکی میں گرفتار جسے ایک بار اس نے جانا، پین سے اس کی بدصورتی پہ نفرت کرتی ہوئی، اس کی نالائقی نااہلی پہ، کسی بھی عملی معاملے میں پر ایک ناکام آدمی ہونے پہ، مگر بہ یک وقت اس کے احترام میں۔

دوسرا شہر بھی کوئی بہتر نہ تھا، اور پھر تیسرے شہر، وہ دونوں گرد آلود سڑک پہ پیدل چلتے ہوئے۔پین اپنے اوزار کندھے پہ رکھے ہوئے، میری ایک کپڑے میں بندھی ان کی ملکیت کی دوسری سب چیزوں کے ساتھ۔پین کے پاس صرف قصور کا ایک گہرا اور دیرپا احساس تھا، اور اگر میری اس پر چیختی ''یہ تمھارا قصور ہے، تمھارا قصور، میں آرام سے تھی اور چین سے تھی'' تو وہ صرف اثبات میں سر ہلاتا۔''اپنے سر پر ایک چھت رکھنے کے قابل بھی نہیں''۔ہاں۔یہ سچ تھا۔''عمدہ خیالات، عمدہ خیالات، عمدہ خیالات! اپنی بڑی والی ناک سے خادمہ والے میرے کام کو حقیر گردانتے تھے!۔دنیا کو بدل ڈالنے چلے تھے، تم غوں ہولڑ کے ٹام پین۔.....تم گندے کاہل گنوار!''۔

رات کو وہ کسی باڑ کے پیچھے لیٹ جاتے، شام کی سرد دھند اُن پر جم جاتی، سیاہ ہواؤں پہ سوار برطانوی دیہات کی شام کی ساری خوشبوؤں کے ساتھ۔اور اگر بہت سردی ہوتی تو وہ اس کے قریب آجاتی، اور ایک مختصر وقت کے لیے امن ہوجاتا۔وہ اسے بانہوں میں قریب کر لیتا اور خود سے کہتا، میں اپنے محل میں ہوں، اپنے گھر میں اور اسے ہار مان لینے اور اپنی زبان بند کرنے کو اچھی خاصی نیند آجاتی۔اس کی محبت اس قدر شدید اور گہری تھی، خدا کو چیلنج کرتی ہوئی.....تم نے مجھے یہ دی، یہ میری ہے اور حسین ہے اور دلکش ہے، اور میں اسے جو چاہوں بنالوں۔اُس کی ہر حرکت، ہر رونا، خوف سے ہر اچانک جنبش پین میں درد کے ایک گہرے تار کو چھیڑ دیتا۔وہ اسے کوئی دوش نہ دیتا، صرف خود پہ الزام لگاتا۔اُس کے اندر کوئی گہری اور خوفناک چیز اسے دنیا کو دیکھنے اور

جاننے کی قوت دیتی تھی ،انصاف اورناانصافی دیکھنے کی ،اورخود اپنی روح میں لاکھوں کی پیٹھوں پر کوڑوں کومحسوس کرنے کی ۔ وہ بائیس برس کا تھااور بوڑھا تھا،اور جو چیز اس کے اندر ٹوٹی نہ تھی وہ فولاد کے ایک سخت خول میں ڈھل رہی تھی ؛مگر وہ تو ایک بچے کی طرح تھی اور رات کو جب وہ گہری نیند میں ہوتی وہ اس پر نرمی سے دلی آواز میں کہتا؛''میری بے بی،میری ننھی،میری محبوبہ''۔

اس نے چوریاں کیں تا کہ وہ کھا سکیں ،جس سے میری غصے میں چیخ پڑتی ''میں تمھیں پولیس کے حوالے کروں گی ،تم گندے چور!''۔سزا موت تھی۔وہ ایک احاطے میں گھسا اور مولیوں کی ایک بوری اٹھالی۔سزا تھی گھوڑوں کی دوٹیموں کے ذریعے چیرنا۔اس نے ایک خرگوش مارا اور اس کے لیے سزا تھی اُس کے کان اور ناک کاٹ ڈالنا۔مگر وہ قتل کرتا،اس کی تلخی بہت بڑھ رہی تھی ،پیس ڈالنے والی تلخی ،صرف میرّی پر وہ ہر طرح کی مٹھاس اور رحم دکھا سکتا تھا۔

مارگریٹ میں' جہاں وہ بالآخر پہنچے، پاؤں چھالے اور خستہ،اس نے ایک دکان کے کرائے کے لیے مذاکرات کیے۔میرّی حاملہ تھی ،اور پین کی پریشانی بالکل پاگل پن تک پہنچی تھی ۔ سارا دن وہ اپنے بنچ پر مشقت کرتا اور رات کو جو بھی کام ملتا وہ مزدوری کے لیے لے لیتا۔وہ اس قدر بیمار تھی کہ اس سے تلخی چلی گئی ،اور وہ ایک مجروح بچے کی طرح چپکے سے روتی اور اندر اندر سے گھلتی جاتی ۔ وہ کچھ نہیں کھاتا تھا اور ایک ایک کر کے اپنے قیمتی اوزار بیچنے لگا تا کہ اسے مرغ اور پنیر دے دے،اور کبھی کبھار پڈنگ کے ساتھ یخ پر پکے گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا۔نیم فاقہ زدہ وہ صرف ایک بات سوچ سکتا تھا ،سر پر ایک چھت، آتشدان میں ایک آگ ، اور برتن میں ذرا سی خوراک ۔اس کا پیشہ،اُس سے کیا ہونا تھا،محض کرایہ جتنا ہوتا تھا اور دوسری ضروریات حاصل کرنے کی اس کی کوشش ایک طرح کا ہذیان بن گئی ۔اس نے جن رو کو یاد کیا،ایک آنکھ پر پٹی باندھی،ایک پاؤں کو باندھا اور موڑا،اور گلیوں میں بھیک مانگنے لگا۔اُسے یقین تھا کہ ایک جونک اس کی بیوی کی مدد کرے گی،اور بالآخر، بہت سی دھمکیوں اور خوشامدوں کے ساتھ ایک کو ایک شلنگ پر اپنی دکان تک لانے میں کامیاب ہوا۔

''سوزشی بخار''۔جونک والے نے کہا جبکہ میرّی اس کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے اور

خوفزدہ دیکھ رہی تھی۔

''آپ کیا کر سکتے ہیں؟''۔بعد میں اور بستر سے دور پین نے اُس سے پوچھا۔

''کوئی عمل کرتا ہے اور ایک خاص مقدار میں خون بہنے کی توقع کرتا ہے''۔ڈاکٹر نے لاطینی الفاظ سے بھرے ہوئے فقرے کہے۔''جونک شیطانی بخارات ہوتے ہیں،روحیں جو اُس کی رگیں پُھلا دیتی ہیں۔''خون کا بہنا ضروری ہے.....Haud Longis Intervallis۔

پین نے بے کیفی میں اپنا سر ہلایا''۔مجھے لاطینی نہیں آتی''۔

''آہ،مگر میڈیکل اصطلاحیں،میڈیکل کا پیشہ،میڈیکل کے رموز۔دروازے کھڑکیاں بند کر کے تالا لگا دو۔ جب بیماری آتی ہے تو ضرر رساں مظاہر شیطانوں کی طرح رقص کرتے ہیں.....''

اُس رات اس نے کہا''ٹامی،ٹامی،میں مر رہی ہوں.....''۔

''نہیں نہیں،ڈاکٹر نے کہا تم ٹھیک ہو جاؤ گی''۔

اس کی ساری تلّی چلی گئی اور اس نے پین کا ہاتھ پکڑا جیسے کہ زمین پر آخری اصل چیز یہی تھی۔اور اُس رات،خون بہہ جانے سے سفید اور موم کی طرح،اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور پین سے اپنا منہ موڑ لیا۔

وہ اگلا سارا دن بیٹھا رہا،پھٹی آنکھوں کے ساتھ،خاموش،جبکہ نامانوسی نے گھر کو بھر دیا، جبکہ پڑوسی جنہوں نے ان کا کبھی بھی نوٹس نہ لیا تھا،اندر باہر غول در غول آ جا رہے تھے۔اب اس کے پاس کوئی غم نہ تھا۔صرف ایک دھکتا ہوا غصہ تھا جو اس کے اندر ہمیشہ کے لیے جلتا رہتا۔

فلیڈ یلفیا شہر کے مغرب میں ایک سبز اور گول مرغزار واقع ہے جسے''کامنز'' کہتے ہیں اور وہاں ٹام پین چلا گیا،ملیشیا ڈرل دیکھنے۔اس نے مرغزار آنے سے پہلے سوچا تھا کہ اُس اچھے خاصے دھوپ نکلے اپریل کی سہ پہر وہاں بہت بھیڑ ہوگی ۔مگر وہاں کوئی مجمع نہ تھا۔نہ ہی یہ کوئی فوج تھی ،حتی کہ مستقبل میں بھی نہیں ۔نہ ہی کوئی ایسی چیز تھی جو دنیا نے پہلے کبھی دیکھی ہو۔مردوں اور

لڑکوں کا یہ گروہ۔ یہ زیر تربیت، مسافروں، ماسٹروں، کلرکوں، طالب علموں، لوہاروں اور مل والوں، بڑھیوں، جولاہوں، نائیوں، پڑنٹروں، برتن سازوں، ایپرن پہنے آدمیوں کا گروہ تھا جن کے ہاتھوں میں اُن کے پیشوں کے رنگ لگے ہوئے تھے۔ یہ فلیڈ یلفیا کے شہری تھے، پھر بھی طبقہِ شہریاں نہ تھے۔ امتیاز نے اُسے چکرا دیا۔ وہ سب کام کرنے والے نہ تھے، اس لیے کہ وہاں مالک اور امیر لوگ بھی تھے اور وہ بھی جو اجرت پر کام کرتے تھے۔ وہاں ایک بینکر تھا، دو بزاز، ایک صحافی، ٹام جیفرز جو اتنا امیر تھا کہ کچھ بھی نہ کرتا تھا، تین پادری تھے، ایک اناج کا سٹے باز، اور ایک فرکا خریدار۔ باقی وہ تھے جو اپنے ہاتھوں سے محنت مشقت کرتے تھے۔ وہاں کوئیکر تھے جو پیسیفسٹ تھے، میتھوڈسٹ تھے، پیورے ٹنز تھے، بپٹسٹ تھے، رومن کیتھولک تھے، پرسبائیٹرینز تھے، یہودی، لاادری، غیر مقلد کانگریشنل فرقے والے اور دہریے تھے۔ وہاں سفید فاموں کے ساتھ آزاد سیاہ فام تھے، نیگرو غلام تھے اپنے آقاؤں کے ساتھ۔

انہیں کس چیز نے متحرک کیا؟۔ پین حیران تھا، انہیں کس چیز نے نمایاں کیا؟۔ انہیں کس چیز نے آن کر اکٹھا کر دیا؟۔

آہستہ آہستہ وہ میدان کے گرد گھومنے لگا، اس کا دل ہیجان سے دھڑکتا ہوا، خدشہ سے اور، خوف سے بھی، ایک ایسی پر امیدی سے بھی جو اُس نے اس سے قبل نہ دیکھا تھا۔ اس نے انہیں اُن کے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ڈرل کرتے دیکھا۔ یہ بدصورت، ڈگمگاتے، خود آگاہ اولین سیٹزن آرمی جو دنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھی۔ ان کے پاس توڑے دار بندوقیں تھیں، بڑی پرانی توڑے دار بندوقیں، گھنٹی کے منہ والی فلیتہ والی بندوقیں جو ایک صدی قبل ملک میں آئی تھیں، پیچھے کے ممالک سے چند لمبی شاندار بندوقیں، برچھیاں، کلہاڑیاں، نیزے، تلواریں، دو دھاری کٹاریں، دو سو میوزیم زمانے کی تلواریں۔ اور جن کے پاس ہتھیار نہیں تھے، انہوں نے صرف لاٹھیاں بہت سنجیدگی سے اٹھا رکھی تھیں۔ ان میں سے کچھ، جن کے پاس اکڑ خانی میں خرچ کرنے کے لیے ایک شلنگ تھا، پہلے ہی یونیفارم میں تھے۔ بہت ہی رنگین لباس بمع عظیم الشان کارتوس بکسوں کے جن پر یا ''لبرٹی'' یا ''آزادی'' یا'' جابر حکمران مردہ باد'' یا کوئی اور نعرہ لکھا ہوا تھا جو اُن کی ذہنی حالت سے دنیا کو

متاثر کرنے کے لیے تھے۔ اُن کے افسر بھی تھے، موٹے بوڑھے فرٹز وان گورٹ کرنل کے بطور، چھوٹا جمی گینروے ایک کپتان، کپتان جیکب رسٹ۔ اور یہ تو صرف ابتدا تھی۔ اس لیے کہ افسروں کی لسٹ تقریباً ایک میل طویل تھی، کہ وہ سب ایک دفعہ احکامات پکارا اٹھتے تھے، بائیں دیکھ، پیچھے دیکھ، آگے چل، رک، آگے چل۔ آدمی ایک دوسرے کو کہنی مارتے، ڈگمگاتے ہوئے، تفریحی انداز میں چلتے ہوئے، پوری صف دس کھونٹی والے کھیل کی طرح ملاحظہ کرتے ہوئے، چیختے ہوئے، حادثاتی طور پر ایک بندوق چلی..... بلاشبہ وہ سب لوڈ کیے ہوئے تھے۔

صرف پین اپنے چکر جاری رکھے ہوئے تھا۔ اور اس میں وہ اکیلا نہ تھا، شہر کا تقریباً آدھا حصہ ملیشیا کو اس کے اولین ڈرل کرتے دیکھنے آیا ہوا تھا۔ عورتیں رنگ برنگے جمگھٹے بنائی کھڑی تھیں، اُن کی چھتریاں سورج روکنے کو کھلی ہوئی تھیں، بچے چیختے شور مچاتے ادھر ادھر دوڑ رہے تھے اور بڈھے اپنے پائپ پی رہے تھے اور پوچھتے تھے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور ملیشیا والے جو اپنی بیویاں، محبوبائیں، یا بہنیں دیکھتے تو ڈول روک دیتے اور ہاتھ ہلاتے یا سیٹی بجاتے۔ سر آرنلڈ ٹوری جمگھٹے کا مرکز تھا، شائستہ طعنہ زن اور بہت سارے چاندی کے نسوار کے ڈبے، اور کبھی کبھی قہقہہ جب سٹیزن سپاہی کوئی خصوصی احمقانہ حرکت کرتے۔ اور جب پین اُن کے پاس پہنچا تو، آرنلڈ مسرت سے پکارا اٹھا ''ہاں' لکھاری، ہمارے باغیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟''۔

''میں ابھی تک سوچ نہیں سکا ہوں''۔

''ارے سنتے ہو، وہ ابھی تک سوچ نہیں سکا ہے''۔

کوئیکر پادری پلین نے کہا'' مجھے لگتا ہے ٹام، آپ ان کے ساتھ نہیں ہو''۔

''نہیں.....''۔

''حقیر لوگ''۔

''مشکوک، میرا خیال ہے''۔ پین نے آہستگی سے جواب دیا، یہ سوچتے ہوئے کہ اگر وہ ابھی چلا گیا تو پھر کبھی پیچھے ہٹنا نہ ہوگا۔

''تم دیکھو اُن حقیر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے''۔ پادری نے نیم غمگینی اور نیم تلخی سے

کہا۔''میرے ریوڑ سے اٹھارہ وہاں ہیں، یسوع نے کہاتم قتل نہ کروگے، اوراب وہ ڈنڈوں سے مارچ کررہے ہیں، ایسے جیسے کہ اس نے ایک بندوق اٹھارکھی ہو''۔

''امریکہ کا سب سے حیران کن مارچ پاسٹ''۔پین نے نرمی سے کہا۔''یہ ہے کہ لوگوں کے پاس بندوقیں ہیں۔جب وہ انھیں چلائیں گے.....''۔

''مجھے تمھاری بات سمجھ نہیں آرہی؟''۔

''مجھے خود بھی اپنی بات سمجھ نہیں آرہی''۔پین نے کندھے اچکائے

42

جیکب رسٹ پرنٹ شاپ آیا اور کہنے لگا''میں تمھیں اپنی کمپنی میں چاہتا ہوں، تھامس میرے بچے''۔وہ ذرا سا موٹا شخص تھا جس کی بہت گونجدار آواز تھی۔

''اچھا؟''۔

''ہم ایک عمدہ چھوٹی فورس بنارہے ہیں''۔

''میں اس کے بارے میں سوچوں گا''۔پین نے سر ہلایا۔

''کیا یہ سوچنے کی بات ہے؟''۔

''ہاں۔آج کل بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے''۔

''اب دیکھو، ماسٹر تھامس، تم اِن چند مہینوں میں انگلینڈ سے بہت دور نکل گئے ہو۔لوگ پوچھتے ہیں، کیا وہ انگلینڈ ہے یا پنسلوانیا؟۔کیا اس سے خوشبو آتی ہے یا بدبو؟''۔

''مجھے اپنی بُو کی کوئی پرواہ نہیں''۔پین غرایا۔

''مگر ہمیں ہے!''۔

''میں ہوا کے رخ پر نہیں چلتا''۔پین نے یکسانیت سے کہا۔''میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔مجھے نہیں معلوم رَس کہ تم ایسا کرتے ہو؟۔کیا تم جانتے ہو کہ یہ سب کیا ہے؟''۔

''یہ آزاد برطانوی کے بطور اپنے حقوق کے لیے کھڑا ہونا ہے، خدا کی قسم''۔

''واقعی؟''۔

''اور ہم اُن کے لیے لڑیں گے''۔

پین نے کندھے اچکائے اور چلا گیا۔

اور کچھ کے لیے تو کچھ بھی تبدیل نہ ہوا۔پین ایک رقص کی دعوت میں گیا جو کہ ٹوری کی طرف مائل دولتمند درامد کنندگان "بے لاگ خیالات" کی طرف سے دیا گیا تھا۔انہوں نے اُسے اس لیے بلایا کہ وہ پنسلوانیا میگزین کی نمائندگی کرتا تھا؛ پین اس لیے چلا گیا کہ اُسے جوابات چاہیے تھے، بہت سارے جوابات، ہر طرف سے آتے ہوئے جوابات، اپنے شکوک کو جوابات، اپنے ارمانوں کو، اپنی دعاؤں کو، اپنی نفرتوں کو۔چار پاؤنڈ پہ ایک عمدہ، بھورے سوتی کپڑے کا ایک کوٹ آیا، اُن سب کپڑوں سے اچھا جو آج تک اس نے اپنی پشت پہ پہنے تھے۔اس نے اپنی گردن پر ایک مفلر پہنا، ایک نئی سفید وگ، اور چمڑے کی اچھی پتلون، اچھا خاصا جنٹلمین ایک چھڑی کے ساتھ اور تین کونوں والے ایک ہیٹ کے ساتھ، بہترین لوگوں میں مدعو، کوالٹی میں قدم رکھتے ہوئے، ایک ایسے ہال میں جس میں چار صد موم بتیاں روشن تھیں، جہاں ایک نیگرو غلام نے خوبصورت آواز میں پکارا:''مسٹر تھامس پین!''۔

چار صد موم بتیاں، اور آسمان بھی اس سے زیادہ روشن کبھی نہ ہوا۔سیاہ فام ملازم چاندی کی طشتریوں میں بارہ مختلف قسموں کے شکار کا سرد گوشت اور کافی سرخ شراب، پرتگالی شراب لارہے تھے۔عورتیں بھاری، زربفت لگے چوغوں میں، چاندی لگے، اور مردفیتہ اور اطلس اور مخمل میں، اور وہ مسٹر تھامس پین تھا، ہر چیز پہ اس کی رائے پوچھی جاتی تھی۔

''یہ لگزنگٹن معاملہ..... بلاشبہ ایک لڑے ہوئے اجڈ لوگ، مگر یہاں قصبہ میں، آپ نے بھکاریوں کو ڈرل کرنے کی کوشش کرتے دیکھا؟''۔حاضرین، سب کے سب ایک یا دو بار یورپ ہوآئے تھے۔

''اور ایک ایسے شخص کے لیے جس نے بادشاہ کے گارڈ دیکھ رکھے ہیں!''۔

''مگر مسٹر پین، ایک ایڈیٹر کیا لائن لیتا ہے، میرا مطلب ہے ایک ایسا شخص جس کے کندھوں کے اوپر ایک سر ہو؟''۔

''میں بغاوت کو پسند نہیں کرتا.....میں کافی شور اور چیخ و پکار کو پسند نہیں کرتا''۔

مسٹر پین نے عملاً کچھ بھی نہ کہا۔

''اس سے تجارت کو کوئی مدد نہیں ملتی''۔

''بلکہ یہ مدد کرتی ہے۔ لوگ خوفزدہ ہوتے ہیں، اور پھر وہ پاگلوں کی طرح خریدتے ہیں''۔

''واقعی، ہوا میں ایک تنکا۔ لارڈ نارتھ کو میں پسند کرتا ہوں کہ وہ انہیں ایک اچھی خاصی مرمت دینے کے بعد جائے گا''۔

''میں نے آپ کا میگزین وفاداری کے ساتھ پڑھا، مسٹر پین''۔ ایک نوجوان عورت نے کہا جو خوب صورت چوغے میں تھی، خوبصورت تھی، اس کی طرف تعریف سے دیکھ رہی تھی، اس پین کی طرف، بریزیئر ساز پین کی طرف۔ ''میں نے آپ کی نظمیں پڑھیں''۔ وہ بولی ''میرے خیال میں وہ خوبصورت ہیں اور یہ کہ ایک مرد جو شاعری لکھتا ہے وہ ایک روح رکھتا ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟''۔

''میرا خیال ہے، بہت سارے لوگوں کے پاس روح موجود ہے''۔

''آپ کے پاس؟۔ اب کیا یہ خوفناک ہشیاری نہیں ہے؟''

انہوں نے فروٹ کیک کھائے اور وہ باغ میں ٹہل قدمی کرنے گئے۔ وہاں چاند تھا، ستارے تھے، اور بالآخر وہ بولی کہ یہ کس قدر عجیب ہے کہ اس نے کبھی شادی نہ کی تھی۔

''میں نے شادی کی تھی''۔ ایک آدھ لمحہ کے بعد اس نے کہا کہ اس کی بیوی مر گئی تھی۔

''کس قدر خوفناک ٹریجڈی ہے!''۔

''ہاں''۔

''مگر کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اُس نے آپ کو ایک بہتر ایک وسیع تر آدمی بنایا، مسٹر پین؟''۔

''کیا؟''۔

''آپ میری بات بالکل بھی نہیں سن رہے، مسٹر پین''۔

''آئی ایم سوری'' اس نے کہا ''آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''۔

اس نے میگزین کے لیے ایک مضمون لکھا جس کا نام تھا ''اعزازات پر غور و فکر''۔ وہ محتاط تھا۔ بار بار اس نے خود سے کہا کہ مجھے جو کچھ ہوا اُس کی اہمیت نہیں ہے۔ مجھے وہی لکھنا چاہیے جو میں سوچتا ہوں، جانتا ہوں، دلیل سے بیان کر سکتا ہوں، یقین رکھتا ہوں۔ لوگ سُنیں گے۔ انہیں سننا ہوگا''۔

ایٹکن کے ساتھ اُس کی ٹھن گئی۔ ''اعزازات پر غور و فکر'' مراعات یافتہ طبقہ کو برا لگتا تھا، بہت سخت برا لگتا تھا۔ وہ مجمع میں سے ایک نہ تھا، ڈرل کرتے ہوئے ملیشیا میں سے نہ تھا، حتیٰ کہ کانگریس پارٹی میں سے بھی نہ تھا۔ اس کے برعکس تنہا، وہ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا اور سمت کی تلاش کے ہیجان اور کبھی تو وحشت سے۔ اس سے قبل وہ ہر وقت ناکام ہوا، اب اسے ناکام نہیں ہونا ہوگا۔

''تم اسے نہیں چھاپو گے''۔ ایٹکن نے کہا

''مگر میں چھاپوں گا''۔

''پھر مجھ سے الگ ہو جاؤ''۔

''اگر آپ مجھے جانے دینا چاہتے ہیں تو مجھے جانے دیں۔ نیم دلانہ اقدامات نہیں''۔ پین نے کہا۔ وہ ترغیب دینے لگا ''تھامس، کیا ہم ہمیشہ دلیل بازی میں ایک ناقابلِ مزاحمت نقطہ پر نہیں پہنچے؟''۔

''ہاں؟''۔

''اور تم کیوں اُس شیطانی شور بے کو ہلا رہے ہو؟''۔

''کیا میں اُسے چھاپ دوں؟''۔

''چھاپ دو اور جہنم میں جاؤ، اور اپنا نوٹس لے لو''۔

پین نے کندھے اچکائے۔ اُسے پہلے نوٹس دیا گیا تھا، اور اب اُسے مزید پرواہ نہ تھی۔ وہ ابھی تک نپسلوانیا میگزین کے ساتھ کام کر رہا تھا، اور آخر کار اُس نے اُسے بہتر بنایا تھا اور اُسے اپنے

مقاصد کی طرف موڑ رہا تھا۔مگر اپنی زندگی کے ایک حصے کے بطور یہ ختم ہو چکا تھا۔اس کی زندگی کا اگلا حصہ کیا ہوگا اسے معلوم نہ تھا۔ یہاں امریکہ میں کیا ہوگا وہ نہیں جانتا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ اسے عزم و ارادہ نے دباؤ کی حد تک پر جوش کیا ہو۔اور جس چیز کی وہ امید کر سکتا تھا وہ بے نام بھی تھی اور بے پیکر بھی۔

پانچ مئی کو نجمن فرینکلن امریکہ لوٹا، یورپ میں اس کا مشن پورا ہو چکا تھا۔وہاں سارے طویل برسوں میں سیاسی طور پر وہ کسی چیز پر نہ پہنچا،ایک بوڑھا آدمی ایک گھولتے ہوئے ملک میں گھر آیا۔اس نے باجز کے ساتھ مارکیٹ سٹریٹ میں رہائش اختیار کی،اور وہاں، چند روز بعد پین نے اس سے ملاقات کی۔فرینکلن کے پاس پین کے لیے آدھا گھنٹہ تھا،زیادہ نہیں۔اُسے امریکہ میں بہت سارے دھاگے چننے تھے، بہت کم وقت میں بہت کچھ کرنا تھا۔مگر اُسے پین یاد تھا اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑا،اور کہا کہ وہ پنسلوانیا میگزین دیکھتا رہا تھا۔یہ اچھا تھا، یہ عقلمند تھا اور اسے پڑھ کر اچھا لگتا تھا۔

''کیا تم امریکہ کو پسند کرتے ہو؟''۔فرینکلن نے پوچھا۔

پین نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا، پھر بھی نہیں جانتا تھا کہ کس طرح کہے۔اس قدر طویل عرصے سے وہ خود سے کہتا رہا کہ وہ جتنے لوگوں کو جانتا تھا فرینکلن ان سب میں دانا ترین شخص تھا ، گہرا ترین اور عمدہ ترین شخص۔ وہ اب عجیب انداز میں غیر مطمئن تھا ، تقریباً مخاصمانہ۔

''تم نے خود کو تلاش کر لیا''۔فرنیکلن نے کہا۔

یہ فرسودہ بات تھی ، پین نے سوچا تقریباً احمقانہ۔اس نے کچھ بھی تلاش نہ کیا تھا۔''کیا ہونے والا ہے؟''۔اس نے فرینکلن سے پوچھا'' کیا جنگ ہوگی؟''۔

''جنگ؟۔اگر لڑنا جنگ ہوتی ہے تو ہاں لڑائی ہوتی رہی ہے؛ مزید ہوگی''۔

''مگر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟''۔پین نے پوچھا، درشتی کی حد تک سختی سے۔اس کا اگلا خیال یہ

تھا کہ اس بوڑھے شخص کو پریشان کرنا ظلم ہوگا۔اس بہت ہی تھکے ہوئے بوڑھے شخص کو۔''ہم جا کہاں رہے ہیں؟''۔پہلی بار پین نے اپنے اندر ایک سخت ظالمی محسوس کی۔اُسے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہے تھے،اس لیے کہ وہ خود صرف یک طرفہ جا رہا تھا اور ہر روز یہ بات صاف ہوتی جا رہی تھی۔

فرینکلن نے کہا'' ہمیں مضبوط ہونا ہوگا ، یہی اصل بات ہے ۔ ہے ناں؟ ۔ایک بار جب ہم کافی مضبوط ہوں گے تو برطانوی حکومت عقل کرے گی۔ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں، کبھی بھی اس کی ضرورت نہ ہوگی۔ جنگ بری ہوتی ہے''۔

''جیسے کہ کوئی کہے نمک نمکین ہے''۔پین نے سوچا۔

''ہم اپنے حقوق چاہتے ہیں''۔فرینکلن بولتا رہا''ہمیں اپنی آزادیاں چاہییں ۔ہمیں اپنی شائستگیاں چاہییں ،ایک بھرپور اور اچھی زندگی گزارنے کو اپنی مراعات چاہییں جو اچھے آدمی بنائیں۔ کام کرنے کا موقع چاہیے، اور ایک شلنگ کی بچت چاہیے، زمین کا ایک ٹکڑا چاہیے اور سر پر ایک چھت چاہیے۔ہم انگلینڈ کی ملکیت نہیں ہیں؛انہیں احساس کرنا چاہیے کہ پارٹنرشپ اور مصالحت.....''۔

''اور آزادی؟''۔پین نے پوچھا۔

''کیا ہم وہ چاہتے ہیں؟''۔

''میں نہیں جانتا''۔پین نے تھکے ہوئے انداز میں جواب دیا''جب میں چھوٹا لڑکا تھا اُس وقت بھی میں محسوس کرتا تھا کہ کچھ چیزیں نہیں ہونی چاہییں اور جب باقی سب نے ان چیزوں کو تسلیم کر لیا تو میں نے سوچا میں پاگل ہوں ، کہ شیطان میرے کندھوں پر سوار ہے ۔کیا آپ گلی سڑی بنیادوں پر کوئی اچھی چیز تعمیر کر سکتے ہیں؟''

''بوڑھے لوگ انقلاب نہیں کرتے''۔

''میرے خدا،سر،'' پین نے کہا'' آپ بوڑھے نہیں ہیں !۔آپ نے میری جوانی مجھے لوٹا دی''۔

اگلے ہفتے فلیڈیلفیا میں ایک دوسری ''کانٹی نینٹل کانگریس'' منعقد ہوئی۔

ایک بار پھر ساری نوآبادیوں سے لوگ فلیڈیلفیا کی طرف آئے۔ ملیشیا نے ایک شو منعقد کیا اور بار بار خوش آمدید کہا، گویا کہ ثابت کرنا چاہتی ہو کہ اُن کی ساری ڈرل بے کار نہ تھی۔ وہ آگے پیچھے مارچ کرتے رہے، جب تک کہ ان کے پیر درد کرنے لگے اور ان میں سے جو گھوڑے مہیا کر سکتے تھے انہوں نے ایک کیولری دستہ تشکیل دیا تا کہ باہر جا کر مندوبین سے ملیں۔ خدا اور جیزس''، لوگ ایک دوسرے سے کہتے'' کہ اُسے دیکھنے ہمیں زندہ رہنا چاہیے۔ بوسٹن کی بندرگاہ برطانیہ کے محاصرے میں ہے، کانگریس یہاں اس شہر میں واپس آ گئی ہے، اور بوڑھا بین فرینکلن ابھی زندہ ہے اور دوبارہ یہاں ہے''۔ وہ پھر یہاں تھے، ایڈمز کے چچیرے، ہینوک، رینڈولف آف ورجینیا، جیفرسن، اس بار ایک اور ورجینیائی کے ساتھ ایک بڑا آدمی جو ایک سٹیج اداکار کی طرح بھورے اور نیلے کے عظیم الشان یونیفارم میں ملبوس ہے۔ وہ ورجینیا ملیشیا کا ایک کرنل تھا اور اس کا چہرہ فلیڈیلفیا میں شناسا نہ تھا۔ اس کا نام واشنگٹن تھا۔ وہ لمبے بھدے قدموں سے چل رہا تھا اور بمشکل اپنا منہ کھولتا تھا، شرمیلا، شاید احمق۔ پین سے نوجوان ٹام جیفرسن نے اس کا تعارف کرایا ''کرنل جارج واشنگٹن آف ورجینیا''۔ اور پین اس پر کنکھیوں سے دیکھنے لگا۔

''سر، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ مندوب ہیں؟''۔

''میں ایک رائٹر ہوں''۔ پین نے کہا جیسے اپنا جواز پیش کر رہا ہو ''میں پنسلوانا میگزین کو ایڈٹ کرتا ہوں''۔

''ہاں یقیناً''۔ مگر ظاہر تھا کہ اس نے کبھی پنسلوانا میگزین کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا تھا، پین کو دیکھتے ہوئے جیسے کہ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو، اور بعد میں جیفرسن نے وضاحت کی، معذرت کے انداز میں ''وہ بہت دولتمند ہے''۔

''اچھا؟''۔

''شاید امریکہ میں امیر ترین شخص، مگر ہم بہت سے ورجنیائیوں کی طرح زمین کمزور۔

چالاک نہیں، مگر اس میں صلاحیتیں ہیں''۔

''وہ لڑنا چاہتا ہے، اور اسے اس کے بارے میں بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ لوگ پتہ نہیں کیوں بہت بولتے ہیں''۔

''آپ کو کس چیز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لڑنا چاہتا ہے؟''۔

''یونیفارم، وہ ایک مسخرہ نہیں ہے''۔

''میں نے اس طرح نہیں سوچا''۔ جیفرسن نے کہا، ''وہ میرے لیے ایک معمہ ہے''۔

پین نے دو دن اپنے کمرے میں گزارے، یہ جدوجہد کرتے ہوئے کہ جو کچھ وہ سوچتا ہے اسے کاغذ پر اتارے یا نہیں۔ پھر وہ دنیا کو کانگریس کا یہ اعلان سننے چلا گیا کہ امریکیوں نے اپنی جانوں اور مال کی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھا لیے۔ پھر اس نے سام ایڈمز اور میخائل کلوسکی کے ساتھ بیئر پیا۔ ایڈمز پُرتشدد طور پر غصے میں تھا، پاگل پن کی حد تک مصالحت کے خلاف۔ یہ جانتے ہوئے کہ اسے دانشوروں اور کانگریس دونوں نے ذلیل سمجھا، حتیٰ کہ اس کے کزن جون نے بھی، وہ ان دونوں کی طرف مُڑا جن کے تشدد نے، اگر ظاہر نہیں، تو کم از کم عجیب سمتیں لیں۔

''آپ جانتے ہیں کہ آپ کیا نہیں چاہتے''۔ آدھ گھنٹہ تک ایڈمز کی ملامت سننے کے بعد پین نے خاموشی سے کہا۔ ''یہ تو صریحاً انارکی ہے۔ مثبت کیا ہے؟۔ اس ملک کے درجن بھر حصوں میں آگ جل رہی ہے، مگر آگ کا مطلب کیا ہے؟''۔

''اس کا مطلب کچھ بھی نہیں ہے''۔ پول نے کہا۔ ''اس کے ملک میں بھی ایسا ہی تھا۔ کیا یہ پہلی بار تھی کہ عام آدمی نے بغاوت کے لیے اپنا سر اوپر اٹھایا تھا؟۔ پھر بھی یہ ہمیشہ بے نتیجہ ہوتا''۔

''نیم راہ والے اقدام''۔ پین نے کہا۔

''تم کتنی دور تک جاؤ گے؟''۔ ایڈمز نے اس سے پوچھا، اس برطانوی بریزیئر ساز پر تعجب سے گھورتے ہوئے، اس وسیع بھاری بھرکم، نوکدار ناک والے شخص سے، جس کے کسان ہاتھ پتھر کی طرح تھے۔

''سارا راستہ''۔ پین نے نرمی سے کہا۔

ذرا سا دھت، ایڈمز جس کا شیو بڑھا چہرہ اُن کے درمیان موم بتی کی روشنی میں تھرتھرا رہا تھا، ایک شیطان بچے کی طرح زہر خند ہنسی ہنسا اور پوچھا کہ سارا راستہ کتنی دور تھا۔

''میں ایک نئی دنیا چاہتا ہوں!''۔

''یوٹوپیا؟''۔ایڈمز نے کہا۔

''خدا غارت کرے، نہیں!۔ جو کچھ یہاں ہمارے پاس ہے، ایک طرزِ زندگی، بچوں کو مسکرانے کے لیے ایک طرز، کچھ آزادی، کچھ لبرٹی، اور مستقبل کے لیے اُمید، انسانی حقوق کے ساتھ، عمدہ عدالتیں، عمدہ قوانین۔ مردوں کو غربت کا خوف نہ ہو اور عورتوں کو بچے جننے کا.....''

پول کا قہقہہ نکلا، مگر ایڈمز کا چہرہ اچانک سنجیدہ ہوا ''آزادی'' اس نے کہا۔

''ایک شروعات کے لیے''۔ پین نے اتفاق کیا۔ اچانک غنودگی، عمل سے قبل تھکا ہوا مگر اس کے بعد نہیں، اپنی ساری زندگی کو اس کی وضاحت میں مرتب اور خوفناک دیکھتے ہوئے۔ اب شکوک تقریباً رفع ہو گئے تھے۔ شک جو اس قدر سست رفتاری اور دردناکی میں تعمیر ہوا تھا۔ خود بخود پگھل گیا تھا۔ اُسے کچھ جوابات معلوم تھے، اور ذرا سی دیر میں، وہ باقیوں کو جان پائے گا۔

6

ٹام پین نے کیسے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی

ایٹکن سے اس کی جدائی حیرت انگیز طور پر نرم انداز میں ہوئی، اور پہلی بار پین کو احساس ہوا کہ یہ سکاٹ لینڈ والا شخص اس کی کچھ عزت وقدر کرتا تھا اور اُس سے ایک خاص قسم کی محبت رکھتا تھا۔ ایٹکن، جسے پین نے انسانی جذبات سے بہت دور سمجھ رکھا تھا، نے نقلی ضدی انداز میں سر کو جھٹکا دیا اور پہلی بار پین کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ پین کو معلوم تھا کہ محض پنسلوانیا میگزین کی یقینی تباہی نے اسے ہلا نہیں ڈالا تھا، جس کی اشاعت برباد ہو چکی تھی، نہ ہی محض اس کے ایڈیٹر کے ضیاع نے اُسے ہلا کر رکھ دیا تھا، مگر اس وجہ سے بھی کہ نو آبادیوں میں ابھرتی ہوئی

بغاوتوں نے اُسے پہلے ہی مدھم انداز میں یاد رکھنے والے عہد کے ایک پارینہ کی صورت عطا کر دی تھی۔ یہ سارا پرامن خطہ، جو تبدیلی کے کسی خاص منظر کے بغیر چلا آ رہا تھا.....جس طرح کہ خطے کرتے ہیں حتیٰ کہ جب دنیا کو آگ بھی لگنے لگے.....اب یہ خطہ اندرونی طور پر ابل رہا تھا اور جوش کھا رہا تھا اور پھٹ پڑنے کی تیاری کر رہا تھا۔ پین کا خیال تھا کہ ایٹکن یہ جانتا تھا، ٹوری کی طرح نہیں اور نہ ہی ایک باغی کی طرح، بلکہ ایک ایسے شخص کی طرح یہ جانتا تھا جو حفاظت کھو کر زندہ رہنے کی تمام وجوہات کھو دیتا ہے۔ پین کو اس پر ترس آیا تھا۔

''تم اپنی سوچ نہیں بدلو گے؟''۔اس نے پوچھا۔

پین کو معلوم تھا کہ سوال یہ نہ تھا۔ ہفتہ وار ایک پونڈ ایک اچھی تنخواہ تھی اور یہ اس کی ضروریات کے لیے کافی سے بھی زیادہ تھا، اور جو کچھ اس نے دیگر مطبوعات کے لیے لکھا تھا اُن سے بھی اس کے پاس پورے 20 پونڈ تھے۔ شاید وہ اسے ترک کر کے بیوقوفی کر رہا تھا، اس لیے بھی کہ جو راستہ اُس نے سوچا تھا، وہ غیر واضح تھا۔

''یہ روٹی روزگار کا معاملہ ہے''۔ایٹکن نے زور دے کر کہا۔

''نہیں، آئی ایم سوری''۔

''سوچ لو تھامس۔تم پاگل شخص کے ساتھ استعمال کیے ہو جاؤ گے اور تھامس یہ میسیحیت نہیں ہے''۔مگر جب ایٹکن نے دیکھا کہ وہ اسے قائل نہیں کر سکتا تو اس نے ترشی سے کہا'' تھامس، تمہیں کوئی حسد نہیں ہے؟''۔

''مجھے کیوں ہو؟''۔

''دنیا میں کمینہ لوگ بھی ہوتے ہیں اور میٹھے لوگ بھی۔مگر تھامس تم کسی کیٹگری میں فٹ نہیں آتے''۔

''مجھے کبھی بھی کوئی حسد نہ رہا، سوائے خود اپنے خلاف''۔پین نے کہا۔

لمبا، پتلا، لڑکی کی طرح گورا اور خوبصورت۔پین بدصورت تھا، ٹام جیفرسن نے اس کا

روح اور دل جیت لیے تھے۔انگلینڈ میں پین کی یادداشت میں جیفرسن ایک شریف آدمی تھا۔ جیفرسن خوش وضع اور خوبصورت تھا اور ماہر اور ہشیار تھا۔ وہ سب کچھ تھا جو کہ پین نہ تھا، اور اس کی اولین پیش قدمیوں میں پین نے میگزین کے حق میں کچھ ذرا سی ضرورت دیکھی۔اس کے روح میں موجود کینہ نے جیفرسن پر تیزاب ڈالا، اور اس شخص کی تعریف کرتے ہوئے، جب جیفرسن اس پہ سر کے اثبات کا اشارہ کرتا تو وہ مسرت سے لبریز ہو جاتا۔پین کا بیرونی ردعمل صرف اور صرف اس ورجینا والے کو اپنا دشمن بنانے کی کوشش ہی ہوتی۔جیفرسن دشمن نہیں بنتا تھا۔خدا جانے اس نے اس بے وقار بریزیئر بنانے والے میں کیا دیکھا۔جس کے ناخن گندے تھے۔وہ ظاہر یہ کرتا تھا جیسے اس نے پین کے جلے کٹے ریمارکس پہ غور نہیں کیا، اور وہ اس ایڈیٹر کے ساتھ ایسی آسان برابری کی بنیاد پہ ملا کہ آہستہ آہستہ پین کا تکلف غائب ہو گیا۔چونکہ جیفرسن کانگریس کے اندرونی حلقے میں سے ایک تھا، اس لیے سب کچھ جانتا تھا، ہر ایک سے ملتا تھا۔وہ پین سے قابل تھا۔وہ پین سے کچھ سال چھوٹا تھا، اور اس انداز میں تازہ نوجوانی اور فہمیدگی کو ملاتا تھا جو کم از کم پین کے لیے بہت دلکش تھا۔

پین اس کے ساتھ کافی کا ایک پیالہ پینے کا طالب تھا، اس کے ساتھ کھانا کھانا تو عظیم مسرت ہوتی، اور آگ کے سامنے اس کے ساتھ ایک شام گزارنے کے بعد پین کو ایسی گرمجوش مسرت ہوئی جو اس نے پہلے کبھی محسوس نہ کی تھی۔آہستگی سے، اور جان بوجھ کر جیفرسن نے اس سے اس کی زندگی کے بارے میں ساری ممکنہ کہانی اگلوالی۔اس کے پاس کنفیوزیادوں اور انہیں معنیٰ کے سامنے ملانے کی ایک حیرت انگیز صلاحیت تھی۔اس نے ایک بار پین سے کہا'' تم اور تمہارے اردگرد لوگ گندگی میں، محرومی میں، مصیبت میں، شکاریوں کے جال میں، اور اتاہ مایوسی میں زندگی گزار رہے ہیں.....''۔فقرہ ہوا میں معلق تھا، اور پین حیران تھا کہ وہ اس سے آگے کیا کہے گا۔

''غربت چیزوں کی ایک ڈگری ہے''۔جیفرسن نے کہا'' میں نے یہاں امریکہ میں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کی غربت مکمل تھی اور حتمی تھی، پھر بھی انہوں نے زندگی کو قائم رکھا ہے .....''۔

''وقار''۔پین نے کہا۔

''وقار''۔

''پھر تو یہی وہ سب کچھ ہے جس کے لیے ہم جیتے ہیں''۔ پین نے کہا۔ ''اگر انسانی زندگی کا کوئی مطلب ہے تو وہ وہیں ہے، انسان کے وقار میں''۔

''میرا بھی یہی خیال ہے''۔

''میں نے پہلے یہ محسوس نہیں کیا، مجھے یہ یہاں پر محسوس ہونا شروع ہوا۔ مگر مجھے اس کا پتہ نہیں تھا جب آج رات میں نے اس کے بارے میں بات کی۔ گو کہ یہ سچ ہے، پورے دس ہزار سال میں انسان کو، اُس سے اس کا وقار چھین کر کرپٹ کیا گیا ہے۔ جب میری بیوی مرگئی اور پڑوسی اُس کی بے چاری اور لاغر لاش دیکھنے جمع ہوگئے، ہر ایک اپنے ساتھ خوراک کا ایک بچا کھچا ٹکڑا لاتا۔ اگر ہمیں بھگوان کی شبیہ میں بنایا گیا، تو وہ شبیہہ کس قدر گل سڑ گیا ہے''۔

ایک اور موقع پر جیفرسن نے جارج واشنگٹن کو ایک چھوٹی سی دعوت دی تھی اور اس نے پین کو بھی آنے کا کہا۔ رینڈولف نے بھی وہیں ہونا تھا۔ پہلے تو پین نے انکار کیا۔ وہ خوفزدہ تھا۔ وہ جیفرسن سے اپنے تعلقات کو بہت کچھ سمجھتا تھا اور اُسے خوف تھا کہ وہ ان تینوں ورجینیائیوں کے سامنے کوئی بیوقوفی کرے گا جن کی ثقافت، کوالٹی اور دولت اُس کے تصور سے بھی زیادہ تھے۔ اس نے ماؤنٹ ورنان کے بارے میں سن رکھا تھا جہاں واشنگٹن ایک عظیم فیوڈل بیرن کی طرح رہتا تھا جس کے پاس شکاری کتوں کے غول تھے، گھوڑوں کے ریوڑ تھے، بے شمار سیاہ فام غلام تھے، شراب کے دریا تھے، لامتناہی انداز میں ''کوالٹی'' آتی جاتی تھی، ایک کوچ تھا جس کی قیمت دو ہزار پونڈ تھی۔ اس نے رینڈولفوں کے بارے میں سن رکھا تھا: فلیڈیلفیا کے کئی کوئیکرز ان تینوں بے خدا لاادریوں کی کہانیاں سنانے سے کبھی نہ تھکتے تھے۔ اور پین کے پاس کوئی بنیاد نہ تھی جس سے وہ سچ کو جھوٹ سے جدا کرسکتا۔ کیا یہ ان کی اس خواہش پر ایک چالاک نقاب نہ تھا کہ وہ برطانوی تمبا کو ایجنٹوں کی آمریت سے آزاد ہوں۔ اور کیا یہ وہ نہ تھے جو، اپنے پورے طبقے کی طرح اس قدر سفاک تھے کہ اپنی عظیم زمینداریوں کو ترقی کرتے دیکھنے کے لیے خون کے ایک لاکھ گیلن بہاتے؟۔

مگر بالآخر اس نے جیفرسن کے اصرار کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، مکمل خاموش رہنے

کی قسم کھائی، اپنا بہترین لباس پہنا، اپنا بہترین وگ پہنا اور عشائیہ میں آ گیا۔ وہ حیران ہوا کہ انہوں نے کس گرمجوشی سے اس سے مصافحہ کیا۔ وہ اسے جانتے تھے۔ انہوں نے پین سلوانیا میگزین پڑھا تھا، حتیٰ کہ واشنگٹن نے بھی، جس کے بارے میں پین نے فرض کر رکھا تھا کہ کچھ بھی نہیں پڑھتا۔ تینوں میں سے بڑے یعنی پیٹن رینڈولف، نے بڑی گرمجوشی دکھائی، جیسے وہ پین سے ملنے کا بہت خواہشمند رہا ہو۔ واشنگٹن کم بولا، وہ بیٹھا رہا اور اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر رکھ کر سنتا رہا، اس کا لمبا چہرہ گفتگو میں محو تھا۔ ہر بار اس کی پیشانی پر ناراضگی کے سائے کے ساتھ شکنیں پڑتی تھیں، شاید اس کے اپنے سمجھنے کی کمی کے ساتھ بے صبری میں۔ جیفرسن نے گفتگو سنبھال لی اور زیادہ تر وہی بولتا رہا۔ پین نے نوٹ کیا کہ چاروں میں سے واشنگٹن نے زیادہ شراب پی لی تھی مگر وہ جس قدر پی چکا تھا، اس سے اس پر بالکل کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

جیفرسن آزادی کے تصور کے ساتھ کھیلتا رہا، اس لیے کہ دانش کے تصور کی حیثیت سے یہ اُسے اپیل کرتی تھی، اس لیے کہ یہ غیر محدود اور وجدانی ممکنات سے بھری تھی لیکن اس سے نمٹنے کا اُس کا طریقہ انتہائی قابل اعتراض تھا۔ اور پین نے دیکھا کہ وہ اسے کبھی بھی ایک خواب سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا تھا۔ جب وہ ایک ایسے بچے کی طرح نظر آتا جسے اس کا باپ گھر سے باہر نکال رہا ہو، اس معاملے میں بچہ نوآبادیاں ہیں اور باپ انگلینڈ۔ واشنگٹن مسکرایا، اپنے برے دانت دکھائے اور کہا:

''مگر وہ خاندان میں رہتا ہے''۔

''محض برائے نام''۔

''پھر بھی ہم انگلش ہیں، یہ درست ہے کہ ورجینیائی ہیں لیکن بہرحال انگلش ہیں''۔ پین کی طرف زور سے سر ہلاتے ہوئے۔ ان کی علاقائیت ملنسار تھی اور تنگ بھی۔

''اوہ جہنم میں جائے، ہم جنگ میں ہیں''۔ رینڈولف نے بے صبری سے کہا ''لوگ یہ کیوں نہیں سمجھتے؟''۔

''ہمارے حقوق کے لیے''۔

''حقوق، حقوق۔ کیا ہیں حقوق؟۔ یہ کہاں سے شروع ہوتے ہیں اور کہاں ختم ہوتے ہیں؟''

جیفرسن ہنسا اور کہنے لگا ''آپ کا حقوق کے بارے میں کیا خیال ہے، مسٹر پین؟''۔

''میرا خیال ہے کہ پیدائش کے حق سے ساری چیزیں سارے انسانوں کی ہوتی ہیں۔ آپ حقوق لے سکتے ہیں، مگر آپ وہ کچھ نہیں دے سکتے جو سب کا ہے''۔

''آپ کوئی استثنا نہیں کرتے، مسٹر پین؟''۔ رینڈولف نے پوچھا۔

''نہیں''۔

''پھر آپ کو انگلینڈ کی بھی اور امریکہ کی بھی اصلاح کرنی ہوگی؟''۔

''ایسے لوگ جو اُن چیزوں کا مطالبہ کریں جو ان کی اپنی ہوں، اُن کے لیے اصلاح نہیں ہے''۔

''مگر یہ خطرناک ہے۔ آپ خون کے پیاسے لگتے ہیں، مسٹر پین''۔

''میں جنگ سے نفرت کرتا ہوں'' پین نے آہستگی سے کہا۔ ''جنگ ہر طرح سے انسان کی توہین کرتی ہے اور اُسے درندہ بنا لیتی ہے۔ میں دنیا میں جنگ سے زیادہ کسی اور چیز سے نفرت نہیں کرتا''۔

پین حیران نہ ہوا جب کانگریس نے واشنگٹن کو اُن یانکی کسانوں کے بے لگام ابنوہ کا کمانڈرِ ان چیف بنایا جو بوسٹن کے گرد بھوکے بھیڑیوں کی طرح لیٹے ہیں۔ لمبی قد اور سوکھے چہرے والے اس ورجینائی میں کچھ تھا جس سے لوگ اس پر اعتبار کرتے تھے۔ ''جیسے کہ وہ ہمیشہ احمقی پہ بھروسہ کرتے ہیں''۔ فلیڈیلفیا کی فراست نے کہا۔ مگر پین کو یقین نہ تھا اور جس دن واشنگٹن بہت مسرور، گلیوں سے گھوڑے پر سوار گزرتا تھا، پین ہجوم میں کھڑا اُس شخص میں موجود پھیکی، حیران قوت سمجھنے کی کوشش کرتا جو اِن نعرے لگاتے احمقوں کی توصیف کا باعث بنتا۔

حالانکہ 1775 کی اس گرما میں حالتِ جنگ موجود ہونا شروع ہو رہی تھی، مگر فلیڈیلفیا کے لوگ اسے سنجیدہ نہیں لے رہے تھے۔ ایک بات یہ تھی کہ میساچُوسٹ بہت دور تھا اور دوسرا یہ کہ بزنس اچھی تھی۔ حتیٰ کہ جب یہ خبر پہنچی کہ بوسٹن میں بریڈز ہِل نامی مقام پہ وحشتناک اور خونی جنگ ہوئی، اور یہ کہ سرخ کوٹ والے ایسے مرے پڑے تھے جیسے مذبح خانے میں سؤر ہوں، تو یہ بات

فلیڈیلفیا کو حقیقت نہیں لگ رہی تھی۔ شروع میں اُن کی گرمجوشی کے رش کے بعد ملیشیا میں اندراج جلد ہی گر گیا؛ مسخرے سٹیزن سپاہیوں کی مضحکہ خیز نقلیں کرتے تھے۔ ڈرل لاپرواہ معاملات بن گئے، جوان اپنے افسروں کو آزردہ کرنے لگے اور سٹیزن آرمی کا پورا سکیم پاش پاش ہونے لگا۔

پین کے لیے گرمیوں کے اوائل کے وہ دن بے پرواہی اور تفریحی تھے۔ اس کے پاس زندگی میں پہلی بار کافی پیسہ تھا، اس کی رہائش پہ خرچہ کم آتا تھا، اور دن میں کچھ شلنگ اس کی ضرورت سے زیادہ مہیا کرتے تھے۔ میگزین نے اس کے اعتبار کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ کوئی مضمون یہاں وہاں بیچنے کے لیے اس کا نام ہی کافی تھا، اور ایٹکن کی طرف سے اس پہ لگائی جانے والی پابندیوں پہ اس کا ردعمل یہ تھا کہ وہ تیزی کے ساتھ، با مقصد اور پہلے سے کہیں اچھا لکھتا تھا۔ وہ بہت کچھ پڑھتا تھا بہت کچھ بولتا تھا، اور دریا کے ساتھ ساتھ لمبی، تفریحی سیریں کرتا تھا۔ پنسلوانیا کا دیہی علاقہ جو انگلینڈ کے دیہی علاقہ سے بہت مشابہہ بھی تھا اور بہت مختلف بھی، اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اور وہ پہاڑیوں میں گھومتا پھرتا، رات کسی ڈچ کسان کے پتھر سے بنے گھر میں گزارتا، ایک پائپ پیتا، گھر کا بنا اچھا بیئر پیتا، اور فصل سے لے کر حکومت تک ہر چیز پہ بحث کرتا۔ محنت کشوں کے ساتھ وہ کاندھے سے لکڑی اتار سکتا تھا، اور وہ، جس سے اچھی گفتار بڑی مشکل سے نکلتی تھی، پینسلوانیا کے وسیع دیہاتی چیا چیا کر بولنے کے انداز میں آسانی کے ساتھ وقت گزارا کرتا تھا۔

گرمی کے ایک دن تھکا ہارا وہ ایک باڑ پہ چڑھتے ہوئے احاطے میں داخل ہوا جہاں بیس اکیس سالہ پرشباب، سنہرے بالوں والی لڑکی اپنی مدھانی سے لسی بنا رہی تھی۔ ''مجھے کچھ مل سکتا ہے؟''۔ پین نے پوچھا اور لڑکی نے لکڑی کے ایک مگ میں کچھ انڈیلا اور پین کے منہ کے کناروں سے گرتے ہوئے دیکھ کر ہنس دی۔

''آہ! آپ ایک خشک آدمی ہیں''۔ اس نے کہا۔

''میں اس کی قیمت ادا کر دوں؟''۔

وہ پھر ہنسی اور اس سے پوچھنے لگی کہ کیا وہ فلیڈیلفیا سے یہاں تک پیدل آیا ہے۔

''ہاں''۔ اس نے فخر سے کہا۔ یہ بارہ میل کا فاصلہ تھا اور اسے یہاں امریکہ آ کر پیدل

چلنے کا لطف میسر آیا۔

''آپ پیدل چلنے والے لگتے تو نہیں''۔

''نہیں.....''۔

''آپ کیا کرتے ہیں؟''۔

اُس نے اسے بتایا کہ وہ ایک مصنف ہے، اور وہ اس پہ مذاق اڑانے کے انداز میں مسکرادی، گویا مصنف وہ عجیب ترین چیز تھی جس سے اُس کا واسطہ پڑا۔ پھر جس طرح کہ آسانی اور حقارت نہ کرنے کے انداز میں اُس نے شناسائی پیدا کی تھی، اس نے یہ سب چھوڑا اور دوبارہ مکھن نکالنے میں لگ گئی جیسے کہ پین کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ مدھانی میں سے سفید مکھن اٹھاتے ہوئے لسی چھوڑتے ہوئے اور اسے اپنے مضبوط بھورے ہاتھوں میں چکنی مٹی کی طرح موڑتے ہوئے۔ پین اب سکون سے تھا۔ اس نے سستا لیا تھا اور ایک درخت کے نیچے بے سلیقہ پڑا تھا۔ اس کے گرد آلود لباس پہ سورج کی شعاعیں اور پتے کے بنائے گئے زبردست نقش ونگار مسرت وحیرت پیدا کرتے تھے۔ اس نے اپنی ٹانگیں پھیلائیں، لسی پی اور لڑکی کو تختے پر مکھن کو جمع کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ یہ فارم اچھا خاصا خوش حال لگ رہا تھا، پتھر سے بنا مکان ایک قلعے کی طرح چوکور اور مضبوط تھا، باڑھ آدھا پتھر اور آدھا لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی پہلی سوکھی گھاس تیار کر کے ذخیرہ کر لیا تھا اور میٹھی خوشبو دینے والا مواد باہر کھیتوں میں ڈھیروں کی صورت رکھا ہوا تھا۔ وہاں ایک احاطہ میں درختوں کی سیاہ وسفید جڑیں اور شاخیں بھری تھیں اور مرغیاں کھلی اور بے مقصد پھر رہی تھیں۔ باہر کھیتوں میں آدھ میل جتنا دور دو آدمی ایک جوڑی کے بطور کام کر رہے تھے اور چمنی میں سے نکلتا دھواں یہ دکھا رہا تھا کہ اندر کام ہو رہا ہے۔

جب لڑکی نے مکھن نکالنے کا کام مکمل کیا تو اس نے تختے کو بغل میں لیا اور اپنے کندھوں پر سے پین سے کہا۔ ''آپ چاہیں تو اندر آسکتے ہیں''۔ اس کی موجودگی کی یاد اس کو اس طرح بے ساختہ آئی اور اتنی خوش فطرت تھی کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے بنا نہیں رہ سکا۔ وہ ایک لمبی اور نیچی چھت والے باورچی خانے میں چلے گئے جہاں ایک اور عورت جو یقیناً لڑکی کی ماں ہوگی

،آٹا گوندھ رہی تھی۔

باورچی خانے کے ایک طرف چولھے کے ساتھ ساتھ پورے آٹھ فٹ لمبا ایک آتش دان اور اس کے دونوں طرف ایک ایک تنور تھا۔ باورچی خانے کا فرش سرخ اینٹوں سے بنا ہوا تھا، جھاڑو دے کر اتنا صاف کیا گیا تھا کہ آپ اس پر کھانا کھا سکتے تھے۔ اور درمیان میں ایک طویل میز رکھی تھی۔ آتش دان کے گرد گھریلو بنے ہوئے دو بنچ رکھے تھے، ایک چوڑا سائیڈ تختہ تھا جو کہ کراکری اور جست کے برتنوں سے بری طرح سے لدا ہوا تھا۔ ان چیزوں کے علاوہ کئی سیدھی کرسیاں کمرے کا فرنیچر تھیں، مگر چھت سے سوئر کی ران اور پٹھ کا گوشت، ہرن کا گوشت اور گائے لٹکے ہوئے تھے۔ اور ایک بنچ پر سے کنگھی کردہ سروں والے چار بچے (تین لڑکے اور ایک لڑکی) پین کو پھٹی پھٹی آنکھوں مگر چپ چاپ تجسس سے دیکھ رہے تھے۔

لڑکی نے کہا: ''ماں، یہاں ایک لکھاری آدمی فلیڈیلفیا سے پیدل چل کر آیا ہے''۔

پین نے تعظیماً جھکتے ہوئے کہا۔ ''میرا نام تھامس پین ہے محترمہ۔ مجھے گرمی اور پیاس لگ رہی تھی اور آپ کی بیٹی نے مجھے لسی کا گلاس پلایا ہے''۔

''وہ ہمارے پاس بہت ہے''۔ مسکراتی عورت نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ وہ درمیانہ عمر سے گزر چکی تھی مگر اس کے کندھے چوڑے اور مضبوط تھے، اس کی آستینیں چڑھی ہوئی تھیں اور اس کے بڑے بازو کہنی تک آٹے سے سفید تھے۔ اس کا محنت سے پیدا شدہ لکیروں والا چہرہ اپنے بڑے اور مرتب خدوخال سے خوشگوار تھا۔ اس نے کہا ''ہم لوگوں کا نام رمپل ہے۔ وہ سارہ ہے''۔ اس نے لڑکوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''افرائیم، گیڈن، سموئیل''۔ چھوٹی بچی راخیل تھی۔ پھر اس نے اپنا کام جاری رکھا اور پین ایک ٹھنڈے کونے میں بیٹھ گیا۔

دوپہر کو ایک لمبی میز سجائی گئی۔ کسان جیکب رمپل نے، اپنے مزدور کے ساتھ بے ڈھنگے پن سے پین سے مصافحہ کیا اور میز کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بغیر بات چیت کے انہوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ رکے گا، کھانا کھائے گا اور اُسے جانے کی کوئی خواہش نہیں۔ سارہ نے اس کے لیے باپ کے پاس جگہ بنالی، جب اس نے اس کی طرف دیکھا تو اس (سارہ) کی آنکھوں میں ایک چمک تھی، اور

بار بار پین کو محسوس ہوتا جیسے وہ اس پہ ہنس رہی ہو۔لڑکوں نے اپنی آنکھیں پین پر سے ایک لمحے کو بھی نہ ہٹائیں اور کسان اپنے ذہن میں اس نام پہ غور کرتے ہوئے بالآخر بولا ''آپ پنسلوانیا میگزین سے منسلک ہیں؟''۔

پین نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس بات پہ کچھ خوش تھا کہ وہ اُسے یہاں بھی جانتے ہیں۔

''میں اس سے متفق نہیں ہوں''۔

''میں بھی''۔

''تو پھر جرأت کر کے قلم پھینک کیوں نہیں دیتے؟''۔

''ابا''۔سارہ نے کہا''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے''۔

''میں نے پھینک دیا ہے''۔

''آہ.....''۔

''اسی لیے میں دیہات میں سیر کر سکنے کے قابل ہوا ہوں''۔پین مسکرایا۔

اچانک اس کی طرف مڑتے ہوئے کسان نے سوال کیا''کیا تمہیں نکال باہر کر دیا گیا تھا یا تم نے انہیں چھوڑ دیا؟''۔

''دونوں اطراف نے اپنا اپنا حصہ ادا کیا''۔

''میں ایٹکن کو جانتا ہوں، وہ ایک درشت آدمی ہے، اس کی روح کے گرد رسی بندھی ہے۔وہ اِس طرف اور اُس طرف جھومتا ہے مگر گرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔پین، تحریر میں اچھے آدمی بھی ہیں اور برے بھی۔میں بین فرینکلن اور جم ہال کو پڑھتا ہوں۔میں میک کولف اور ٹام جیفرسن کو پڑھتا ہوں۔میں جرات مند آدمی کو پسند کرتا ہوں۔میں ایسے شخص کو پسند کرتا ہوں.....''۔

''والد کی باتوں پہ توجہ مت دیں''۔سارہ نے آہستگی سے کہا

''.....جو کسی چیز کو دیکھ کر اُسے صحیح یا غلط کہہ دے۔ٹھیک ٹھیک ہے اور غلط غلط۔میں درمیان میں نہیں رہ سکتا۔میں بوسٹن کے آدمی کی طرفداری میں شمار ہوتا ہوں، جو میرا ہے وہ میرا ہے

جب تک اپنی بندوق کے لیے بارود ملتی رہے.....''۔وہ ایک لمبا، لاغر اور بھورے چہرے والا آدمی تھا، اور اس کی چھوٹی نیلی آنکھیں تھیں۔

''کھانا شروع کیجیے''۔اُس کی بیوی نے کہا۔

پین کے لیے ریمپل خاندان ایک نیا اور حیرت انگیز تجربہ تھا۔ان کی طرح کا کوئی اور انگلینڈ میں نہ تھا اور اُسے یقین تھا کہ پوری دنیا میں اُن جیسا کوئی اور نہ ہوگا۔دولت اور جائیداد میں وہ بہت سوں سے زیادہ امیر تھے مگر پھر بھی جیکب ریمپل اپنے ہاتھوں سے کام کرتا تھا اور اس کی بیوی ہسٹر ریمپل پورے وسیع خاندان کے لیے خود پکاتی تھی۔وہ کسان نہ تھے پھر بھی انہیں انگلستان والے چھوٹے مالک کاشتکاروں کے طبقے میں نہیں گنا جا سکتا تھا۔ان کے مزدور اُن کے ساتھ ایک ہی میز پر نوکر نہیں بلکہ برابر کی حیثیت سے بیٹھتے تھے اور ان کے بچے چھوٹے موٹے کاموں میں اس طرح حصہ لیتے تھے جیسے محنت کرنے میں انہیں مسرت ہوتی ہو۔

جیکب ریمپل اپنے کھیتوں میں خود ہل چلاتا تھا۔پھر بھی راتوں کو وہ نہ صرف پنسلوانیا میگزین پڑھتا تھا بلکہ والٹیر اور ڈیفو بھی۔اس کا مزاج بے چارے رچرڈ والا مزاح تھا۔بن فرینکلن اس کا دیوتا تھا اور اس کی زندگی پہ سب سے زیادہ اثر ڈالنے والا دانشور تھا؛ اور وہ عمل کی صورت میں فلسفہ بتاتا تھا۔وہ خود اپنے لیے موم بتیاں بناتا تھا، صابن بناتا تھا، اپنے لیے کپڑے خود بناتا تھا جس کے لیے اس نے خود اپنے سن نامی ریشے دار پودے اور پشم پال رکھے تھے۔کھیت تو اسی کے تھے لیکن ایک چھوٹے بھائی نے ایک ویگن میں اپنی چیزیں ڈالیں اور مغرب میں فِن کاسل کی تنہا پہاڑیوں کی طرف چلا گیا تھا۔اور ریمپل کو یقین تھا کہ اس کے بیٹوں میں سے بھی کوئی ایسا ہی کرے گا۔اس کی بیوی پیورٹن فرقے سے تھی مگر وہ خود اطمینان کے ساتھ اگناسٹک (لاادری) تھا۔ایسا بلا وجہ نہ تھا بلکہ چیزوں کی اصلیت پہ حد سے زیادہ اعتماد کی وجہ سے ایسا تھا۔وہ اور خدا مساوی شرائط پہ زمین پہ چلتے تھے۔وہ وہی کرتا تھا جو صحیح ہوتا، اور وہ اپنے شکوک کے ساتھ قانع تھا۔وہ غلام رکھنے والوں سے نفرت کرتا تھا اور وہ اصولی طور پر چائے نہ پیتا تھا، مگر صابر بوسٹن کے رہنے والوں کی وہ

تعریف کرتا تھا جنہیں وہ دوسرے معاملات میں ناترس اور رواداری سے عاری سمجھتا تھا، ان کی تعریف کواس وقت تک عمل میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا تھا جب تک کہ سرخ کوٹوں والے پنسلوانیا کی زمین پر مارچ کررہے تھے۔ جب پین نے اُس سے پوچھا کہ اُس وقت وہ کیا کرے گا تو اس نے حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا: ''بندوق اٹھاؤں گا''۔

''اور کھیت؟''۔

''میرا خیال ہے کہ کھیت لنگڑا کر ساتھ چلے گا''

مگر پھر جب وہ آدھے درجن سے زائد بار دوبارہ کھیت گیا تو ریمپل نے اس کا استقبال کیا۔ یہ استقبال مضحکہ خیز تھا کہ وہ پین کو فلیڈیلفیا کی دانشورانہ زندگی میں ایک عظیم شخصیت سمجھتا تھا، اسے بچوں کا پسندیدہ سمجھتا تھا جنہیں وہ راہزنوں اور بحری ڈاکوؤں کی نہ ختم ہونے والی کہانیاں سناتا۔ پین نے خود سے کبھی انکار نہ کیا کہ اُسے کیا چیز وہاں مستقل لاتی ہے۔ وہ سارا سے محبت نہیں کرتا تھا جیسے کہ محبت ہوتی ہے، وہ اندر سے خشک اور خالی تھا اور آزادی سے گھومنے پھرنے والی لڑکی کی یاد جو کہ مارگیٹ میں کسمپرسی میں مری تھی اس کے گلے میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔

مگر سارا کا ساتھ شانتی، امن اور راحت بھرا ہوتا تھا اور ایک ایسا شانت جس سے وہ پہلے واقف نہ تھا۔ کاہل الوجودی اس کے لیے بالکل نئی چیز تھی، بے روزگاری وہ جانتا تھا، اور بھوک وہ جانتا تھا بالکل اسی طرح جس طرح کہ وہ غربت اور شراب کے عادی پن اور گندگی اور اُن سارے لڑکھڑاتے ناکارہ لوگوں کو جانتا تھا جو کچھ بھی نہ کرتے تھے اس لیے کہ اُن کے کرنے کو کچھ نہ تھا۔ مگر حتمی سُستی اور پنسلوانیا کی گرمیوں میں وقت ضائع کرنے کے میٹھے اطمینان کی مسرت اس کے لیے اس قدر اجنبی بات تھی جتنی کہ پتھر کے گھر میں رہنے والا یہ عجیب وغریب خاندان۔

وہ باڑھ کے احاطے میں بیٹھتا اور لڑکی کو تکتا رہتا۔ اور یا پھر باورچی خانہ میں جہاں وہ بچوں کے ساتھ ساتھ ہسٹر ریمپل کو نہ ختم ہونے والی کہانیاں سناتا۔ اس نے خود میں ایک شغل پیدا کرنے والے جیسی نعمت پائی۔ اسے معلوم ہوا کہ وہ ان سے ایسی باتیں کرسکتا ہے جس سے وہ

ہنس سکیں۔ اور وہ جب بھی ہوسکتا، سارہ کی مدد کرتا۔ یہ مشکل تھا اس لیے کہ سارہ کی اپنی قوت ایک بہت ہی حقیقی چیز تھی۔ کچھ لوگ ٹام پین کے جھکے ہوئے کندھوں میں وسیع کسانوں والے گوشت کی تہوں کو محسوس کرتے تھے مگر پانی کی بالٹیاں اٹھاتے ہوئے یا اناج کی بوریاں اٹھاتے ہوئے اسے خود اپنا طریقہ استعمال کرنے کی اجازت تھی۔ اور اُسے اس وقت عجیب سی خوشی ہوتی جب اس کی توانائی سارہ سے تعریف کی ایک وسیع مسکراہٹ حاصل کر لیتی۔

وہ بہت کم بولتی تھی، جیسے کہ جانتی ہو کہ اس کے محض مسکرادینے اور ایک لفظ بولنے، یا محض خوبصورت سر کی ایک جنبش سے وہ اس سے بہت کچھ کہہ کرسکتی تھی۔ جب پین کوئی کام کرتے ہوئے اسے اعتماد میں لے لیتا تو اسے شک پڑتا کہ کیا وہ اس کام کا آدھا حصہ بھی سمجھ پائی ہے یا نہیں۔

''میں چیزوں کو واضح کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی کتاب لکھ رہا ہوں''۔ اس نے ایک بار کہا۔

''تمہارا مطلب ہے بوسٹن کے لوگ؟''۔

''وہ بھی اور تم بھی''۔

وہ مسکرائی اور سر ہلایا اور اس سے یہ نہ پوچھا کہ اس بات سے اُس کا مطلب کیا ہے۔

''یہ اسی طرح ہے جیسے کہ ایک چیز کے لیے زندگی گزار دی ہو''۔ اس نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔ ''وہ چیز یہ کتاب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ راستے میں آنے والی ہر چیز پہ جھاڑو پھیر دے۔ تاکہ مرد اور عورتیں نئے سرے سے زندگی شروع کریں''۔

''والد اُسے پڑھ کر لطف اندوز ہوں گے''۔ سارہ نے کہا۔

ان کی گفتگو میں محبت کے کچھ لفظ نہ ہوتے۔ اُس نے اس کا بوسہ کبھی نہ لیا۔ اگر وہ کسی رات قیام کرتا جب بچوں کو سلا دیا جاچکا ہوتو وہ نیچے سڑک پر چہل قدمی کرنے نکلتے اور جیکب، پورچ پہ اپنا پائپ پیتا۔ چاند، راتوں میں سے موی انداز میں چلتا اور پژمردگی کرتا ہوا۔ پرندے اندھیرے میں مہرومحبت کے لیے منتیں کررہے ہوتے اور جھینگروں سے مقابلہ کررہے ہوتے۔ دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آتیں۔ پھر بھی اُس شام وہ حیران نہ ہوا جب سارہ نے کہا''۔ ٹام

۔کیا تم میرا رشتہ مانگو گے؟''۔ پھر یوں اضافہ کیا جیسے اس نے پوچھا ہو''ماں کہتی ہے کہ ہماری عمروں میں بہت فرق ہے مگر میں یہ بات نہیں مانتی۔تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو ٹام، اور میرا خیال ہے کہ میں دل کی گہرائیوں سے تم سے محبت کرتی ہوں''۔

وہ سادہ تھی، ٹام نے فیصلہ کیا، بالکل سیدھی سادھی۔مگر اس کے دل میں درد نے، بے رحم ناامید درد نے اُسے بتا دیا کہ اس نے پوری زندگی سنہرے بالوں والی اس لڑکی سے زیادہ کوئی اور چیز نہ چاہی تھی۔آیا وہ اس سے محبت کرتا ہے یا نہیں، فوراً بے معنی ہوگیا۔وہ اس کی پہلی اور آخری اچھی امید تھی۔سارا وہ سب کچھ تھی جو ایک مرد کو انسان بناتے ہیں۔اس کے بغیر وہ انسان نہیں رہے گا، اس کے بغیر وہ خاموشی اور تنہائی میں بھٹکتا رہے گا۔وہ مزید کچھ دور گئے اور پھر ایک پتھر کی دیوار پہ بیٹھ گئے اور اس نے سارہ کو بتایا''میں پہلے بھی دو بار شادی کر چکا ہوں''۔

سارہ نے بغیر کسی لعنت ملامت سے اس کی طرف دیکھا اور اس نے اُسے اپنی پہلی بیوی کے بارے میں بتایا اور یہ بھی، کہ وہ کس طرح مر گئی۔

''اوہ، بڑے افسوس کی بات تھی''۔سارہ نے ابھی تک بغیر لعنت ملامت کے کہا۔مگر اُسے معلوم تھا کہ بات پوری ہوگئی اور سارہ اس طوطے جیسی ناک والے عجیب اجنبی سے آزاد ہوگئی۔اسے جانا چاہیے تھا مگر اُس نے سارہ کو بتانا چاہا۔وہ خود کو جائز بنانا چاہتا تھا جہاں جواز کی کوئی ضرورت نہ تھی۔اُس نے سارہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کس طرح ایک مرد ٹوٹ جاتا ہے اور سایہ میں جاتا ہے جیسے ایک جانور زمین پہ جاتا ہے۔مگر سارہ کے طرزِ زندگی اور طرزِ سوچ میں ایک ایسا وقار تھا جسے توڑا نہیں جا سکتا تھا، صرف تباہ کیا جا سکتا تھا۔کہانی رک رک کر چلتی رہی۔اس کی پہلی بیوی کی موت کے نو سال بعد جب وہ تہہ میں تھا۔مگر سارہ کو اپنی صحت اور بھرپور جوانی میں تہہ کا کیا پتہ تھا؟۔اُس نے ان نو سالوں کی اپنی زندگی کے بارے میں اُسے بتانا چاہا، لندن کے بارے میں بتانا چاہا، ان پیشوں کے بارے میں بتانا چاہا جو غریبوں کے لیے دوزخ تھے، آزاد ہونے کی اپنی وحشیانہ خواہش کے بارے میں بتانا چاہا، اُن پیشوں کے بارے میں بتانا چاہا جو اس نے اختیار کیے تھے، بے عزتیوں کے بارے میں، تکالیف اور دکھوں کے بارے میں، امید کے اُس مختصر دورانیے کی

ٹھاٹھیں مارتی موجوں کے بارے میں بتانا چاہا جب وہ میتھوڈسٹوں کے ساتھ مرغزاروں میں تبلیغ کیا کرتا تھا:''گناہ جھاڑ دو اور آقا کی بانہوں میں آ جاؤ''.....اور پھر امید ختم ہوئی، تہہ زینوں پہ سے نیچے آتا ہے، اور پھر آخر کار وہی تہہ، سب سے گہری تہہ، مکمل ناامیدی جہاں موت کے سوا کچھ نہ تھا۔

''اور پھر یہ آدمی مجھے اندر لایا''۔ٹام نے کہا''وہ اچھا آدمی تھا۔اس کے پاس چھوٹی سی تمباکو کی دکان تھی اور اس کے پاس تقریباً کچھ نہ تھا، مگر وہ مجھے اندر لایا۔یسوع کی طرح وہ برائی نہیں جانتا تھا لیکن صرف کمزور کو جانتا تھا۔خدا میری مدد کرے، میں کمزور تھا، میں مر رہا تھا''۔

''مگر اُس کی زندگی کس قابل تھی؟''۔سارہ نے جہنم کی مختصر تصویر سے سوچا ہوگا۔

''کیا میں اُس کا مقروض تھا؟''۔اس نے سارہ سے پوچھا۔

''ہاں''۔

''پھر وہ مر گیا۔اس کی ایک بیوی تھی اور ایک بیٹی۔میں ان کی دیکھ بھال کرنا چاہتا تھا، میں ان کے پاس ٹھہر گیا۔اور پھر بات چیت ہوئی اور ماں کی خاطر میں نے اس لڑکی سے شادی کر لی جس سے مجھے محبت نہ تھی.....''۔

سارہ سمجھتی تھی۔

اُس نے اُسے بتانے کی کوشش کی کہ کس طرح یہ کاروبار ختم ہوگیا، یہ اس قدر چھوٹا کاروبار تھا، اس کی بیوی اس سے نفرت کرنے لگی کہ وہ دوسروں کی مدد کرنے لگتا، اچھے کام کرتا۔اس کے الفاظ اب کارآمد نہ رہے تھے۔وہ اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ کس طرح اس کی بیوی اس سے نفرت کرتی تھی، کس طرح بیوی نے اسے چھوڑ دیا، وہ قرض خواہ کی جیل میں اپنی دہشت زدگی بتانا چاہتا تھا اور یہ کہ وہ کس طرح وہاں سے فرار ہوگیا۔اس نے خود کو کچھ بتانا نہ چاہا مگر جس قدر وہ ذلت و تحقیر میں گھسٹتا ہو، اتنا کم سارہ نے ذہن میں لایا۔یہ آدھی دنیا، یہ ناامیدی کی سرزمین کی خوفناک ملگجے پن سارہ سے اس قدر دور، اس قدر غیر حقیقی تھے جتنے مصر کے ریتلے صحرا۔سارہ کے تئیں انسان گوشت اور خون کے بنے تھے نہ کہ ڈر، دہشت اور تباہ حالی کے۔

جب ٹام نے شب بخیر کہا، تو وہ جانتا تھا کہ وہ پھر کبھی لوٹ نہ آئے گا اور جس وقت وہ جا رہا تھا وہ اسے جاتے دیکھتی رہی، نہ مسرت سے نہ افسوس سے، بلکہ یہ سوچتے ہوئے کہ وہ چیزوں کو واضح کرنے کے لیے کس طرح ایک چھوٹی کتاب لکھنا چاہتا تھا۔

چیزیں فلیڈیلفیا میں نسبتاً پرسکون تھیں۔ دوسری کانٹی نینٹل کانگریس کے ممبران جتنا کچھ کہہ سکتے تھے کہہ چکنے کے بعد، اور عملاً کچھ بھی نہ مکمل کرنے کے بعد اپنے فارم، اپنی جاگیریں، اپنی فیکٹریاں، دکانیں اور شراب بنانے کی بھٹیاں یاد کرتے تھے اور ایک ایک دو دو کر کے فلیڈیلفیا سے چلے جا رہے تھے۔ نئے کمانڈر انچیف ورجینیا کے جنرل جارج واشنگٹن نے شمال کو بوسٹن کی جانب اپنا پرلطف سفر شروع کیا تا کہ ہزاروں یانکیوں کی کمان سنبھال لے جو اب ایک محاصرے کی طرح شہر کے گرد پڑے تھے۔ خونی لڑائی جو بعد میں بنکر ہِل کے بطور مشہور ہوئی اُس وقت بریڈز ہِل کہلاتی تھی، ابھی تک برطانویوں کے دماغوں میں اس قدر تازہ تھی کہ وہ بڑی احتیاط سے حرکت کرتے تھے اور صورتحال ایسی تھی کہ دونوں طرفین، اگلی چال چلنے کے لیے دوسرے کی چال چلنے کا انتظار کر رہے تھے۔

فلیڈیلفیا میں گرم اور سست رَو گرما شروع ہوگئی۔ مصلحت اندیش دکانداروں نے، یہ محسوس کرتے ہوئے کہ ایک اور طوفان کی آمد آمد ہے اپنی دکانوں کی کھڑکیوں کے شٹر نیچے کیے، اور مجموعی طور پر شہر کے باشندے بہت مطمئن تھے کہ معاملات بالکل خراب نہیں ہوئے۔

اِس دوران پین شہر کے قریب رہا، اُس کے ساتھ زندہ رہا اور اُس کی نبض محسوس کرتا رہا۔ وہ اس آخری شام کے بعد رمپل خاندان کے پاس پھر کبھی نہ گیا۔ لیکن اسے اس حقیقت پر ایک سنگین فخر ہوتا کہ اس واقعہ نے اسے پھر زمین بوس نہ کیا تھا۔ رفتہ رفتہ اور پُر دردطور پر اپنی زندگی کے سارے ٹوٹے ہوئے، میلے کچیلے ٹکڑوں سے وہ ایک منصوبہ، ایک راستہ اور ایک طریقہ تعمیر کر رہا تھا۔ اب وہ تنہا بھٹکتے رہنے پہ قناعت کرتا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے، اور اسے ایک پکا یقین محسوس ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مزید واضح ہو جائے گی۔ پرامن اور

خوشحال فارم کی زندگی میں اُسے کچھ بہتری اور امن اور مٹھاس نظر آئی، پھر بھی وہ نیم احسان مند تھا کہ وہ اُسے نہ دی گئی۔

اُس کے پاس ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، ایک بستر، ایک تکیہ، ایک صندوق، کوٹ ٹانگنے والی ریک اور میز تھی، کپڑوں کے دو اچھے سوٹ تھے، قلم اور کاغذ تھے۔ یہ کافی کچھ تھا۔ انسان کو اس سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ اُسے موم بتیوں، خوراک اور شراب کے لیے چند روپوں کی ضرورت تھی۔ اس دوران اس نے خود کو مدہوش ہونے نہ دیا مگر اس نے شراب کے بغیر رہنے کی بھی کوئی سبب نہ دیکھی۔ ''رم'' اس کی مدد کرتا تھا۔ اپنی پرواہ نہ کرتے ہوئے یا اپنے انجام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ کوئی بھی ایسی برانڈ پینے پہ تیار تھا جو اس کے قلم کو کاغذ پر آسانی سے چلانے میں مدد کرتا۔ وہ اپنی سوچ سے چیزیں لکھ رہا تھا اور عدم سے کچھ چیز بنا رہا تھا، اور جب وہ متواتر پانچ چھ یا سات گھنٹے تک کام کرتا تو اس پہ چھوٹا سا کمرہ بند ہو جاتا۔ رم اس کی مدد کرتا۔ وہ جب پیتا تو اس کی حرکات سست رفتار اور پر درد ہوتیں مگر قلم کی کھرچن جاری رہتی۔ اسی بات کی اہمیت تھی۔ اسے کوئی خوش فہمی نہ تھی۔ وہ جو کچھ لکھ رہا تھا اسے شاید درجن سے زیادہ لوگ بھی نہ پڑھتے مگر وہ تو یہی کچھ کر سکتا تھا اور یہی کچھ اُسے کرنا تھا۔ انسان ایک ہی دوپہر میں نئی دنیائیں نہیں بناتے، ایک اینٹ دوسری پر رکھنی پڑتی ہے، اور یہ پراسیس لمبا ہے اور حد سے زیادہ کربناک۔

اُسے احساس نہ ہوتا تھا مگر وہ کبھی کبھی چوبیس گھنٹے تک اپنے کمرے میں رہتا، بہت کم شیو کرتا، اپنے پیسے کے چھوٹے سے ذخیرے کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہوا، اپنے زیر جامہ کو بوسیدہ ہونے دیتا ہوا، اور اپنے لباس کو خستہ حال کرتا ہوا۔ فلیڈیلفیا کے جن شہریوں نے تبدیلی کو محسوس کیا تبصرہ کیا: ''ایٹکن نے اُسے ملازمت سے نکال کر عقلمندی کی''۔ ''بری بکواس سے اچھی طرح جان چھڑالی'' وہ کہتے۔ اُس کے پاس پیسہ کم ہوا۔ پین نے ایک رات لگا کر ایک نظم لکھی اور اسے ایٹکن کے پاس لے گیا جس نے اسے ایک پاؤنڈ دیدیا حالانکہ وہ زیادہ قیمت کی تھی۔ مگر اپنے چقماق کی مانند سکاٹ لینڈ والے ڈھانچے میں ایٹکن نے تقریباً بیل کی طرح جتے ہوئے اس آدمی کے لیے ایک پسندیدگی پال رکھی تھی، جسے بچوں کی طرح یقین تھا کہ دنیا اپنی غموں کے لیے اس کی تجویز کردہ حل کو سننا

چاہتی ہے۔

''شاہکار کیسے چل رہا ہے؟''۔ایٹکن نے اس سے پوچھا۔

''یہ کوئی شاہکار نہیں ہے۔ یہ کامن سینس پہ ایک کوشش ہے جو خدا جانتا ہے کہ مجھ میں کافی نہیں ہے''۔پین دانت نکال کر ہنسا۔

''کھانا کھاؤ گے؟''۔

''ہاں''۔پین نے سر ہلایا۔اس نے نہ جانے کتنے عرصے سے اچھا پکا ہوا کھانا نہ کھایا تھا اور اسے اپنے شناسا لوگوں سے ملنے کی اچانک خواہش پیدا ہوئی۔ایٹکن کے مہمانوں میں حال ہی میں انگلینڈ سے آیا ہوا ایک کپڑے کا سوداگر جوشوا کرتج موجود تھا جو کہ ان خبروں سے بھرا ہوا تھا کہ لندن بغاوت کو کس طرح لے رہا تھا۔

''یہ اُن کے خلاف ہونے سے زیادہ نو آبادیوں میں ہو رہا ہے''۔کرتج نے کہا''آپ خیال کرتے ہوں گے کہ بغاوت وہاں ہو رہی ہے، یہاں نہیں''۔

''اور شاید یہ یہاں بھی آ رہی ہے''۔پین نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

''وہ کس طرح مسٹر؟''۔

پین نے کندھے اچکائے اور جواب سے اجتناب کیا۔اس کے دماغ میں پوری طرح دنیا کا ایک موہوم سا خاکہ تھا جو خود کو دوبارہ نیا بنا رہی تھی، اس قدر وسیع ،اس قدر مکمل اخوت کے خواب تھے کہ یہ نیم کشیدہ تصور بھی، حد سے زیادہ قوت بخش اور الفاظ کے بیان سے باہر تھا۔

جیفرسن پین کی غربت، اور اس کے لباس کی خستہ حالی کی طرف توجہ نہ دیتا۔جیفرسن عام آدمی کو تعظیم و محبت دینے کے پراسیس میں تھا۔وہ محض بتیس برس کا ہوتے ہوئے بھی اپنے تصور میں حقیقت کو شامل کرنے میں ابھی بہت کمسن تھا۔وہ خود بے عیب ارسٹوکریٹ ہوتے ہوئے حیران ہوتا تھا.....حالانکہ ہونا نہیں چاہیے.....کہ پین تجربے سے کم و بیش انہی نتائج پر پہنچتا جن پہ وہ خود فلسفہ اور مطالعہ سے پہنچ چکا ہوتا۔مگر جبکہ جیفرسن اُسے حقیقت بنانے کے لیے زیادہ جمہوریت کے

خواب دیکھتا، وہ کبھی بھی انقلاب کے تصور تک نہ پہنچ سکتا تھا۔پین کے لیے معاملہ بالکل الٹ تھا اور اُس کے خیالات و تصورات عام محنت کش آدمی کے خیالات و تصورات سے زیادہ قریب تر تھے۔ جیفرسن وہاں تک پہنچ بھی نہ سکتا تھا۔وہ پین سے اس کے لکھے ہوئے مضمون کے کچھ حصے سنتا تو حیران ہو جاتا کہ وہ جس اٹھارویں صدی کی دنیا میں رہ رہے تھے اس پہ وہ جو بلائیں چھوڑ رہا تھا پین کو اس بارے میں خبر بھی تھی۔

پین جیفرسن کے سامنے شرمندہ ہوتے ہوئے، موٹی آواز میں اور اپنے بارے میں حساس، پڑھتا جاتا:

''سورج ایک عظیم تر قدر والے کاز پر کبھی نہ چمکا۔یہ ایک شہر، ایک ملک، ایک صوبے یا سلطنت کی بات نہیں ہے بلکہ ایک براعظم کی بات ہے۔کم از کم رہائش کے قابل کرہ ارض کے آٹھویں حصے کی بات ہے۔یہ ایک دن، ایک سال، یا ایک عمر کا معاملہ نہیں ہے؛ آنے والی نسل اس مقابلے میں خود شامل ہیں اور اب کی کاروائی سے حتیٰ کہ مدت کے آخر میں کم یا زیادہ متاثر ہونگے۔ اب براعظم کے اتحاد، یقین اور وقار کی تخم ریزی کا وقت ہے۔آج کی ذرا سی شکست و ریخت اسی طرح ہوگی جیسا کہ ایک سوئی کی نوک سے ایک نوخیز شاہ بلوط کی نازک جلد پہ ایک نام کندہ کیا جائے۔زخم درخت کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جائے گا اور آنے والی نسل اسے مکمل بڑے ہوئے حروف پڑھے گی.....''۔

کوئی تزئین نہ تھی کوئی سٹائل نہ تھا۔یہ الفاظ اس طرح غیر منظّم طور پر آ رہے تھے جیسے ایک میتھوڈسٹ ملاّ وعظ کر رہا ہو، اور یہ بدحواس ہتھوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔ان جیسے الفاظ کو یاد کرتے ہوئے کوئی شخص اپنا ہل یا ہتھوڑا اہم آواز الفاظ کے ساتھ چلا سکتا تھا.....

''او! تم جو انسانیت سے پیار کرتے ہو! تم جو نہ صرف آمریت بلکہ آمر کی مخالفت کی جرات کرتے ہو، ثابت قدم رہو! پرانی دنیا کا ہر نقطہ استبداد سے زخمی زخمی ہے۔آزادی کو پورے کرۂ ارض کے گرداگرد شکار کیا گیا ہے۔ایشیا اور افریقہ نے عرصہ ہوا اُسے نکال باہر کر دیا۔یورپ اُسے ایک اجنبی سمجھتا ہے اور انگلینڈ نے اُسے روانگی کا نوٹس دے دیا ہے۔او! پناہ گیر کو وصول کر، اور

وقت پر بنی نوع انسان کے لیے ایک پناہ گاہ تیار کر!''۔

جیفرسن نہیں مسکرایا۔ایک محنت کرنے والا شخص کچھ سٹائل جو انجیل سے جانتا تھا، چوری سے ترجمہ کر رہا تھا، جو ایک جنگل والے مبلغ کے حالات میں بنی نوع انسان کے لیے ایک نیا عقیدہ غرار ہا تھا۔مگر پھر بھی ایسا کچھ بول رہا تھا جو دوسرا کوئی سیدھا سیدھا بولنے کی جرات نہ کرتا تھا۔

''تم اسے کیا نام دو گے؟''جیفرسن نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے، کامن سنس۔یہ کامن سنس ہی ہے''۔

پین کے پراجیکٹ کی بات ادھر ادھر پھیل گئی اور لوگ کہنے لگے،''یہ کامن سنس ہے''۔وہ کہتے۔''وہ ہلاکت اور نفرت اور بغاوت پھیلا رہا ہے۔مادرِ وطن سے علیحدگی؟۔یا''ایک اور کامن سنس''۔جب کوئی تیرہ نو آبادیوں کی آزادی کے لیے ایک لفظ تک کہتا۔

انسانوں کو یہ بتانے کے لیے کہ کیا سوچا جائے، ایک چھوٹی کتاب۔

''بلاشبہ۔وقت پہ علیحدگی''۔بوڑھے فرینکلن نے ایک روز اس سے کہا''مگر محتاط رہو پین، محتاط''۔

وہ مسودہ اپنے ساتھ پھراتا رہا۔مڑا تڑا، سیاہی کے دھبوں والا کاغذ اور رَم کے ایک جام کے ساتھ ایک شراب خانے میں بیٹھا ہوا، وہ امریکہ کے مستقبل کو لکھتا، صحیح کرتا، پھر لکھتا، اور کاٹتا۔

''کیا یہ ابھی تک کامن سنس ہے؟''۔اس سے پوچھا جاتا۔

وہ جو کچھ لکھ رہا تھا اُس میں انجیل بُنتا جاتا۔شہر کی نازک اندامیاں جہنم میں جائیں، وہ خود سے کہتا۔ہل اٹھایا ہوا شخص صرف ایک کتاب پڑھتا ہے اور صرف اُسی کو مانتا ہے۔لہٰذا وہ جو کچھ انجیل سے لے سکتا تھا اس نے لیا، جب کبھی لے سکتا، اور اسے باقیوں میں بُنتا۔ایک رات ایک کافی ہاؤس میں وہ اسے زور سے پڑھ رہا تھا۔بلاشبہ یہ کامن سنس تھا، اور وہ ایک مجمع جمع کر سکتا تھا اور یہ بات ٹھیک کہی گئی کہ شیطان بھی صحیفہ پڑھ سکتا ہے۔

''تم سب جہنم میں جاؤ''۔وہ خوش لباس، خوش توندوں والے فلیڈیلفیائی سوداگروں پر

غراتا۔اور پھر گھر جاتے ہوئے اس رات اس پہ نصف درجن نوجوانوں نے حملہ کر دیا، اس کے مسودے کے پرزے پرزے کر دیے اور خود اسے گارے میں لڑھکا دیا، پیٹا، اس کی پتلون اتار دی گئی اور اس کے پیچھے بیس سے تیس کوڑے مارے۔

اُس نے اس کے بارے میں چپ سادھ لی، اور جب ایٹکن اُس کے پاس آیا اور کہا صرف اشارہ کر لو کہ حملہ آور کون تھے۔پین نے سر ہلایا۔

''اس کی پرواہ نہیں۔انہوں نے چند صفحے پھاڑے جو مجھے زبانی یاد ہیں''۔

''مگر تم، ارے تم؟''۔

''میں زندہ رہوں گا''۔پین نے مختصراً کہا۔

دوستوں کی سوسائٹی کے عزت مآب جیرڈ ہیتھ نے پین سے ایک اور طرح سے پوچھا۔

کوتاہ قد، غم چشم ہیتھ نے نہایت اخلاص سے پین کو کہا:

''تھامس، تم نہیں جانتے تم کیا کر رہے ہو''۔

''میں ایسا کیا کام کر رہا ہوں جس کے بارے میں میں نہیں جانتا؟''۔پین نے پوچھا۔

''تم آزادی کے بارے میں اپنی تصنیف سے بھائی کو بھائی کے خلاف لا کھڑا کر رہے ہو، باپ کو بیٹے کے خلاف اور مزدور کو مالک کے مقابل۔تھامس، آزادی کی بات کون کرتا ہے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو اچھے لوگ نہیں ہیں، شریف نہیں ہیں، ہمدرد نہیں ہیں بلکہ شورش پسند ہیں، وہ جو خدا کا مذاق اڑاتے ہیں، جو ہم میں غیر ملکی ہیں۔تم ہم میں سے ہو پھر بھی ہمیں خون میں نہلانے کے لیے لکھتے ہو''۔

''میں بہت چیزوں میں سے ایک ہوں''۔پین نے، اس کوتاہ قد شخص کی دل آزاری نہ کرتے ہوئے کہا جس نے اسے تھیٹ فورڈ میں پرانے گھر میں اس کے باپ، چچاؤں کی یاد تازہ کرادی۔

''ہمارے پاس آؤ اور دعا مانگو، تم روشنی دیکھو گے''۔

گرمیاں گزر گئیں۔ پتے فلیڈ یلفیا کی بھدی گلیوں پر سرسراتے ہوئے سرخ اور بھورے ہوئے اور زرد ہو گئے۔ سرد صاف ہوائیں شمال مغرب سے چل رہی تھیں۔ پین ابھی تک اپنے کاغذ پر گھسیٹ رہا تھا۔ کام ہو گیا یا کبھی نہ ہوا، اسے خبر نہ تھی۔ اس نے ایک چھوٹی کتاب لکھی تھی تا کہ انسان چیزوں کو واضح طور پر دیکھ سکیں۔ یہ کتاب آزادی مانگتی تھی۔ سوچی سمجھی نفرت سے اس نے بادشاہت کے سارے تصور کو مسترد کر دیا۔ اس نے بتا دیا تھا کہ کتنے عرصے سے انسان کو صلیب پر کیلیں گاڑ دی جا رہی تھیں۔ اور کسان کے سمجھ میں آنے والی زبان میں اِس اچھی نئی سرزمین میں ایک نئی اچھی دنیا کی بھیک مانگی۔ اس نے حتیٰ کہ ایک نئی طرز کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ہمیشہ ایک واحد حقیقت پر چمٹا رہا کہ، درد، عذاب واذیت اور خون بہنے سے قطع نظر، یہاں ایک نیا اور آزاد ملک ہونا چاہیے۔

اس نے تزکیہِ نفس کے سے انداز میں پہلے صفحے پر لکھا'' کامن سنس..... ایک انگلینڈ والے کا تحریر کردہ''۔

اور پھر یہ ہو گیا، کٹے پٹے کاغذوں کا ایک ڈھیر۔ کوئی بھی اسے نہ پڑھتا اور شاید کوئی بھی اُسے نہ چھاپتا، مگر پین نے اس پر اسی لیے تو کام کیا تھا۔

وہ تھکا ہوا تھا اور بے حس وحرکت، حتیٰ کہ شراب میں مدہوش ہونے کی خواہش بھی نہ تھی۔ موسم کی سرد تبدیلی سے مسرور وہ پرانے فلیڈ یلفیا کی تنگ گلیوں میں سُستی کے ساتھ گھومتا۔ وسیع، سخت اور متجسس مغرب سے چلنے والی ہواؤں کو سہتا ہوا۔ انگلینڈ میں موسم اس طرح کبھی تبدیل نہ ہوتا تھا۔ تیز اور صاف، ہوا ایک پورے براعظم کو صاف کرتی ہوئی لہروں میں گھومنے والی قدیم دنیا سے بھاگے ہوؤں پر گرجنے کے لیے۔

اس نے دریافت کیا کہ انسان کی یاداشت بہت مختصر ہوتی ہے۔ اب کچھ کو یاد تھا کہ وہ کامن سینس تھا، اور اس سے بھی کچھ کم اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ تنہا رہ گیا تھا۔

اس نے ایٹکن کو اپنا تکمیل کردہ مسودہ پڑھنے دیا، ان میں دشمنی نہیں رہی، اور ایٹکن،

جس کی ناک پر عینکیں چمک رہی تھیں، بدخطی کا احتیاط اور توجہ سے تعاقب کرتا رہا۔ آخر میں اس نے کہا'' تھامس، یہ بری چیز نہیں، لیکن میرے بچے، یہ سخت خطرناک ہے''۔

''اگر کوئی اِسے پڑھے تو''۔ پین نے کہا۔

''میں اسے نہیں چھاپوں گا، مگر اسے بابی بل کے پاس کیوں نہ لے جایا جائے جو ایسی باتوں میں ایک احمق ہے''۔

''جیسے تمہاری مرضی''۔ پین نے سر ہلایا۔

بل بھی سکاٹ لینڈ کا باشندہ ہے، سازشی چہرے والا جس کے ہاتھ سیاہی سے اٹے تھے۔ اس نے پین سے سلام دعا کی اور مسودہ لیا، اپنی میز پر جھکا اور پڑھنے لگا۔ پین ایک کرسی میں گر گیا، آنکھیں بند کر لیں، ذرا سی آنکھ لگی، اپنی آنکھیں کھولیں یہ دیکھنے کہ سکاٹ لینڈ والا پہلے صفحے پر شروع ہو چکا تھا۔ اس کا چہرہ کبھی نہ ہلا، رنگت نہ بدلی اور وہ مسودہ پڑھتا رہا۔ پھر اس نے اسے احتیاط سے لپیٹا، اسے کاؤنٹر پر رکھ دیا اور اس پر ایک پیپر ویٹ رکھ دیا۔

''تم اُسے چھاپنا نہیں چاہتے''۔ پین نے کہا۔

''نہیں.....''۔

پین اٹھنے لگا مگر سکاٹ لینڈ والے نے کہا''۔ جلدی نہ کرو۔ میں منافع کی ضمانت نہیں دے سکتا مگر میں اسے ٹائپ کر کے اس کی ایک کتاب بنا دوں گا۔ کہا نہیں جا سکتا کہ یہ بکے گی یا نہیں ۔مگر میں اپنے حصے کا کام کروں گا۔ وہ اچھے، صاف جذبات ہیں''۔

''میں کوئی پیسہ نہیں مانگتا''۔ پین نے کہا۔''میں نے اسے اس لیے لکھا کہ مجھے لکھنا تھا۔ بس اگر پیسے کماؤ تو اپنے پاس رکھو، مجھے نہیں چاہئیں''۔

''میں ایسے شخص کے ساتھ کوئی بحث نہیں کرتا جو میری جھولی میں ایک سکہ پھینکنے کی خواہش کرتا ہو''۔

''تب، تم اِسے چھاپ رہے ہو''۔

''وہ میں کروں گا''۔ بل نے اداسی سے کہا۔

اور پھر پین اٹھ کھڑا ہوا اور اسی قدرتی انداز سے باہر نکلا جس سے وہ داخل ہوا تھا۔

58

7

کامن سینس

فلیڈیلفیا کے نوجوان فزیشن ڈاکٹر بنجمن رش نے کچھ عرصے سے فیصلہ کرلیا تھا کہ صرف جسمانی امراض ہی انسان کو بیمار نہیں کرتے۔اس نے بین فرینکلن کو پین کی کتاب کے تصور کی طرف بیل کی سرد مہری کا بتایا۔''میرا خیال ہے وہ گھبرایا ہوا ہے'' رش نے کہا۔''میں اُسے دوش نہیں دیتا۔دیگر لاکھوں لوگوں کی طرح اُسے بھی معلوم نہیں کہ اس کی ڈبل روٹی کے کس سائیڈ پر مکھن لگے گا۔اسے اور چیزوں کے بارے میں سوچنا ہوتا ہے۔بلکہ میرے خیال میں سارے انسانوں کو''۔

''اوہ خدایا۔میں اس کے بارے میں جتنا سوچتا ہوں اتنا ہی مجھے لگزنگٹن کے کسانوں کو اُسے برداشت کرنے کی قوت پر حیرت ہوتی ہے''۔

''آپ نے وہ کتاب پڑھی؟''۔فرینکلن نے پوچھا۔

''ہاں''۔

''پسند آئی؟''۔

''وہ کوئی ایسی چیز نہیں جسے انسان پسند یا ناپسند کرے۔اس میں بارود نہیں ہے، نہ ہی خونریزی''۔

''بلاشک۔آپ نے بیل کو جاری رکھنے کا کہا؟''۔فرینکلن نے آہستگی سے کہا۔

''کیا میں نے غلط کیا؟۔وہ میری مانتا ہے اور میرا خیال ہے میں اُس پہ وہیں انگلی رکھتا ہوں جہاں اسے کم درد ہو''۔

''چیزیں اب مزید صحیح اور غلط نہیں رہیں''۔فرینکلن نے قریب قریب غمگین لہجے میں کہا۔''ہم آگے بڑھتے جاتے ہیں، بس''۔

''نہیں نہیں۔صحیح اور غلط تو موجود ہوتا ہے''۔

''بلاشبہ''۔فرینکلن نے کندھے اچکائے۔''بادشاہوں کے لیے دنیا پر ہزاروں برس حکمرانی درست تھی۔چھوٹے معمولی لوگوں کا دکھ اٹھانا اور مرجانا صحیح تھا۔انسانوں کے لیے اِس قدر غلام بننا صحیح تھا جہاں زنجیروں کی بھی ضرورت نہ پڑتی''۔اس نے ایک لمحہ جھجک کر کہا۔''معاف کرنا۔میں بڈھا ہوگیا ہوں۔میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ.....''۔

''اگر آپ کتاب پڑھنا چاہیں''۔رش نے کہا''تو یہ پریس سے چند دنوں ہی میں ختم ہوجائے گی۔آپ نے شاید مسودہ کی شکل میں اس کے کچھ حصے دیکھ رکھے ہیں۔پین نامی شخص بلا شبہ خاموش طبع نہیں ہے''۔

''میرے لیے ایک کتاب لانا''۔فرینکلن نے اثبات میں سر ہلایا۔اس نے یہ سوچا کہ کہ اِس پنڈورا باکس کے کھولنے میں اُس کا ہاتھ تھا۔وہ بچوں کی طرح یہ دیکھنے کے لیے بے چین تھا کہ پین جس نے دنیا کو ہلا ڈالنا تھا، کیا کہہ گیا ہوگا۔

کتاب پین کے ہاتھ میں تھی، کتاب ابھی ابھی پریس سے نکلی تھی اور اس کی سلائی ہوئی تھی۔اس لیے اس سے سیاہی اور لئی کی بو آرہی تھی۔یہ ایک چھوٹی کتاب تھی جس پر بڑے بڑے

لفظوں میں لکھا تھا: ''کامن سینس، ایک انگلینڈ والے کا تحریر کردہ''۔

''ہوگیا''۔ بیل نے کہا۔

پین نے اسے بتایا: ''میں آپ کو اس کی خاطر تکلیف دینا نہیں چاہتا''۔ بیل نے کندھے اچکائے۔

''میں اس کی کچھ کاپیاں خریدنا چاہوں گا''۔ پین نے کہا۔

بیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اپنے دوستوں کو کتاب دکھانے کے لیے''۔

''اجازت ہے''۔

''تم مجھے عام قیمت سے ذرا سستا دو گے؟''۔ پین نے اپنی آواز میں موجود بے چینی پہ قابو نہ پاتے ہوئے کہا۔ اس کا ہاتھ جیب میں تھا جس میں وہ سارا پیسہ تھام رکھا تھا جو اس کا پورا اثاثہ تھا۔

''ہاں''۔

''کتاب خوبصورت لگ رہی ہے''۔ پین نے کہا۔

ڈاک کے ذریعے بالٹی مور کو بھیجے گئے پارسل پر نہ تو بھیجنے والے کا نام درج تھا اور نہ اس میں بھیجی جانے والی چیز کا ذکر تھا۔ بس اس پر منزل کا پتہ درج تھا۔ مارکوس لیڈ کی دکان کا پتہ جو کہ ایک چھوٹا سا کتب فروش تھا۔ مگر بیل نے ڈرائیور کی خاموشی کو خریدنے کی خاطر، اسے ایک درجن کتابیں دو شلنگ پر اپنے لیے بیچنے کو دی تھیں خواہ اُسے کوئی بھی خرید لے۔ کوچ میں مسافروں نے مشترکہ طور پر ایک کتاب خریدی اور گھنٹوں گزرنے پہ موٹے چشمے لگائے میتھوڈسٹ مبلغ آموس کلو وڈی بلند اور گونج دار آواز میں پڑھتے ہوئے۔

''بادشاہت کی بناوٹ و ترکیب میں ایک حد سے زیادہ مضحکہ خیز چیز' موجود ہوتی ہے''۔ پادری ذرا سا رکا۔ ''یہ پہلے پہل آدمی کو ذرائع اطلاعات سے نکال باہر کرتی ہے، پھر بھی اُسے ایسے معاملات میں اقدامات کرنے کے اختیارات دیتی ہے جہاں بلند ترین قوتِ فیصلہ کی ضرورت ہو.....''۔ اس کے پاس ہی بیٹھا پن چکی کا مالک جیکب سٹٹنر جانتا تھا کہ انسان خواہ

محض روٹی کے لیے زندگی نہ گزارتا ہو، مگر روٹی تو کسی بھی اور چیز کی طرح ضروری ہوتی ہے، اور اب وہ حیران ہو رہا تھا کہ روئے زمین پہ ایسا کونسا بادشاہ تھا جو آٹے کی سادہ گریڈنگ کر سکتا تھا۔

سفر لمبا تھا اور پرشور بھی۔ پادری جب یہ فقرے پڑھ رہا تھا تو خود کو خدا کا دایاں ہاتھ سمجھنے کو یقینی بنا رہا تھا۔ ''بادشاہ کو ایسی طاقت کیسے ملی جس پر عوام یقین کرنے کو خوفزدہ ہوں اور ہمیشہ چیک کرنے پہ مائل؟''۔

''واقعی کس طرح؟''۔ مسز راڈرک کلیوس نے پوچھا۔

پادری نے خاتون کے احترام میں اپنا ہیٹ سر سے اٹھایا۔ ''انسان کو خدائی صفت والا کوئی حق نہیں ہے''۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں بیان کیا۔

''کوئی بھی نہیں؟''۔

''کوئی نہیں۔ میڈم میں آپ کو بتاتا ہوں۔ ایک پادری کے لیے شاید ایک بلاوا، ایک ابہام، تاریکی چھٹنے، خدا سے قربت کی بات ہو۔ مگر خدائی صفت والا کوئی حق، محترمہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ شیطان سے عطا ہوتا ہے''۔

ڈاکٹر رشؔ کے انتظامات کے تحت پرانے ''بریکؔ میئر کافی ہاؤس'' میں ڈیوڈ رٹن ہاؤس، جیمز کینن، کرسٹوفر مارشل، رڈوگ ریس، اور امبرٹن ایلن کی ملاقات ہوئی۔ یہ اونچ نیچ والا ایک عجب اجتماع تھا جنہیں اس ہذیانی احساس نے متحد کر رکھا تھا کہ اب پسپا نہیں ہونا ہے۔ اس بات نے انہیں ایک رومانوی احساس دیا تھا، تیزی اور وقار کے ساتھ بلندی پہ جینے کا احساس، اس علم کا احساس کہ جب سرخ کوٹ سپاہی فلیڈیلفیا آ جائیں تو سب سے پہلے انہیں پھانسی چڑھا دیں گے۔ مزید برآں یہ ان کا دانشورانہ نکتہ نظر تھا۔ اور اُن کے دیوتا آدم کے چیچرے نہیں تھے بلکہ بین فرینکلن تھا۔ جب رشؔ نے انہیں بتایا کہ اس نے انہیں مل کر ایک پمفلٹ پڑھنے کے لیے بلایا ہے تو انہوں اثبات میں سر ہلایا، مشروب کا آرڈر دیا اور سننے کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گئے۔

''اس بات کو چھوڑ دیں کہ اُسے لکھا کس نے''۔ رشؔ یہ کہہ کر تین گھنٹے تک آہستگی اور باریکی سے پڑھتا رہا۔ وہ کبھی کبھی چھوٹے سے سوال کے جواب میں رکتا تھا۔ مگر پڑھنے کے آخری

حصے تک اپنے سامعین کو ایک مستغرق خاموشی میں لیے رکھا۔

''اس کا نام کامن سینس ہے''۔اس نے ختم کر کے کہا۔

''بلاشبہ یہ پین کی تصنیف ہے''۔رٹن ہاؤس نے کہا۔

''ہاں بالکل''۔

''یہ تو غداری ہے.....'' کوئی بول پڑا۔ ''آپ غور کریں..... یہ بہت بڑی غداری ہے''۔

''قیمت؟''۔

''دو شلنگ''۔

''اچھا ہے، اِسے سستا ہی ہونا چاہیے''۔

''آپ کے خیال میں لوگ اِسے خریدیں گے؟''۔

''کون ہوگا جو اسے نہیں خریدے گا؟۔وہ آدمی ایک شیطان ہے اور ایک جینی اَس ہے''۔

''نہیں۔وہ ایک کسان ہے۔آپ نے کبھی اس کے ہاتھ غور سے دیکھے' جیسے بیل کے سُم ہوں۔وہ ایک کسان ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیں سمجھتا ہے۔اس لیے کہ ہم کسانوں، دکانداروں اور مکینکوں پر مشتمل قوم ہیں۔اُسے یہاں آئے ہوئے ایک سال ہوا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم کیا ہیں۔وہ میرے اور آپ کے لیے نہیں لکھتا، بلکہ ہل چلانے والوں اور بنچ والے آدمی کے لیے لکھتا ہے۔اوہ خدایا۔وہ اُن کی کس قدر مدح سرائی کرتا ہے، اُن کے اندر تک رینگ جاتا ہے، انہیں خوشگوار انداز میں بے چین کرتا ہے، انہی کی زبان بولتا ہے، ان سے کہتا ہے: کیا یہ مناسب ہے؟۔کیا یہ کامن سنس نہیں ہے؟۔یہ آپ نے بہت پہلے کیوں نہ کیا؟۔پوری دنیا کو جابروں کے خون سے غسل دو!۔تم اور میں اور دوسرے سارے غلام کیوں ہیں جبکہ ہم آزاد ہو سکتے ہیں؟۔مجھے نہیں معلوم وہ کون ہے، مسیح یا شیطان؟۔میں اس کتاب کو سننے کے بعد جانتا ہوں کہ ایک لمبے عرصے تک امن و آشتی کہیں نہیں ہوگی''۔

''کتنے عرصے تک؟''۔

''دس برس تک' ہوسکتا کہ سو برس تک، دوسو برس تک۔ممکن ہے ہمیشہ کے لیے۔مجھے معلوم نہیں کہ انسان غلام رہنے کے لیے پیدا ہوا ہے یا آزاد رہنے کے لیے''۔

ابراہم مارہ، انڈینز کے ساتھ تجارت کرتا تھا۔وہ ایک تنہا شخص تھا، مضبوط اور توانا شخص۔مگر اس کی آنکھیں کالی تھیں اور اس کی صورت سیاہ تھی۔وہ جب ایک چھوٹا لڑکا تھا اور گاؤں آیا تھا تو اس کا نام ابراہم بن عاشر تھا۔مگر وہ اسے مارہ پکارتے تھے اس لیے کہ وہ تلخ تھا۔پھر جب وہ بڑا ہو گیا اور زیادہ سے زیادہ گھنے جنگلوں میں رہنے لگا تو وہ خود کو نئے فیشن کے مطابق ابراہم مارہ کہنے لگا۔وہ ایک یہودی تھا۔مگر یہودی ملاؤں میں ایک باغی کے بطور جانا جاتا تھا۔''میں ایک آزاد شخص ہوں''۔وہ کہتا''اور خدا نے میرے لیے کچھ بھی نہیں کیا''۔

مگر وہ جب بھی چندہ مانگتے تو وہ کنجوسی نہیں کرتا تھا۔وہ کہتے کہ اس نے پیسے کا کیا کرنا ہے؟۔نہ اس کا گھر ہے، نہ بیوی، نہ مال متاع سوائے اس کے پیٹھ پر لدے گٹھے کے اور اس کی لمبی پنسلوانیائی بندوق کے۔وہ انڈینز کو جانتا تھا.....شونی، میامی، وینڈوٹ اور ہُوران ..... اور وہ اسے جانتے تھے۔وہ سب سمور (فر) شکاری تھے۔وہ گھنے جنگلوں میں چھ ماہ گزارنے کے بعد اپنے گدھوں پر جانوروں کی کھال کا شکار لیے واپس آتا۔اب پھر شروعات کرتے ہوئے وہ بیل کے پاس آیا اور پین کی کتاب کی بیس کاپیاں خرید لیں۔

''کیوں ابراہم؟''۔بیل نے پوچھا۔

''اس لیے کہ میں نے اُسے پڑھا ہے' اس لیے کہ میں جہاں جاتا ہوں، دوسرے دوبار سوچتے ہیں، اور پھر آخر میں گھر میں رہتے ہیں''۔

وہ پہلی کاپی فورٹ پٹ لایا۔جان نوٹی اور اس کے ورجینیا ملیشیا نے پہلے ہی پوسٹ پہ قبضہ کر لیا تھا اور اب وہ بیٹھے پی رہے تھے۔حیران تھے کہ گھر جائیں نہ جائیں، حیران تھے کہ جب نہ کوئی مقصد تھا نہ سبب اور نہ ہدف، تو انہوں نے بندوق اٹھائی کیوں تھی۔وہ گندی قمیص پہنے لمبے اور سخت جان لوگ تھے اور ان میں سے زیادہ نے اِن دس سالوں میں ایک لفظ تک نہ پڑھا تھا۔مگر جیسا

کہ لیفٹیننٹ کیپ ہیڈی نے کہا، جب یہودی کوئی چیز بغیر معاوضے کے دے تو اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ ہیڈی آگ کی روشنی میں زور سے پڑھ رہا تھا۔

''انگلینڈ میں بادشاہ کے پاس جنگ چھیڑنے اور علاقے مفت میں دینے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا۔ جس کا مطلب سادہ الفاظ میں ہے: قوم کو کنگال کر دینا۔ یہ ایک ایسے شخص کے لیے واقعی بہت اچھا کاروبار ہے جسے اس کام کے لیے سال کے آٹھ سو ہزار سٹرلنگ خرچ کرنے کی اجازت دی جائے۔ اب تک جتنے بھی تاج وتخت کے بدمعاش گزرے ان سب سے خدا کی نظر میں، اور سماج کی نظر میں بھی، وہ شخص زیادہ پیارا ہے جو ایماندار ہو''۔

ایسی بات ورجینیائیوں کو اچھی لگ رہی تھی۔

''پڑھتے جاؤ''۔ انہوں نے ہیڈی کو کہا۔

مارہ کا راستہ بہت طویل اور پیچدار تھا۔ ایک کاپی کنٹکی باڑ میں رہی، ایک کسی او ہائیو باڑ میں، ایک جھیل کے کیبن میں.....اس وعدے کے ساتھ کہ اُسے آگے دیا جائے گا، اور آگے۔ تین کاپیاں فرانسیسی کینیڈینز کے لیے بچائی گئیں، سمور کے ان تاجروں کے لیے جنہیں مارہ دیگر سارے قبائل کے امریکیوں سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اور ایک کاپی قدیم انڈین چوپال میں صفحہ صفحہ کر دی گئی تھی جب مارہ نے ''کامن سینس'' کو بہت تکلیف سے انڈین زبان میں ترجمہ کیا۔

ورجینیا کا جنرل جارج واشنگٹن بہت بے چین شخص تھا۔ وہ اپنے ماؤنٹ ورنان سے، اپنے محبوب ورجینیا سے آیا تھا، اپنی وسیع اور ریاست جیسی جائیداد سے، ساری اچھائی سے، اس کی زندگی کی زمینی چیزوں سے، سرسبز کھیتوں سے، میوہ دار درختوں، اچھی شراب کی کئی بوتلوں سے۔ اب وہ بوسٹن سے باہر دلدل میں دھنسنے لگا تھا، کئی ہزار بے قاعدہ، کاہل، مکمل طور پر بے ضابطہ نیو انگلینڈ یانکیوں کی کمان کرتا ہوا۔ جنگ سارے ظاہری مقاصد کے لیے تھم چکی تھی، لیکن عقلمند آدمیوں، کے شکوک جاری رہے۔ جنہیں اندازہ نہ تھا کہ اس سب کا کیا مطلب ہے یا یہ انہیں کہاں لے جا رہی ہے، اس لیے کہ واشنگٹن جو مقصد اور وسائل کے کسی واضح آئیڈیا کے بغیر اس میں آ گیا

تھا، بلکہ صرف اپنے کاشت کیے ہوئے کھیت کی طرف بے حد محبت سے، اپنے اور اپنے دوستوں کے وقار کے شائستہ احترام کے ساتھ، اور تمباکو کے بزنس کے اندر انگریزی طریقے سے نفرت کے ساتھ۔ شک، تسلسل اور یقین کے ساتھ بڑھتا گیا۔ لفظ'' آزادی'' بہت زیادہ بولا جاتا تھا؛ اس میں دہشت، جلن، غارت گری اور قتل کی صفت شامل تھی..... دنیا کو دوبارہ بنانا۔ واشنگٹن جس دنیا میں رہتا تھا اس سے محبت کرتا تھا: زمین اچھی تھی، اور زمین کے پھل بہتر تھے۔ مگر اس کافی اچھی دنیا کو مستقبل کی کسی غیر یقینی دہشت کے اندر دوبارہ بنانا.....

وہ ایک ایسے موڈ میں بیٹھا تھا او رایک کتاب پڑھ رہا تھا جو تیز رفتار پیغام رساں فلیڈیلفیا سے لایا تھا۔ اسے'' کامن سینس'' کہتے تھے۔ جیفرسن نے اس کو لکھا''.....آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ یہ پین کی تصنیف ہے؛ میرا خیال ہے آپ اُسے جانتے ہیں۔ اُس کے پاس ایک مضبوط اور متحدہ قوم کی تعمیر کے ٹھوس تصورات ہیں، اور وہ سمجھتا ہے کہ ہم پہلے ہی اپنی آزادی کے لیے برسرِ پیکار لوگ ہیں.....''۔

''ورمونٹ میں عجیب لوگ تھے''۔ ورجینیا کے ایک پادری نے کہا۔'' فانی اور گناہگار لوگ، ایک قرائنی لوگ۔ وہ اپنی فوجی چوکیاں تراشیدہ پتھروں سے بناتے ہیں۔ کوئی کہے کہ زمین پر انسان کے دن گنے چنے نہ ہوں''۔ ایک خاموش عوام بھی، اور ایک سرد عوام جو اپنے پلوں کو ڈھانپتی ہے اور ایک ٹکہ بھی نہیں خرچتی جب تک کہ انہوں نے یہ کمایا نہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ ورمین لوگ سخت تھے مگر ورمانٹ لوگ زیادہ سخت تھے، مین لوگ ذلیل تھے، ورمانٹ ذلیل تر تھے۔

وہ اعداد پسند کرتے تھے، وہ جاننا چاہتے تھے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں، اور نظریات کے بارے میں ان کا صبر کم تھا۔ ورمانٹ کے لیے آزادی بہت اچھی تھی مگر وہ جلد بازی میں نہیں تھے کہ نیویارک اور نیوجرسی میں غیر ملکیوں کے لیے اپنی بندوقیں اٹھائیں۔ اور سرسبز پہاڑیوں میں یہ بات مشہور تھی کہ وسطی ممالک کم وبیش ڈچ علاقے تھے جہاں ایک شخص انگریزی کا ایک لفظ بھی سنے بغیر ہفتوں تک چل سکتا تھا۔

انہوں نے ''کامن سنس'' کو بازو کے فاصلے پر رکھا۔ چھپنے کے کچھ ہفتوں بعد چمڑے کے ڈیلر ہرام جیکسن نیو ہمشائر سرحد سے ایک درجن کاپیاں ورمونٹ لایا اور اُن کاشتکاروں کے حوالے کیا جو اس کے ہاتھ کھالیں بیچتے تھے۔

''بوسٹن کا مال'' اس نے کہا۔ یہ کسی بھی ایسی چیز کے لیے اُس کا تکیہ کلام تھا جو حتیٰ کہ ذرا سی بھی ہنگامہ پرور ہوتی۔

انہیں احتیاط سے پڑھا گیا۔ جب پین نے بتایا کہ پین سلوانیا کے رہائشیوں کی ایک تہائی سے کم انگریزی آل اولاد سے تھی، تو انہیں ایک ایسی بات کی تصدیق ہوئی جس کا وہ ہمیشہ سے اندازہ کرتے تھے۔ جب پین نے کہا کہ برطانوی ایمپائر سے علیحدہ ہوجانا اچھا کاروباری ادراک ہوگا، تو وہ پڑھتے گئے۔ ایک کاپی ہنگلٹن پرنٹر، جیریمیا کارنش کے ہاتھ لگا۔ اس نے اپنے پڑوسیوں سے تین روزہ بحث کے بعد اُسے پسند کیا، اور یہ سوچا کہ پنسلوانیا کافی فاصلے پر ہے، یقیناً ایک معذرت، یا ایک رائلٹی کی ادائیگی سے کافی دور تھا، اس کی چھپائی کے لیے کمر بستہ ہوا۔ پہلے ایک ہزار کاپیاں جو کہ ایک شلنگ چار اونس پر آگ کی طرح چلی گئیں اور جریمیا نے چھوٹا مگر معزز منافع دیکھا تو مزید پانچ سو کاپیاں چھاپیں۔ اور انہیں نیو ہمشائر بھیج دیا۔ نیو ہمشائر پرنٹر ایکا بوڈلیوس نے تین ہزار کاپیاں چھاپیں جن میں سے اس نے بارہ سو ''مین'' کی طرف بھیج دیں۔ مین کے لوگ کفایت شعار تھے مگر انہوں نے پمفلٹ کو پسند کیا۔ اس میں عقل کی باتیں تھیں۔ اس میں ایسی گونج تھی جس کے بارے میں وہ خود، ورمونٹ، نیو ہمشائر، میساچوسٹس، نیو یارک اور دوسری کالونیوں میں نیچے ''ڈیپ ساؤتھ'' تک سوچتے رہے تھے۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جو غصہ بھری بحث کے لیے اچھی تھی۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جس پر ایک شخص کام کرتے ہوئے غور وفکر کرسکتا تھا۔

انہوں نے مین میں اسے دوبارہ نہیں چھاپا بلکہ ہاتھوں ہاتھ آگے بڑھاتے رہے جب تک کہ وہ صفحے صفحے ہوگئی۔

ایلن جانسن کے پاس ٹرینٹون سے سات میل باہر ایک فارم تھا، ایک بیوی اور تین بچے

تھے، اور بارہ انجیل تھے۔ اسے بارہ کی ضرورت نہ تھی۔ اور دراصل ان میں سے چار یا پانچ تو کبھی کھولے تک نہ گئے تھے، اور کبھی کبھار الحاد کے لمحے وہ خود سے کہتا:

''کسی کو خدا کی زمین پر ایک انجیل سے زیادہ کس چیز کی خواہش ہوسکتی ہے؟'' مگر انجیل والا شخص ہر نومبر کو، پالے کی طرح تسلسل سے آجاتا، اس کا چھکڑا مذہبی صحیفوں اور جنتریوں سے ٹھنسا ہوتا۔

جانسن کو جنتریوں کی عادت نہ تھی، مگر فروخت کے لیے پیش کیے ہوئے انجیل کو خریدنے سے انکار کرنا ایک مہلک گناہ تھا۔ جیسے کہ خدا کے کلام سے انکار کیا جائے۔ اس طرح ہر سال انجیل کی قطار طویل ہوتی گئی۔ جانسن بائبل فروش شخص کو بھی الزام نہیں دے سکتا تھا جو خود کو پادری ایمز کہتا تھا۔ ایک شخص کی زندگی دوسرے کی کمر درد ہوتی ہے۔ چیزیں اسی طرح چلتی ہیں۔ اس سال پادری ایمز پورا ایک ماہ لیٹ آیا۔ اور جب وہ نظر آیا تو اس کے چھکڑے سے جنتریاں غائب تھیں اور اس کی بجائے اس کے چھکڑے پر ایک چھوٹی سی کتاب کی ڈیڑھ سو کاپیاں تھیں جسے ''کامن سنس'' کہتے تھے۔

''خدا کے کلام کے ساتھ آجاؤ''۔ اس نے جانسن سے کہا۔

جانسن نے ایک بات بھی سنے بغیر اس کے مال کا معائنہ شروع کیا۔ ''جنتریاں نہیں ہیں؟''۔ اس نے سوال کیا۔ جیسے کہ اس سال وہ بس وہی خریدنا چاہتا ہو۔

''سیاست''۔ پادری نے کہا ''یسوع ہمیں معاف کردے، یہ سیاست کے لیے ایک شاندار سال ہے''۔

جانسن نے ''کامن سنس'' کی ایک کاپی اٹھائی اور اسکے ورق الٹنے لگا۔

''دو شلنگ''۔ پادری ایمز نے کہا۔

انجیلیں چار پہ تھیں۔

''میں ایک خریدوں گا''۔ جانسن بولا۔

یہ تو بعد میں جانسن کو یاد آیا کہ ایک انجیل کی خریداری سے وہ پڑھنے کی مشقت آمیز ڈیوٹی سے بچا رہتا، یہ ایک ایسا فریضہ تھا جو اس کے کندھوں سے چرچ نے ہر اتوار کی صبح اٹھالیا تھا۔ اس چھوٹی

کتاب پر اس نے دو شلنگ خرچ کیے تھے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنا پیسہ بے کار جانے نہ دے گا۔ وہ اُسی شام اسے پڑھنے بیٹھ گیا۔ جب اس کی بیگم نے پوچھا کہ وہ آج کیا پڑھ رہا ہے تو اس نے کہا:

''خدا کے لیے مینڈی مجھے تنہا چھوڑ دو''۔ وہ ابرو سکیڑے پڑھتا رہا۔

پرنٹر بَیل حیران، بلکہ خوفزدہ ہوا۔ اس کے ساتھ آج تک ایسا نہ ہوا تھا۔ بلاشبہ ایسا پورے پنسلوانیا کے علاقے میں پہلے کسی شخص کے ساتھ نہ ہوا تھا۔ جب وہ پین کی کتاب چھاپنے لگا تو اس نے محض سینکڑوں کی تعداد میں اُسے چھاپا۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ اس کا تجربہ یہی تھا۔

جنتریاں جنہیں دیہی لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ اچھی طرح بکتی تھیں، اور کبھی جیسے کہ فرینکلن کی جنتریوں کے ساتھ ہوا دسیوں ہزار فروخت ہوتی تھیں۔ مگر دیہات میں سیاسی پمفلٹوں کی زیادہ پذیرائی نہ ہوتی تھی۔ قصبوں میں بھی یہی حالت تھی۔ جب تک قیمت معمولی نہ ہوتی اُن کی ڈیمانڈ بہت محدود رہتی۔ حتیٰ کہ معقول انگریزی ناولوں میں بھی پندرہ سو کاپیاں بہت زیادہ کامیابی تصور ہوتی تھی۔ اور اگر دو ہزار کاپیاں چھپ جاتیں تو وہ گویا بہت بڑی بات ہوتی۔ پین کی کتاب کی قیمت بہت زیادہ تھی۔ اسے اس کا پتہ تھا، دو شلنگ قیمت نے اُسے مزدوروں، چھوٹے کاشتکاروں اور نوآموز کارشاگرد طبقے کی پہنچ سے باہر کر دیا تھا۔ مگر بَیل نے بھاری قیمت رکھ کر خود کو محفوظ بنا لیا تھا۔ فلیڈیلفیا میں پین کے دوست تھے۔ اور دوست چھوڑیے متجسس اور اپوزیشن، بیل کو یقین تھا کہ کم از کم پانچ سو کاپیاں بک جائیں گی۔

اس نے پہلے ہی، چھپائی کے ایک ہفتے بعد دو ہزار سے زیادہ کاپیاں بیچ ڈالی تھیں۔

اس نے پوری ہزار کاپیاں نیویارک کے لیے چھاپیں، پھر ایک اور ہزار۔ اس نے ایک پرنٹر اور دو مستری کرائے پر لیے۔ انہوں نے پوری ایک رات محنت کی اور یہاں فلیڈیلفیا میں تین ہزار کاپیوں کی ڈیمانڈ چھاپ ڈالی۔ ایک مقامی کتب فروش فرینکلن گرے نے ایک شلنگ دو پنس پر ایک ہزار کاپیاں ہول سیل میں مانگیں، اور بیل نے سپلائی کر دیں۔ پھر چارلسٹن سے ڈاک کے ذریعے دو ہزار کاپیوں کا آرڈر آ گیا۔ ہارٹ فورڈ نے سات سو مانگیں، میساچوسٹس کے چھوٹے گاؤں

کنکارڈ نے سو، بریکٹن نامی ایک جگہ جس کے بارے میں اس نے کبھی نہ سنا تھا، نے پچاس۔

اِگنس میک گرے نامی پھیری والے کتب فروش کے وسیع علاقے میں میری لینڈ، ورجینیا اور کیرولینا شامل تھے۔ اور وہ جتنی کتابیں چھوٹے دکانداروں پہ بیچتا تھا۔ اتنی ہی وہ سیدھا سیدھا اپنے بھدے، ٹاٹ ڈھپے ویگن سے بیچتا تھا۔ وہ بَیل کا باقاعدہ خریدار تھا جس طرح کہ وہ کئی دوسرے فلیڈیلفیائی پرنٹرز، پبلشرز اور بک ڈیلرز کا باقاعدہ خریدار تھا۔ اس نے میری لینڈ میں ''کامن سنس'' کی ایک کاپی اٹھائی تھی، اور بالٹی مور اور فلیڈیلفیا کے درمیان 100 کا ہل میل تک اس نے باگ سخت کر دیے اور اسے پڑھ ڈالا، دوبارہ پڑھا جبکہ اس کی دو پرانی گھوڑا گاڑیاں ساتھ میں دوگامی نرم روی سے چل رہی تھیں۔ اگر کوئی شخص امریکہ کے نبض، بخار اور دھڑکتی رفتار کو جانتا تھا تو وہ میک گرے تھا۔ وہ کہے ہوئے لفظ کی بہ نسبت لکھے ہوئے لفظ سے ذرا سا کم محبت کرتا تھا۔ اور اگر وہ کتابوں کے بارے میں باتیں کرنے کی بہ نسبت انہیں بیچنے پر زیادہ کوشش کرتا تو وہ ایک بہت ہی امیر شخص ہوتا۔

جب اس نے جنگلات میں شہتیر کے کیبن میں ڈیَفو کی ایک کاپی چھوڑی، تو وہ فخر سے دمک گیا، اور یہ وہ ہی تھا جو کئی سو اچھے پادریوں جیسی باتیں کرتا تھا، اس یقین کے ساتھ کہ فیلڈنگ کے ساتھ گزارے ہوئے مزیدار گھنٹے ان کی لافانی روحوں کو تباہ نہیں کریں گے۔ وہ سووفٹ اور پوپ کو، اور بھورے رنگ کے لباس پہنے پہاڑی لوگوں پر بھی بیچ چکا تھا اور مہذب باغات کے مالکوں کو بھی۔ وہ کینڈڈ نامی کتاب کے اپنے ترجمے کا بھی انتظام کر چکا تھا۔ امریکہ کے لیے اس کی محبت اس کی خواندگی کی وجہ سے بڑھ چکی تھی؛ وہ یورپ نژاد تھا مگر اس عجیب، سخت عضلات والے گڈمڈ گھنے جنگل کی طرح کے لوگوں پر اس کی حیرانی کبھی ختم نہ ہوئی جنہیں تحریری لفظ کے لیے ایک نازک اور شرمیلی محبت تھی۔

جب اس نے پین کی کتاب ختم کی، اس کے کچھ حصے تین اور چار بار پڑھے اور حفظ کر لیے، تو اس نے مصنف سے ملنے کا فیصلہ کیا، اور جب اس نے ایسا کیا تو خاموشی سے کہا:

''بھئی، یہ تو شاندار ہے''۔

پین ابھی تک تھکا ہوا، ابھی تک سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس کی لکھی ہوئی چھوٹی چیز کے ساتھ کیا ہورہا ہے۔ وہ کچھ کہنے کے قابل نہ تھا، صرف احمقانہ انداز میں سر ہلا رہا تھا۔

''یقیناً اسے وسیع پیمانے پر پڑھا جاتا ہوگا''۔ میک گرے نے کہا

''امید یہی ہے''۔

''اس پہ نہ گھبرایئے۔ میں نے دوسرے مصنفوں مثلاً فرانس کے والٹیئر اور انگریز سوِفٹ کی ایسی زبردست مشہوری کی''۔

میک گرے نے بیل سے کہا۔ ''مجھے پانچ ہزار کاپیاں چاہییں''۔

''کیا تمہارا دماغ خراب ہوگیا؟''۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بیل، تم سے بھاؤ تاؤ نہ کروں گا۔ ایک شلنگ دوں گا''۔

''میں یہ نہ کرسکوں گا۔ میرے پاس پریس نہیں ہے۔ نہ ہی کاغذ ہیں اور نہ مزدور''۔

'بھئی، میں تمہیں دوسو پاؤنڈ دوں گا.....اور کس بات کا خوف ہے تمہیں؟''۔

اور بیل، اپنی سمجھ سے بالاتر، ٹھنڈی سانس لے کر رضامند ہوگیا۔

جب بوڑھا بین فرینکلن پہلے ہی ادھر ادھر ڈاک سے بھیجی گئی 50 کاپیوں کے علاوہ پچاس اور کاپیوں کے لیے بیل کی دکان پر آیا تو بیل بے ربط کوشش کرتا رہا کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔

سکاٹ باشندہ بدحال دکھائی دیا۔ کم خوابی کی وجہ سے آنکھیں سرخ، ہر جگہ پرنٹر والی سیاہی۔

''یہ معجزہ نہیں ہے''۔ فرینکلن نے کہا۔ ''ایک کتاب اس لیے بکتی ہے کہ لوگ اسے پڑھنا چاہتے ہیں، یا اس لیے کہ وہ اُن سوالوں کا جواب مہیا کرتی ہے جو وہ پوچھتے رہے''۔

بیل نے فرینکلن کو دواندھا دھند ایڈیشن دکھائے، ایک نیو انگلینڈ سے اور دوسرا روڈ آئرلینڈ سے۔

''میں اس پر ناراض نہ ہوں گا''۔ فرینکلن نے کہا۔

''اور میں بھی نہیں ہوں۔ میں ایک چھوٹا آدمی ہوں، اور دن رات میرے پریس بے کار

نہیں ہیں۔ مجھے نہیں، خدا کو معلوم ہے کہ میں نے کتنے چھاپے۔ ایک لاکھ سے زیادہ، جناب۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ میں کاغذ کے لیے فریاد کرتا ہوں، میں سیاہی کے لیے چیختا ہوں، اور میں نے کاریگروں کو جگہ دینے کے لیے اپنا خاندان شفٹ کردیا ہے، مجھے ڈراؤنے خواب آتے ہیں، اور خواب میں ''کامن سنس'' آتا ہے۔

''اب دوسرے، ڈراؤنے خواب دیکھیں گے''۔ فرینکلن مسکرایا۔

بوسٹن سے باہر بے سلیقہ باہم جھگڑتی بے چین یانکی آرمی جو کئی عرصے سے برطانوی فوج کا محاصرہ کیے ہوئی تھی، کامن سنس پر پرجوش انداز میں ٹوٹ پڑی۔ سرما کے کواٹرز میں طویل، دہشت ناک گھنٹوں نے انہیں تعجب میں ڈال دیا تھا کہ وہ کیوں لڑ رہے تھے۔ ایک ایک طریقے سے پین کی کتاب نے انہیں بتلا دیا۔ وہ نئی دنیا کا خواب دیکھ رہے تھے۔ پہلے ایک بریگیڈ میں ایک کاپی یکسانیت میں پڑھا گیا، پھر بحث، پھر ایک شخص کو دلائل کے لیے تیار کرنے کے لیے کچھ مزید کاپیاں، پھر سو، پھر ہزار کاپیاں، پھر ہر ایک فوجی کے بغل جھولے میں کامن سینس کی مڑے ہوئے کونوں والی ایک میلی کاپی، جس پر ایک استرا تیز کیا جاسکتا ہے، آگ جلانے کا کام شروع کرنے کا کام لیا جاسکتا ہے، ایک شخص کے جسم و روح کے لیے اچھی، گھر بھیجے جانے والے معذرت خواہانہ خطوط میں نقل کرنے کے لیے اچھی۔

''میری پیاری اور محبت کرنے والی بیگم۔

''ہر وقت میری یادوں میں۔ میں دن رات تمہارے بارے میں سوچتا ہوں، مگر مجھے خود غرضی کے لیے برا بھلا نہ کہنا، چونکہ کام کرنے پڑتے ہیں اور انہیں کیے بغیر ''خاموشی'' اور ''خوشی'' سے زندہ نہیں رہا جاسکتا۔

''ایک شخص جو ''انگریز'' ہے ''امریکی'' نہیں ''کامن سنس'' نامی ایک کتاب میں بہت باتیں لکھتا ہے اور منطقی دلیلیں دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے، اور میں اس سے متفق ہوں کہ ''اے تم، جو کہ انسانیت سے پیار کرتے ہو! تم جو نہ صرف آمریت بلکہ آمر کی مخالفت کی جرات کرتے ہو ثابت قدم

رہو۔ بلکہ کھڑے رہو! ۔ پرانی دنیا کا ہر نقطہ استبداد سے زخمی زخمی ہے۔ آزادی کو کرہ ارض کے گرد ا گرد شکار کیا گیا ہے''۔ میں اس سے متفق ہوں اور تم بھی ہوگی جب یہ کتاب پڑھو گی جو میں تمہیں بھجوا رہا ہوں۔ جیمی جب کاف آ جائے تو اسے دن رات جینی کے ساتھ رکھنا.....''۔

ایک قیدی کے پشت کے تھیلے میں سے ایک کاپی کرنل بنٹلے کے ہاتھ لگا جس نے اسے پڑھا اور اسے ہز میجسٹی فوج کے جنرل ہووے کے لیے خریدا۔ ہووے نے بھی اسے پڑھا اور فیصلہ کیا:

''میں کہتا ہوں کہ یہ بھکاری ایک ابلیسی چالاکی رکھتا ہے''۔ اس نے بنٹلے سے کہا۔ ''میں اس کامن سنس کو پکڑ کر ایک پوائنٹ بنانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اُسے پھانسی پر چڑھایا جائے، تم سمجھے؟''۔

8

انسانی روحوں کی آزمائش کرنے والے زمانے

''ایک طرح سے تم احمق ہو''۔ فرینکلن نے اسے بتایا۔ ''ایک بہادر شخص نہیں، بلکہ ایک احمق شخص''۔

''وہ کیسے، سر؟''۔

''کیا تم نے کبھی بندوق چلائی ہے؟''۔

''نہیں''۔

''کبھی اُسے لوڈ کیا ہے؟''۔

''نہیں''۔

''اور کیا پیچھے جنگلات سے کوئی کسان لڑکا تم سے بہتر سپاہی نہ ہوگا؟''۔

''ہاں، میرا خیال ہے کہ ہوگا''۔ پین نے تسلیم کیا۔

''تم کس چیز پہ ایمان رکھتے ہو؟۔ کیا یہ جنگ بندوق کے دہانے سے نکلی ہے یا ایک انسان کے دماغ سے؟''۔

''وہ تو ہو چکا''۔ پین نے کہا۔''میں نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی اس لیے کہ میں چاہتا تھا کہ لوگ دیکھیں کہ وہ کس پر بندوقیں چلا رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوگا۔ کیا اب آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں یہاں رہوں اور دوسروں کو ان چیزوں پر مرنے دوں جو میں نے کہی ہیں؟''۔

''تو تم ایسا کہتے رہو''۔ فرینکلن نے کہا۔

''نہیں.....''۔

فرینکلن نے کندھے اچکائے۔

''میں خوش ہوں''۔ پین نے کہا''میں اس سے قبل کبھی خوش نہ رہا۔ میرا خیال ہے کہ میرے پاس ایک اچھی بندوق ہوگی، مگر اچانک وہ اس قدر کم پڑ گئیں کہ میرے پاس جو ہے اس پر مطمئن ہو جاؤں۔ میں جانتا ہوں کہ میں کس چیز کے لیے بنایا گیا ہوں؟ میں نہ احمق ہوں نہ شہید، میں صرف ایک انسان ہوں جس نے دریافت کر لیا کہ وہ کیا کچھ کر سکتا ہے؟''۔

''تم کب روانہ ہوگے؟''۔ فرینکلن نے پوچھا۔

''کل''۔

''الوداع، پھر''۔ فرینکلن نے کہا۔

''شکریہ، سر.....''۔

''اور مرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اپنی جرات پہ شک نہ کرنا۔ یاد رکھنا کہ یہ محض ابتدا ہے''۔

اب مزید، وہ ٹام پین نہ تھا۔ اچانک حیران کن انداز میں اب وہ ''کامن سنس'' بن چکا تھا۔ اس نے ایک چھوٹی سی کتاب، ایک امید، یا ایک تجویز لکھی تھی۔ وہ ایک کیچڑ بھری کالونی میں ایک اجنبی تھا جو دنیا سے بغاوت کر چکا تھا۔ وہ ''کچھ نہ تھا'' مگر پھر بھی اُس سے وہ ''ہر شخص'' بن چکا

تھا۔ اس لیے کہ اس نے ایک کسان جیسی معصوم آنکھوں سے، بنی نوع انسان کی امید دیکھ لی تھی۔

پھر بھی انہیں معلوم نہ تھا کہ کیا کیا جائے۔ کاشتکار کونکورڈ اور لگزنگٹن پہ کھڑے تھے۔ ملیشیا پسِ جنگل پوسٹوں سے جنگل میں سے گشت کرتی تھی اور انہیں اپنے چھوٹے برطانوی گیریزنوں سے کاٹ ڈالتی تھی۔ نیویارک اور فلیڈیلفیا ریڈیکلوں کے تھے، گو کہ وہ بوسٹن سے دُہائیاں دیتے ہوئے، لڑتے ہوئے، خون بہاتے ہوئے نکال دیے گئے تھے۔ ایسا تھا جیسے اچانک، غصے سے بھری ہوئی آگ کی ایک لہر امریکہ میں بھڑکی ہو، پہلے بہت روشن، پھر کم شدت کے ساتھ، پھر بغاوت کی ایک ذرا سی حرارت جو کہ مرنے کے دعوے کر رہی تھی۔

اب وہ کامن سنس تھا۔

ایک رات، ایک ٹھنڈی شام وہ تنہا فلیڈیلفیا کی ایک سے دوسری گلی چلتا رہا۔ اسے فوری طور پر کسی چیز کی خواہش نہ تھی، نہ گرمی کی، نہ کسی کافی ہاؤس میں رفاقت کی، نہ پینے کی گرم خوراک کی، نہ عورت کی، نہ مرد کی، بس صرف وہ خود تھا مناسب تناظر میں، ٹام پین سوچ رہا تھا کہ اس نے کیا کیا۔

ایک چھوٹا شخص یک دم ستاروں تک نہیں پہنچ سکتا۔ یسوع ایک ترکھان تھا۔ اور وہ یعنی پین محض ایک بریزیئر ساز تھا، ایک ایکسائز والا، ایک موچی، ایک جولاہا تھا۔''پین، پین، عاجزی کرو''۔ اس نے خود سے کہا۔ اور اپنی سوچوں میں اپنے لڑکپن کی تقریر پہ واپس گیا:

''تم کچھ نہیں ہو، میل ہو تم، میل، میل۔ اور دونوں گالوں پہ تھپڑ لگ چکے۔ تم کو عاجز بنایا گیا۔ تم غلاظت میں ہو.....''۔ اور اس نے خود کو ہنستے ہوئے اور دعا کرتے پایا۔''خدا، اے میرے خدا، تم نے مجھے کس طرح عظمت سے مالا مال کیا ہے''۔ اس کے اندر محبت ناپنے سے باہر تھی، اور طاقت بھی ناپنے سے باہر۔ بار بار وہ اپنی مٹھیاں بھینچتا جاتا اور کھولتا جاتا۔ انسان باہم بھائی تھے۔''اوہ، میرے بھائیو، میرے بھائیو''۔ وہ کھسر پھسر میں بولتا رہا۔

اس نے کہا''نہیں، میں پاگل نہیں ہو رہا ہوں.....''۔

بنجمن رش نے اُسے بتایا تھا:''پین، انقلاب ایک ٹیکنیک ہے جو ہمیں تاریخ کے بغیر

سیکھنی چاہیے۔ہم اولین ہیں،اوراسی لیے ہم ایسی غلطیاں کرتے ہیں۔ہم سے پہلے نظیر نہیں ہیں، بس صرف ایک تھیوری ہے،اور وہ تھیوری وہ طاقت ہے جو مسلح عوام الناس کے ہاتھوں میں ہے۔ میں غلط اور صحیح تصور کی بات نہیں کررہا، نہ ہی اخلاقیات کی،اس لیے کہ آخری تجزیے میں وہ ساری چیزیں زبان زدِعام ہیں،اور واحد چیز طاقت ہے''۔

پین نے سر ہلایا۔آہستہ آہستہ اور دردناکی کے ساتھ وہ خود اسی نقطہ نظر تک آ رہا تھا۔'' طاقت ہمیشہ عوام کے ساتھ تھی''۔اس نے کہا۔

''یقیناً۔آتشیں اسلحہ اس کو تبدیل نہیں کرتے۔مگر اس دنیا میں انقلاب کے لیے کوئی ٹیکنیک کبھی نہیں رہی۔استبداد کے لیے ایک ٹیکنیک تھی اور طاقت نے اس کو لاگو کیا،مگر ہمیشہ چند لوگوں کی طاقت۔بہت سوں کی طاقت انقلاب ہے۔مگر حیران کن طور پر بنی نوع اِنسان اس حقیقت کو جانے بغیر کئی ہزار برس تک غلامی میں رہا۔چھوٹے انسانوں نے حیل وحجت کیا ہے،مگر اس سے پہلے کہ وہ ہاتھوں میں ہتھیار لے کر اٹھ کھڑے ہوجاتے اور کہتے'' یہ میرا ہے''۔

''پہلے حالات کبھی نہ تھے''۔

''شاید۔یہ سچ ہے کہ یہاں ہمارے پاس مسلح انسانوں کی ایک قوم ہے جو اپنے ہتھیار استعمال کرنا جانتی ہے؛ ہمارے پاس مطلق العنانی کے برعکس، بحث کرنے کی ایک پروٹسٹنٹ روایت ہے، ہمارے پاس انسانی وقار کا کچھ عقیدہ ہے،اور سب سے بڑھ کر ہمارے پاس زمین ہے، ہرایک کے لیے زمین ہے۔وہ خوش قسمت حالات ہیں،مگر اب ہمیں ٹیکنیک سیکھنا چاہیے۔خدا جانے کتنے ہزار سال سے آہنی دستانوں والے آدمی نے اس دنیا پر قبضہ جمائے رکھا ہے،اور تمہارے خیال میں ہم کتنے مختصر عرصے میں اس سے یہ واپس لے سکتے ہیں، قبضہ جمائے رکھنے کی بات تو چھوڑیے؟''۔

''میں اُس بارے میں سوچنا نہیں چاہتا''۔

''تمہیں ضرور سوچنا چاہیے۔ہم ایک خونیں، وحشتناک کام سیکھ رہے ہیں،انقلاب کا یہ ٹیکنیک،مگر ہمیں اسے اچھی طرح سیکھنا چاہیے۔تم نے ایک چھوٹی کتاب لکھی، اور اُس سے لوگ

جانیں گے کہ وہ کیوں لڑتے ہیں۔تم آزادی چاہتے تھے، اور ہم اسے حاصل کرنے والے ہیں، میری بات یاد رکھنا۔چھ ماہ قبل تم میل میں لپٹے ہوئے تھے اس لیے کہ لوگ جانتے تھے کہ تم لکھ رہے ہو۔دو ہفتے قبل نیویارک میں انہوں نے ایک شخص کو تقریباً تقریباً مار مار کر ادھ موا کیا اس لیے کہ وہ'' کامن سینس'' کا جواب شائع کرنے کی منصوبہ بندی کررہا تھا۔یہ اخلاقیات نہیں ہے، یہ قوت ہے، اسی طرح کی قوت جو جابر حکمران استعمال کرتے تھے؛ فرق صرف یہ ہے کہ یہ طاقت ہزار گنا زیادہ ہے۔اب ہمیں سیکھنا چاہیے کہ اس قوت کو استعمال کیسے کرنا ہے، کس طرح اسے کنٹرول کرنا ہے۔ ہمیں لیڈر چاہییں، ایک پروگرام چاہیے، ایک مقصد چاہیے،مگر سب سے بڑھ کر ہمیں انقلابی چاہییں''۔

پین نے سر ہلایا۔

''تم کیا کروگے؟''۔

''واشنگٹن سے مل جاؤں گا''۔پین نے کہا۔

''میرا خیال ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔اپنی آنکھیں کھلی رکھنا،اور مایوس مت ہوجانا۔ہم ایک آزاد لوگ ہیں،مگر ہم غلاموں سے محض چند نسلیں پرے ہیں۔ہم روئیں گے، پیٹیں گے،اور کراہیں گے،اور ہم دستبردار ہونا چاہئیں گے۔پین، ہم ایک منظّم قوم نہیں ہیں۔اور میرا نہیں خیال کہ ہم اچھے سپاہی بنیں گے۔ہوسکتا ہے تھوڑی ہی دیر میں ہم بھول جائیں گے کہ ہم کس لیے لڑ رہے ہیں اور اپنی بندوقیں پھینک دیں گے۔یہ یاد رکھنا۔ہمیشہ یہ یاد رکھنا''۔

شہرت اس کے کاندھوں پر بے چینی سے بیٹھ گئی، اور اچانک فلیڈ یلفیا اس کا مخالف ہوگیا،موٹا تازہ اور مطمئن شہر جو لافانی بولتا تھا، زور شور سے تنقید کرتا تھا اور تقریباً کچھ بھی نہیں کرتا تھا۔گلیوں اور کافی ہاؤسوں میں، جہاں پین کی کتاب تیزی سے ایک اور انجیل بن رہی تھی، آزادی کی باتیں آسان اور عام تھیں،مگر اسمبلی میں مشرقی مندوبین ابھی تک اس کے خلاف تھے۔سرحدی مندوبین اپنے کالے چہروں کے ساتھ گلیوں کو پُر کیے ہوئے تھے،مگر وہ کچھ کرنہیں سکتے تھے۔

پین کی شان میں ایک عشائیہ دیا گیا،اس کے پاس ایک نیا کوٹ خریدنے کے پیسے نہ

تھے، آستینوں کے تسمے نہ تھے، اور وہ نہ تو بھیک مانگ سکتا تھا، نہ قرض لے سکتا تھا۔ وہ جیسا تھا ویسے ہی چلا آیا، پھٹے پرانے کپڑوں میں، حتیٰ کہ ایک وِگ کے بغیر، میز پہ اداسی سے بیٹھا سوچتا ہوا کہ ''میں نے فرینکلن کو بتایا کہ میں جا رہا ہوں' میں نے رش کو بھی یہی بتایا.....تو میں جاتا کیوں نہیں؟''۔ مگر یہ اتنی اہمیت کی بات نہ تھی، فوجیں بے کار بیٹھی تھیں۔ بلاشبہ، ایک چیز کو موقع دو، وہ پھول جائے گی۔ میز پر، ایک مرکزی حیثیت میں، ایک کارڈ بورڈ سے ''کامن سینس'' کی بہت بڑی نقل رکھی ہوئی تھی۔

''اوہ، اس اجنبی نے ہمارے کاز کو کتنا اعزاز بخشا ہے!''۔

دعوتِ عشائیہ کے صدر تھا ڈینس گرین نے کہا۔ ''اوہ۔ اس کے الفاظ آگ ہیں۔ ہمیشہ کے لیے زندہ رہنے والے!''۔ گرین اپنے ملیشیا یونیفارم میں آیا تھا، جو کہ نیلا اور پیلا تھا۔ ''کیا آزاد لوگ اپنی جانیں ہنسی خوشی نہ دیں گے؟''۔ وہ چیخا۔

پین مدہوش ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے 32 جام چڑھا لیے، اس نے سر اپنے پلیٹ پر رکھا، اس کے منہ سے رال بہہ رہی تھی۔ تقریباً ہر شخص مدہوش تھا، خراٹے لے رہا تھا، گندی کہانیاں سنا رہا تھا، ویٹرسوں کو پنچے مار رہا تھا، اپنے عمدہ اور شاندار یونیفارموں کو، ان کے لیس اور سلک کو گندہ کر رہا تھا، اچانک چیختے ہوئے:

''خدا بادشاہ جارج کو تباہ کر دے!''۔ ''آزادی، ہر ایک کے لیے!''۔

''یہ بات ہوئی''۔ پین منمنایا۔ ''آزاد انسانوں کی جئے ہو''۔

جیفرسن نے اسے آنے کا کہا تھا۔ وہ وہاں احمق محسوس کرتے ہوئے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ اس کے گھٹنوں پر تھے، جبکہ جیفرسن تفصیل سے بتا رہا تھا کہ واشنگٹن نے کتاب پڑھ کر کس طرح کا ردِعمل کیا تھا۔

''تم نے اپنے ملک کے لیے ایک عظیم کام کیا ہے''۔ جیفرسن نے کہا۔

پین سوچ رہا تھا کہ یہ کس قدر خالی اور احمقانہ باتیں ہیں، اس کا ملک کونسا ہے؟۔ وہ ان ملائم ارسٹوکریٹ فیتوں میں لپٹے دانشورانہ ڈیموکریٹوں کا کیا لگتا ہے؟۔ وہ کیوں ہمیشہ خود کو ایک

احمق کی طرح محسوس کرتا ہے؟۔

''ظاہر ہے تم نے وہی کہا جو تم سوچتے رہے تھے''۔ جیفرسن بولتا رہا۔ ''اور جو کچھ ہم بھی کہہ رہے تھے۔ پھر بھی تمھیں کچھ کہنا چاہیے تا کہ لوگ اسے سمجھ سکیں، حتیٰ کہ واشنگٹن جیسے لوگ بھی۔ اور تم جانتے ہو کہ وہ کوئی احمق نہیں ہے۔ ہم اب آزادی کے لیے مصمم ہیں''۔

''میں انتظار کر رہا تھا''۔ پین نے کہا ''مجھے بالکل بھی یقین نہیں تھا''۔

''اور اب جب تم مطمئن ہو تو کیا کرو گے.....اور مجھے یقین ہے کہ تم مطمئن ہو''۔

''فوج میں شامل ہوں گا''۔

''کیا یہ عقلمندی ہے؟''۔

پین نے کندھے اچکائے۔ اس نے اپنا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ایک شخص ہاتھ میں بندق لے کر اس تحریک کی خدمت نہیں کر سکے گا بلکہ یہاں فلیڈ یلفیا میں بیٹھ کر باتیں کر کر کے اس تحریک کے اعصاب بھی توڑ رہا تھا اور عزم صمیم بھی۔ وہ آہستہ آہستہ سمجھ رہا تھا کہ کالونیوں کے یہ عظیم اور اہم لوگ، حتیٰ کہ جیفرسن بھی جس کا استدلال ایک عقیدہ اور مذہب تھا، اس کی طرف ایک کارآمد جانور کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔

جب اخبارات میں کسی نے انقلابی تحریک، ایک آزاد امریکہ کے تصور کے خلاف لکھا تو پین نے پرزور اور سخت انداز میں اس کا جواب دیا، تو ایک نرم تالیوں کا ایک کورس بجا تھا۔

''ہم اب کمیٹی میں ہیں''۔ جیفرسن نے کہا۔ ''فرینکلن، ایڈمز، شرمین، لونگسٹن.....میں آزادی کے اعلان کا مسودہ لکھ رہا ہوں صرف اور صرف آزادی کا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں معلوم ہو کہ میں ''کامن سینس'' سے استفادہ کر رہا ہوں، جس پر کہ مجھے فخر ہے''۔

''مگر اتنا فخر نہیں کہ مجھے بھی کمیٹی میں شامل کرو''۔ پین نے سوچا۔ مگر بہ یک وقت مطمئن بھی تھا کہ وہ اس سے باہر ہے اور اس طرح وہ خود اپنی خواہشات کے مطابق چلتا پھرتا رہے گا۔ اس نے کہا ''آپ اس پر رائے شماری کرنے کی کب توقع کر رہے ہیں؟''۔

''جولائی میں، شاید''۔

''اور پھر یہ ہوگا ریاستہائے متحدہ امریکہ''۔

اس بار جیفرسن مسکرایا اور کندھے اچکائے ''ہم تمہارے بہت احسان مند ہیں''۔

''ارے نہیں''۔

مستقبل سے یقین دہانی کے ساتھ نمٹتے ہوئے جیفرسن نے آسانی سے کہا۔''یاد رکھو پین ۔اس سے ایک اصلی اور ٹھوس چیز نکلی ۔پھر ایسا کیا گیا، نئی چمکدار دنیا بنا دی گئی اور فلیڈ یلفیا کے پر جوش شدہ شہر میں چند ہی تھے جنہیں شک تھا کہ عوام اس گرجدار خطیبانہ پر شکوہ تحریر، عمومی اعلانِ آزادی کی مدد کے لیے اٹھیں گے۔انہوں نے ایک دوسرے کو بتایا کہ شان جولائی 1776 میں پیدا ہوئی۔وہ تک بند شاعری کا زبردست ٹکڑا گاتے ہوئے پریڈ کرنے لگے جس نے خود کو انقلاب کی فوج کو ساتھ منتھی کر یا تھا:

''یانکی بانکا لندن ٹاؤن گیا'' اور کسے معلوم تھا کہ وہ سب وہیں ہوں گے؟ ۔کینیڈا پر حملہ؟ ۔کیوں نہیں؟ ۔اور انگلینڈ پر کیوں نہیں؟ ۔اور پوری دنیا پر کیوں نہیں تا کہ اسے نئی مسیحیت بنا دیا جائے؟ ۔بلاشبہ جب جیفرسن کے اعلان کا پہلا مسودہ کانٹی ننٹل کانگریس میں پیش کیا گیا تو بنجمن ہیریسن آگے لپکا اور غرایا''اس کاغذ پر صرف ایک لفظ ہے جسے میں منظور کرتا ہوں اور وہ لفظ ہے'' کانگریس''۔مگر دوسری طرف، اگر سینر روڈنی، بارہ گھنٹوں میں 80 میل سے گھوڑے پر نہ آتا، راستے میں گھوڑے مارتا ہوا، تا کہ 4 جولائی کو کانگریس میں موجود ہو اور مسودے پر دستخط کر دے؟۔

پین کو اعزاز نصیب ہوا؛ تکلیف اور اعزاز، جب مسودہ پیش کرنے سے چند روز قبل جیفرسن اس کے پاس ایک اچانک شفقت و محبت کے ساتھ آیا اور کہا:

''میں تمہیں یہ پڑھ کر سناتا ہوں''۔

''پڑھو اگر تم چاہتے ہو تو''۔پین نے کہا

''یہ اختتام ہے، نچوڑ ہے، اور یہ تم نے کیا ہے۔اوہ میرے خدا، تھامس ہمیں پتہ نہ تھا کہ ہم تمہارے کتنے مقروض ہیں۔تاریخ ایک اکاؤنٹ بک میں درج شدہ ایک برا امورِ خانہ داری ہے۔

''تم اس کے ساتھ سوار کیوں نہیں ہوتے؟''۔پین نے سوچا۔

''ہم، لہٰذا''۔جیفرسن نے پڑھا'' ریاستہائے متحدہ امریکہ کے نمائندے.....''

اس نے جھکے ہوئے کندھوں والے، بنا سنورے شخص کی طرف دیکھا جس نے یہ فقرہ اسے دیا تھا۔

''کیسا لگتا ہے؟''۔

''.....عمومی طور پر دنیا کے سب سے بڑے جج کو ہمارے ارادوں کی راستی کی اپیل کرنے کانگریس جمع ہوگئی۔ہم اِن نو آبادیوں کے اچھے لوگوں کے نام اور اتھارٹی پر متین انداز میں چھاپتے اور اعلان کرتے ہیں کہ یہ متحدہ نو آبادیاں، آزاد اور خودمختار ریاستیں ہیں، کہ یہ برطانوی تاج کی ساری وفاداری سے آزاد ہیں، اور یہ کہ اُن کے اور برطانیہ کی ریاستوں کے درمیان سارے سیاسی رشتے، مکمل طور پر تحلیل کیے جاتے ہیں اور انہیں ہونا بھی چاہیے۔اور یہ کہ آزاد اور خودمختار ریاستوں کے بطور وہ جنگ کرنے، امن معاہدے کرنے، اتحادیں بنانے، تجارت کرنے، اور دوسرے وہ تمام اقدامات کر سکتی ہیں جو کہ آزاد ریاستیں کرنے کا حق رکھتی ہیں۔اور اس اعلان کی حمایت کے لیے مشیت ایزدی پر مضبوط بھروسے کے ساتھ، ہم ایک دوسرے کے ساتھ اپنی زندگیوں، اپنے مستقبلوں اور اپنے پاک وقار کا عہد کرتے ہیں.....؟''۔

''خوب، یہ ہوگیا''۔پین نے کہا۔

''ہاں.....''۔

پین سوچ رہا تھا کہ اب اسے یہاں رہنے کے لیے کوئی کام باقی نہیں رہا، وہ اب جا سکتا ہے۔

پنسلوانیا ملیشیا کے جنرل، رابرڈیو ایک لحیم شحیم شخص تھا جس کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ تھا ،فربہ کولھا اور نیلا پیلا شاندار یونیفارم۔ایک کامیاب تاجر۔اُسے پکا یقین تھا کہ وہ اس سے زیادہ کامیاب سپاہی ہوگا، اور ایک بار جب وہ سٹیٹرن آئی لینڈ کے جنوب اور مغرب میں ایمبائے کی طرف ایک دستے کی قیادت کرے گا تو اسے یقین تھا کہ جنرل واشنگٹن کے مسائل ختم ہو جائیں گے۔ایسوسی ایٹرز (ملیشیا والے خود کو اِس نام سے پکارتے تھے) نے اب تک کئی ماہ تک فوجی تربیت

لی تھی؛ اور رابرڈیو نے پین کو بتایا کہ اس بریگیڈ میں ہونا ایک بڑے اعزاز کی بات تھی۔

''میں آؤں گا''۔ پین نے کہا'' مجھے کوئی کمیشن اور عہدہ نہیں چاہیے۔ اگر میں سیکرٹری کی حیثیت سے آپ کی خدمت کرسکوں تو یہی کافی ہوگا''۔

''کمیشن قسم کی چیزوں کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ میں خود شخصی طور پر آپ کو میجر کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس عہدے میں کیپٹن یا لیفٹیننٹ سے زیادہ وقار ہوتا ہے۔ اچھا یہ بتائیں، آپ کے پاس یونیفارم ہے؟''۔

پین نے اعتراف کیا کہ اس کے پاس یونیفارم نہیں ہے۔

''یہ اہم ہے' میرے بچے بہت اہم۔ ہم یکسانیت ہی کے ذریعے سپاہیوں میں کسی طرح کی ملٹری روایت ڈال سکتے ہیں جیسے عظیم مارل بروا اور فریڈرک آف پرشیا کے گرد ایک ہالہ کی طرح چمکتا تھا''۔

'' میں اس کے بغیر گزارہ کروں گا''۔ پین نے یہ سوچتے ہوئے کہا کہ کس طرح انہوں نے جنہوں نے واشنگٹن کی فوج کو یکھ کر بتایا تھا کہ بریگیڈ کا یونیفارم نہیں ہے۔

''اگر تو یہ پیسے کا معاملہ ہے.....؟''۔

''یہ پیسے کا معاملہ نہیں ہے''۔ پین نے کہا۔

بیل نے اسے'' کامن سینس'' کی پچاس کاپیاں دی تھیں۔ اس پرانی زنگ آلود بندوق کے ساتھ، بارود، گولی، پانی کی ایک چھاگل اور مکئی کے موٹے آٹے کی ایک بوری پین کا سارا سامان تھا۔ وہ باقیوں کے ساتھ پیدل چل رہا تھا، کچھ تو اس کی خواہش نہ تھی اور کچھ اس لیے کہ اس کے پاس گھوڑی کے پیسے نہ تھے۔ رابرڈیو جس نے پین کی کم منزلتی کو ایک شخصی گستاخی کے بطور لیا، اس کے ساتھ گھنٹوں تک بات نہ کی؛ پین نے اسے محسوس ہی نہ کیا۔ کسی اور چیز کی اہمیت ہی نہ تھی۔ مگر اب، کافی عرصہ بعد، وہ اپنے جیسوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے مارچ کررہا تھا جن میں دکاندار تھے، کلرک تھے، مستری تھے، جولاہے تھے، ترکھان تھے۔ یہ مکمل طور پر جذباتی موقع تھا، اُن کا سامنا کسی دشمن سے نہ ہوا، کوئی جنگ جیسی بات نہ ہوئی۔ اور وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں

جانتے سوائے جو کچھ نیو انگلینڈ سے سنتے تھے۔ اور میسا چوسٹ میں امریکی نقصانات بھی بہت ہی کم ہوئے تھے۔

پڑاؤ کی پہلی رات پین آگ کے قریب بیٹھا اپنا مکئی کا دلیا گرم کررہا تھا، خود سے مکمل ادراک کے ساتھ، وہ کچھ کہہ سکنے کے قابل نہ تھا، مسرت کے آنسو اس کی آنکھوں میں تھے۔ ملیشیا والوں کی آوازیں اونچی تھی:

''کامریڈ، آگ دینا''۔

''میرے دلیے میں سے لے لو.....نمکین خشک گوشت کے لیے دلیہ؟''۔

''نہیں نہیں وہ جہنم میں جائے' کامریڈ۔ میرے پاس ہم دونوں کے لیے کافی ہے''۔

''سٹیزن، ایک جام کے بارے میں کیا خیال ہے؟''۔

وہاں رَم سے بھری ایک ویگن کھڑی تھی۔ رابرٹو نے اپنی بڑی توند کو تھپکاتے ہوئے، ایک کو کھول دیا تھا۔ انہوں نے کانگریس، واشنگٹن، لی، جیفرسن جس نے اِس قدر عمدگی کے ساتھ لکھا تھا، اور بوڑھے بین فرینکلین کے نام کا جام پیا۔ ایک صاف، نوجوان نے گانا شروع کیا:

ہائے پنسلوانیا کا شفاف آسمان
ہائے سلویا کا سبز مرغزار
ہائے نیلی چڑیا اور بلبل
ہائے سارے کے سارے ممالک میں
ہماری سلوانیا تو ملکہ ہے

پین کی آواز اچھی تو نہیں تھی مگر وہ سب کے ساتھ گا رہا تھا۔ آرٹلری کے لوگ اپنے بندوق کے سُمبے سے سُر تال برابر کرتے ہوئے اپنی توپ کی رسیوں پہ بیٹھے ہوئے آگے پیچھے جھول رہے تھے۔ اُن کی جلائی ہوئی آگ آسمان کی طرف چنگاریوں کا ایک پردہ بنا رہی تھی، اور مغرب سے ایک میٹھی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ پین نے اس سب کے بارے میں نہ سوچا تھا نہ خواب دیکھا تھا۔ دنیا کے عام انسان اکٹھے مارچ کررہے تھے، کندھے سے کندھا ملائے، بندوقیں ہاتھوں میں،

محبت دلوں میں۔

پین کے لیے یہ ایک عارفانہ تکمیل پذیری تھی اور اس نے خود سے کہا ''کون اُن قوتوں کی پیمائش کر سکے گا جو یہاں سے شروع ہوئیں؟۔ اچھی نیتوں کے لوگ اکٹھے مارچ کر رہے ہیں اور خود اپنی طاقت جانتے ہیں۔ اس قوت کے ساتھ کون ہمیں روک سکتا ہے، کون ہماری رفتار دھیمی کر سکتا ہے؟۔ ہم کیا کچھ حاصل نہیں کر سکتے، کیا کیا نئی دنیائیں، وقار و شان، امکانات!''۔

ایک کامریڈ کامریڈ ہوتا ہے، مگر کسی کی ایڑھی پہ چھالے پر چھینکا نہیں جاتا۔ آزادی کا شاندار کاز ایک شاندار کاز ہی تھا۔ اکثر بندوقیں جو انہوں نے اٹھا رکھی تھیں بالکل نئی تھیں، فرنٹ سٹریٹ بندوق ساز کے این سن شمٹ کی بنی ہوئی، جس کی تھیوریاں ملک کے دوسرے حصوں کے دستکاروں سے بہت برعکس تھیں۔ پنسلوانیا کے عقب کے علاقے میں، ایک بڑے سبز مٹر کی سائز کی ایک سیسہ کی گولی حیران کن نشانہ اور اُس وقت تک موجود کسی بھی بندوق سے کم از کم ایک سو گز دور مارتی تھی۔ مگر شمٹ کی دلیل یہ تھی، اور درست دلیل، کہ ایسی بندوق کا ایسے شخص کو کیا فائدہ جو ایک نشانہ باز نہ ہو؟۔ اس نے خود اپنی بندوق بنائی ''محبِّ وطن خاتون'' نام کی۔ اس کا بور چوڑا، لوہے کا بنا ہوا اور ایک چھوٹی توپ جتنی بھاری۔ اس کو کسی بھی چیز کے ساتھ لوڈ کیا جا سکتا تھا، گولی سے' کیل سے، شیشے سے، وائر سے پتھر سے۔ اور یہ تیس گز تک تو تباہ کن اثر رکھتی تھی۔ اس کا سب سے بڑا نقص یہ تھا کہ اسے اٹھانے کے لیے ایک مضبوط شخص کی ضرورت تھی۔

ملیشیا والے مضبوط نہ تھے۔ وہ کئی گھنٹے تک اپنی بندوق اٹھائے رکھتے تھے، اور پھر کسی کو خیال آتا کہ اپنی بندوق کو ایک سپلائی ویگن پر رکھے۔ جلد ہی سپلائی ویگنیں سینکڑوں بندوقوں کے وزن سے غرّا رہی ہوتیں، اور رابرڈیو غصے سے نیلا ہو کر چیختا کہ یہ کیسی فوج ہے جو ہتھیار اٹھائے بنا مارچ کر رہی ہے؟۔

''اور تم اور تمہارا فربہ گھوڑا کیا جانیں؟''۔ ایک پرائیویٹ نے جنرل کو کہا۔

''خدا تمہیں غارت کرے، تمہیں اس بات پر سو کوڑے کھانے پڑیں گے''۔

''اور وہ مارے گا کون؟''۔

رابرڈیو اپنی بات سے پیچھے ہٹا مگر اُس کو یقین دلایا کہ وہ کانٹی نینٹل کانگریس کو ایک مراسلہ لکھے گا۔ سپاہی تھک گئے تھے، پسینہ سے تر بتر۔ اور اس مہم میں مشکلات کے لیے یہ وقت ابھی بہت جلدی تھا۔ چونکہ پین سیکرٹری تھا، رابرڈیو نے اس سے ملٹری کمیٹی کے نام یہ کچھ لکھوایا:

''ایک شخص الیگزنڈر ہارٹسن ایک غداری جیسی بات کرتا ہے.....''۔

''میں ایسا نہیں کہتا''۔ پین نے مداخلت کی۔

''نہیں؟''۔

''اس کی بات غدارانہ نہ تھی۔

''میرا خیال ہے کہ مجھے اپنے بریگیڈ کو احکامات دینا آتا ہے''۔ رابرڈیو نے کہا ''جو کچھ میں بولوں تم لکھو، تم یہاں اسی لیے تو ہو۔ مجھے اپنے دو ٹکے کے خط نویس سے فوجی اخلاقیات پہ ہدایات لینے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''بہت خوب''۔ پین نے سر ہلایا۔

ایک لمبا، ڈھیلا ڈھالا شخص پین کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کا نام جیکب موریسن تھا اور وہ ''ویومنگ'' کی خوبصورت وادی سے آیا تھا۔ اس کی بیوی اور بچہ چیچک میں مر گئے تھے۔ اور وہ گھنے جنگلات میں تنہا رہتے ہوئے تنگ آ چکا تھا۔ اس لیے فلیڈیلفیا آیا، ایک فلورمل میں ملازم ہوا اور وہاں ملیشیا میں بھرتی ہوا۔ ایک لمبی رائفل سے مسلح، ہرن کے چمڑے کی پتلون اور شکاری قمیص میں ملبوس وہ واحد شخص تھا جو اِس مہم کے لیے سب سے فٹ نظر آتا تھا۔ اسے پین اچھا لگا تھا، اور کسی وجہ سے نہ بھی سہی تو اس واحد وجہ سے ضرور، کہ پین نے اپنی بندوق خود اٹھا رکھی تھی۔ اس نے ایک بار اسے اپنے کم رفتار دیہاتی انداز میں کہا تھا۔

''سٹیزن، تم ہماری اس چھوٹی سی جنگ کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟''۔

''چیزیں نرم رفتاری سے شروع ہوتی ہیں''۔ پین نے کہا تھا۔

''ہاں، مگر میں حساب لگاتا ہوں۔ مجھے اس طرح کے بیماروں کی طرح کے لڑاکا آدمیوں کا ہجوم کبھی نظر نہ آیا''۔

''ہاں، انہیں وقت دو۔ سپاہی پلک جھپکتے میں تو نہیں بنتے۔ اور کوئی ایک دن میں ایک نئی دنیا نہیں بنا سکتا''۔

''تم انگریز ہو، ہیں نا؟''۔ موریسن نے کہا'' تمہیں یہاں کیا چیز لائی؟''۔

پین نے کندھے اچکائے۔

'' میرا کیا ہے'' جنگل والے آدمی نے کہا۔'' میں نے کچھ نہیں کھونا۔ مگر، خدایا، مشکل وقت سامنے ہے.....''۔ اُس رات رابرڈیو نے تیز نوک والا ایک کیل لیا۔ اس نے رَم کا ایک اضافی پیپا کھولا، اور سپاہیوں سے اعلان کیا:

''سٹیزن دوستو!۔ یہاں ہمارے ساتھ ایک معروف ترین محبّ وطن شخص موجود ہے۔ وہ شخص جس نے آتشیں لفظوں کے ساتھ'' کامن سنس'' لکھا ہے۔ وہ اِس کاز کے بارے میں چند فقرے کہنے پر رضا مند ہوا ہے جس کے لیے ہم اپنی زندگیاں قربان کرنے پر تیار ہیں۔ یہ ہیں سٹیزن تھامس پین!''۔

پین تیار نہ تھا۔ وہ شرمایا، اٹھا، آگ کی روشنی میں ڈگمگایا اور بولنے لگا.....'' ہم چھوٹے لوگوں کے ایک کارنامے پر روانہ ہوئے ہیں۔ ہم یہی ہیں، چھوٹے لوگ، سٹیزن لوگ۔ ہمیں یہ مشکل لگے گا۔ ہم شکوہ کریں گے، شکایت کریں گے اور ہم میں سے کچھ لوگ واپس گھر جائیں گے۔ میرا خیال ہے ایک انقلاب اسی طرح شروع ہوتا ہے''۔

اُن کا مستقل پڑاؤ ایمبائے تھا، اُس جگہ سے قریب جہاں دریائے رارِیتان نیویارک خلیج کے اندر جاتا ہے۔ دریا کے اُس پار سٹیٹن آئی لینڈ کی پہاڑیاں تھیں اور اُس کے بعد مین ہٹن پر، ایک خوفناک کھیل جاری تھا۔ واشنگٹن کے احکامات تھے کہ وہ اپنی کمان میں موجود ملیشیا کے ساتھ نیویارک کو قبضے میں رکھے جن کی تعداد 20 ہزار تھی مگر ایک بھی تربیت یافتہ سپاہی نہ تھا۔ اکثریت نیو انگلینڈ یانکی کا شتکاروں کی تھی، کچھ پنسلوانیائی تھے، کچھ جرسی کے لوگ تھے، بہت سارے ورجینیائی تھے، اور کئی بریگیڈ میری لینڈ کے دستوں کی تھی۔ یہی آخر الذکر سب میں بہترین تھے۔ مگر اُس طرح کے ایک الم غلم ہجوم کے ساتھ نیویارک پر قبضہ جمائے رکھنا جس قدر مضحکہ خیز تھا اسی قدر نا

ممکن تھا۔

ہر روز مزید برطانوی مال بردار بحری جہاز آتے اور سٹیٹن آئی لینڈ پہ ہزاروں تربیت یافتہ فوجی اُگلتے۔ اِسی دوران، واشنگٹن نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس نے اپنی آدھی فوج بروکلین میں متعین کر دی تا کہ منہیٹن کے پتلے کنارے پر الگ تھلگ کیے جا سکنے والے پہلو سے حملے سے بچا جا سکے۔ اس حرکت کا مداوا کرنے کے لیے برطانیہ نے اپنی فوج کا ایک حصہ لانگ آئر لینڈ منتقل کر لیا، اور 27 اگست کی رات کو جنرل ھَووے نے اپنا حملہ شروع کر دیا۔ انہوں نے امریکی صفوں میں ایک کمزور جگہ ڈھونڈ لی، کچھ سوتے ہوئے سنتری گرفتاری کر لیے، واشنگٹن کی فوج کے آدھے کو کاٹ دیا، اور پھر اسے جبڑوں میں رکھ کر، اُسے تباہ کرنے طریقے سے آگے بڑھے۔

واشنگٹن صرف اور صرف اپنی جرات اور ماربل ہیڈ مچھیروں کے ایک بریگیڈ کی کمک سے اس قابل ہوا کہ اپنی منتشر فوج کے بچے کھچے حصے کو نیویارک کی طرف نکال دے۔ اور وہاں، اس سے قبل کہ اُسے انہیں دوبارہ منظّم کرنے کا وقت مل سکے، برطانیہ نے دوبارہ حملہ کر دیا اس بار اس پکے عزم کے ساتھ کہ واشنگٹن کی فوج کے بچے کھچے کو بھی برباد کر دے گا۔

وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے قریب پہنچ گئے۔ ''ایسٹ ریور'' اور'' اپر بے'' دونوں اطراف سے مینہٹن پہ اتر کر، انہوں نے اُکھڑے ہوئے، ہراساں شدہ غلام امریکی فوج کو اپنے سامنے بھاگتے ہوئے دوبارہ منظّم کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک وحشی دوڑ تھی جس میں ایک مکمل طور پر مایوس ملیشیا کا ہجوم اپنے ہتھیار پھینک کر خرگوشوں کی طرح حصار بند لائن کی طرف بھاگ رہا تھا جو ابھی تک امریکیوں کے قبضے میں تھا جہاں آج کل ون ہنڈرڈ اینڈ ٹونٹی ففتھ سٹریٹ واقع ہے۔ پورے کے پورے بریگیڈوں کو دشمن نے کاٹ دیا تھا، ٹھنڈے فولاد سے ٹکڑوں میں الگ الگ کیا تھا، قیدی بنا لیا تھا، آدمی باڑوں، خشک گھاس کے ڈھیروں، جھاڑیوں میں خوف سے دُبکا دیے تھے، باقیوں نے ہڈسن دریا عبور کر کے جرسی ساحل تک پہنچنے کے لیے خود کو ڈبو دیا تھا۔ صرف ایک معجزے نے اُن فوجیوں کو بچ نکلنے کا موقع دیا جنہوں نے زیریں نیویارک کو سنبھال رکھا تھا۔ چند ہفتوں کے اندر اندر

بیس ہزار لوگ کم ہو کر پندرہ ہزار سے بھی کم رہ گئے۔

اور اس عرصے کے دوران، فلیڈ یلفیا ایسوسی ایٹرز نے خود کو ایمبائے میں بہت کم کیا۔ نیو یارک میں جو کچھ ہو رہا تھا اُس کے بارے میں بے شمار خبریں پہنچ رہی تھیں اور واحد ٹھوس نتیجہ یہ تھا کہ بھگوڑوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ اب اپنے ساتھ والے کو کامریڈ یا سٹیزن کہنا ماضی کی بات ہو چکی تھی۔

پین، جنرل رابرڈیو کے ساتھ، کرنل پلیکسٹن کے ساتھ بحثیں کرتا تھا: ''ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟۔ وہاں نیو یارک میں بنی نوع انسان کی اچھی امیدیں تباہ کی جا رہی ہیں، اور ہم یہاں ہیں؟ ہم یہاں کیا کریں گے؟''۔

''ہماری ڈیوٹی، کہ ایمبائے کی حفاظت کرنا ہے''۔

''او خدایا۔ ہم جرسی میں سے مارچ کرتے ہوئے واشنگٹن سے جا مل سکتے ہیں۔ اس سے بھی بہتر یہ ہے ہم راریتان عبور کریں اور سٹیٹن آئز لینڈ میں برطانویوں پر حملہ کریں۔ جہاں پہ وہ کمزور ہوں۔ یا ہم بے یونی پر حملہ کر سکتے ہیں.....''۔

رابرڈیو شفقت سے مسکرایا۔ ''پین'' تم ایک لکھاری ہو، ایک خواب دیکھنے والے۔ فوجی حقائق سخت ہوتے ہیں.....''۔

''خدا مارے سر۔ آپ کو فوجی حقائق کے بارے میں کیا پتہ؟''۔

پلیکسٹن غصے سے سرخ ہو گیا، مگر رابرڈیو نے صرف آزردگی اور نا امیدی سے اپنے بازو پھیلائے ''پہلے دوسرے تھے، اور اب تم بھی میرے خلاف ہو رہے ہو، غدارانہ باتیں کر رہے ہو''۔

''غدارانہ! میرے خدا۔ سر، کیا ہر چیز غدارانہ ہوتی ہے؟۔ کیا یہ غداری نہیں ہے کہ ہم یہاں ٹیک لگائے بیٹھے ہیں؟''۔

''احکامات.....''۔

''کس کی طرف سے؟۔ کیا اُن احکامات نے یہ خیال رکھا کہ واشنگٹن کی فوج تباہ کی

جائے گی، یا یہ کہ ہم نیو یارک ہار جائیں گے؟۔ کیا ابھی تک آپ کی کمان میں ایک بھی شخص نے ایک بھی گولی چلائی ہے یا دشمن کا آمنا سامنا کیا ہے؟''۔

رابرڈیو کا موٹا چہرہ اپنی نامردی میں جیلی کی طرح ہو گیا، اس نے پلیکسٹن کو اپنی اپیل روہانسی چہرہ بنا کر کر لی، جو کہ پتلا جنٹلمین تھا جو کہ پین خاندان سے تھا:

''کیا میری ڈیوٹی میری ڈیوٹی ہے؟۔ بتاؤ۔ کیا یہ میرا قصور ہے کہ واشنگٹن کی فوج کو نیو یارک سے نکال باہر کیا گیا ہے؟۔ کیا یہ میرا قصور ہے کہ سپاہی دینے کی بجائے انہوں نے مجھے دکانوں کے منشی دے دیے ہیں؟''۔

پھر وہاں لوگ بھگوڑے ہوتے گئے۔ فلیڈ یلفیا زیادہ دور نہ تھا۔ اور ہر رات کچھ ملیشیا والے کیمپ سے بھاگ جاتے۔ تقریباً کوئی ڈسپلن نہ رہا تھا اور زیادہ تر افسر شراب میں غلطاں تھے۔ اگر جنرل اعتراض کرتا تو وہ اس کے منہ پر ہنس دیتے۔ پین پھٹ پڑتا، دلیل دیتا، راضی کرتا، ترغیب کرتا۔ اور حیران کن بات یہ تھی کہ وہ اس کی باتوں کا برا نہیں مانتے تھے بلکہ وہ اس طرح کے سکولی بچے بن جاتے جنہیں ڈانٹا جاتا تھا۔ جب وہ آگ کے قریب بیٹھ جاتا اور انہیں ''کامن سنس'' میں سے پڑھ کر سناتا تو وہ سنتے، محظوظ ہو جاتے، متجسس ہوتے، اور پھر ایک لمحہ کے لیے وہ انہیں جذبات سے بھر دیتا:

''سمجھے؟۔ یہ ہمارے لیے ہے، تمہارے اور میرے لیے ہے، ہمارے بچوں کے لیے ہے!۔ ہم شروعات ہیں، اور ہم ایک نئی دنیا بنا رہے ہیں''

مگر بات نہیں بن رہی تھی۔ وہ گھر کے لیے اداس ہو گئے تھے، نیو یارک سے آنے والی خبروں کی وجہ سے خوفزدہ تھے، سراسیمہ تھے۔ اگر برطانیہ واشنگٹن کی عظیم فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے، جس پر کہ پہلے ہی بوسٹن میں حملہ ہو رہا تھا، تو اس خام اور ناتجربہ کار ملیشیا کا کیا ہو گا؟۔

''میری بات سنو، کامریڈو!''۔

اب انہیں اس لفظ سے نفرت ہو رہی تھی۔ الفاظ کے کیا معنی رہ جاتے ہیں جب وہ صرف موت تک لے جاتے ہوں۔ انقلاب ایک ڈرامہ تھا۔ اور یہ بات بلاشک وشبہ سچ تھی کہ برطانیہ

والے سارے باغیوں کو سولی لٹکاتے تھے۔

جیسے کہ جیکب موریسن نے کہا، وہاں کم از کم بیس تو ہوتے جن پر کہ انحصار کیا جا سکتا ہو۔ اور اس نے پین کو بتایا ''اس بد بخت جرسی میں، کم از کم چند سو دوسرے ہونے چاہئیں جنہیں ہم ساتھ لے لیں۔ یہ ایک حملہ آور پارٹی کے لیے کافی ہوں گے۔ ہم نے لابرڈیو جیسے، بہت سے دیکھے ہیں۔ وہ اچھا نہیں ہے، اور کچھ ہی دیر میں گھر چلا جائے گا۔ میری بات یاد رکھنا''۔

''میرا خیال ہے وہ گھر چلا جائے گا''۔ پین نے کندھے اچکائے۔

''تو پھر ہمیں کیا چیز یہاں رکھے گی؟۔ کانٹی ننٹل کانگریس؟''۔ موریسن نے تمسخر سے پوچھا۔ پین اپنا سر ہاتھوں میں پکڑا ہوا نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ اُس نے موریسن کو بتایا:

''یہ بغاوت ہے''۔

موریسن نے اس سے پوچھا کہ شراب پیو گے۔

''ہاں''

اب وہاں رَم پر چوکیداری کرنے کا کوئی دکھاوا نہ تھا۔ دونوں نے ایک ایک پیّا لیا اور زور زور سے فحش گانے غراتے ہوئے کیمپ کے ارد گرد جھومتے ہوئے چلنے لگے۔ ایک بے بس شرمیلی سکول استانی کی طرح رابرڈیو نے اُن کا نام زور زور سے فحش گانے غراتے ہوئے لے لے کر پکارا، اور بالآخر موریسن ایک بندوق بردار کے ساتھ دوڑتا ہوا اُس تک آیا۔ پین ایک ریڑھی پر لڑکھڑاتے ہوئے کھڑا ملیشیا کو ترغیب دے رہا تھا جو خود بالکل متین نہ تھے، انہیں اور خود کو جذباتی آنسوؤں میں بھگو رہا تھا، کنکھیوں سے موریسن کو لہراتی بندوق والے بندوق بردار کے ساتھ آتا دیکھ رہا تھا، بالآخر ریڑھی سے گر پڑا۔

مگر جب اگلے دن حقیقت سامنے آئی تو انہیں کیمپ میں بیس آدمی بھی ایسے نہ ملے جو اُن میں شامل ہوں، دس بھی نہیں اور حتیٰ کہ ایک بھی نہیں۔ رابرڈیو، پلیکسٹن اور چند دیگر ملیشیا

افسروں نے ایک جنگی کونسل بلائی جس کا نتیجہ واپس فلیڈیلفیا کی طرف مارچ کرنے کے فیصلے کی صورت نکلا۔ اور جب ایسوسی ایٹرز نے یہ فیصلہ پڑھتے ہوئے سنا تو وہ پورے پندرہ منٹ تک تالیاں بجاتے رہے۔ پین اور موریسن ایک گرے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھے تھے، ان کی بندوقیں ان کی گود میں تھیں اور وہ کیمپ کو ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ رابرڈیو اُن سے بات کر رہا تھا۔ جب ایسوسی ایٹرز مارچ کرنے لگے تو کچھ ملیشیا والوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اُن کی طرف ہاتھ ہلائے۔ موریسن نرمی کے ساتھ گنگنانے لگا۔ اور پین ٹھنڈی سانس نکال کر اپنی زنگ زدہ بندوق کو دیکھ رہا تھا جیسے اُسے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔

''شراب پیو گے؟''۔ موریسن نے پوچھا۔

پین نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور موریسن نے رم بھرے چمڑے کی ایک بوتل اُس کی طرف بڑھا دی۔ وہ کچھ دیر تک اسے ایک دوسرے کو منتقل کرتے رہے اور جب یہ خالی ہوا تو انہوں نے اسے پھینک دیا ''تم انسانیت کے ساتھ پیار کرو''۔ پین نے اقتباس کہا، اور موریسن نے کہا ''بکواس بند کرو''۔

''تم نہ صرف ظلم کی مخالفت کی جرات کرو بلکہ ظالم کی بھی، اٹھ کھڑے ہو!''۔

''تم پہ خدا کی مار۔ چُپ ہو جاؤ''۔

''اچھا''۔ پین نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''بس اب یہاں سے باہر نکلو، آؤ اس بد بخت جگہ سے باہر نکلیں اور دوبارہ اس کی صورت نہ دیکھیں''۔

انہوں نے راریتان عبور کیا اور دریائے ہڈسن کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ فورٹ لی کی طرف سے چلنے لگے جو شمال میں تیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ وہاں ایک گیریزن تھا اور واشنگٹن کی فوج کے بہادر آدمیوں کی گنجائش تھی جنہوں نے اپنی بندوقیں تھام رکھی تھیں۔ وہ ستمبر کے سرد دنوں میں گھسٹ گھسٹ کر چلتے ہوئے، اپنی بندوقیں کندھوں پر اٹھائے پرانی سڑک پر ایلز بتھ ٹاؤن تک گئے۔ پورے فلیڈیلفیا ملیشیا میں سے دو، صرف دو رہ گئے تھے۔ ایک لمبا، جنگل کا رہائشی اور ایک ڈھلوان کندھوں، کشادہ گردن والا انگریز، پیشہ: انقلابی۔ مگر سارے الم غلم میں سے دو،

صرف دو سڑک کے ساتھ ساتھ گھسٹتے رہے۔ وقتاً فوقتاً بھگوڑے، کسان، گوالے، گایوں کے چرواہے اور حتیٰ کہ برطانوی گشت پارٹی انہیں جھاڑیوں میں چھپنے پر مجبور کرتے۔ اُن کے پاس کچھ پیسہ نہ تھا مگر موسم اچھا تھا اور وہ کسی کھیت میں سو سکتے تھے اور ایک آگ پہ مکئی کا سٹہ بھون کر کھا سکتے تھے۔

ٹام پین نے فلیڈلفیائیوں کے منتشر ہو جانے میں ذرا سکون محسوس کیا۔ کمزور چلے گئے اور توانا لوگوں میں سے چند رہ گئے۔ اور اس نے اس لمبے، آہستہ بات کرنے والے فلیڈیلفیائی جیسا کامریڈ پہلے نہ دیکھا تھا۔ وہ اُس کے لیے ''کامن سینس'' میں سے پڑھتا، اور اُن کے درمیان احترام کا ایک رشتہ بن گیا۔ موریسن نے اُسے بتایا کہ کس طرح اس کی بیوی اور بچہ مر گئے اور اُسے تاریک جنگل میں تنہا چھوڑ گئے۔ وہ گھسٹتے ہوئے ایک دوسرے کی تنہائیوں میں شامل ہوتے رہے اور ایک دوسرے کے خیالات جاننے لگے۔ اُن وقتوں میں، جرسی کے میدان دھواں اگلتی فیکٹریوں اور ریل کے نہ ختم ہونے والی بھول بھلیوں سے ڈھکے نہیں ہوتے تھے، بلکہ صنوبری بیابان کے درمیان، سلفر کے دلدلی علاقے میلوں تک پھیلے ہوئے تھے، جن میں صرف چکر کاٹتے پرندوں کے غول، سانپ اور مینڈک آباد تھے۔ دن کے وقت اجاڑ، مگر صبح اور جھٹ پٹ کے وقت یہ ایک غیر زمینی چمک کے ساتھ چمکتا تھا۔

جب وہ ایلز بتھ ٹاؤن سے گزر گئے، تو وہ گھنٹوں تک میدانوں کے بیچ خاموش چلتے رہے۔ اس نے موریسن کو اُن چیزوں کے بارے میں بتایا جو اس نے ایک بچے کے بطور لندن کے جہنم میں دیکھے تھے، اُمید جو، اُن میں بہت کم رہ گئی بلند ہوتی گئی، اور جو ہڑوں کی خاموش جگہوں نے انہیں جرات دے دی۔ وہ اب رابرڈیو پر ہنس رہے تھے۔

اور پھر موریسن کو ایک برطانوی سنتری نے سر پر گولی مار دی تو وہ اندھیرے میں لڑکھڑا گئے، سنتری پین سے زیادہ خوفزدہ تھا، بھاگ گیا اور پین نے، جس نے کہ جنگ کی اپنی پہلی فائرسنی، اپنے دوست کی بندوق اٹھالی اور چلتا رہا۔

وہ راستہ بھول گیا، اس کے کپڑے پسینہ سے تر اور گندے ہو گئے تھے، وہ ایک آگ کے قریب پہنچا جہاں دو بھگوڑے بیٹھے تھے۔ وہ سترہ سال کے لڑکے تھے جنہوں نے فوراً اپنی بندوقیں اٹھائیں اور غرّانے والے جانوروں کی طرح سامنے کھڑے ہوئے۔

''کون ہو تم؟''۔

''پین.....ٹام پین''۔

''اور تم کیا چاہتے ہو، خدا کی مار ہو تم پر''۔

''فورٹ لی کا راستہ۔ بس''۔ اس نے پرسکون انداز میں کہا۔ قیاس کی اندرونی حیرت کے ساتھ یہ مشاہدہ کرتے ہوئے کہ وہ ان دو بچوں سے خوفزدہ نہیں ہے۔ خوفزدہ نہیں بلکہ صرف گہرے انداز میں غمگین اور اپنے دیکھے ہوئے خوابوں سے جاگ رہا ہے۔

''اُس طرف''۔ انہوں نے جب دیکھا کہ وہ اکیلا ہے تو وہ نرم پڑ گئے۔

''کیا وہ ابھی تک ہمارے قبضے میں ہے؟''۔

قہقہوں سے ان کے جسم ہلنے لگے ''ہمارے قبضے میں ہے''۔ ان میں سے ایک کہنے لگا۔

''تم کیوں بھاگے ہو؟''۔

''تم جہنم میں جاؤ حرامزادے۔ تمہارا اس سے کوئی واسطہ نہیں''۔

''کیوں؟''۔

اور پھر دوسرے نے اپنی قمیص اٹھالی اور کوڑوں کے تازہ نشان دکھائے۔

ایک نچلی ٹوپی کی طرح فورٹ لی پیلیسیڈ کی چوٹی پر واقع ہے۔ اس کی مخالف سمت مینہٹن ساحل پر، واشنگٹن فورٹ ہے۔ اُسے چارلس لی کے نام پر رکھا گیا، وہ انگریز جس نے اپنی خدمات نوآبادیوں پر ایک معقول رقم کے عوض بیچ دیں، جو کہ اپنی ساری عمر ایک پیشہ ور سپاہی رہا، جو شان کی خود اپنی شاداب و فراواں تصورات پر زندہ رہا۔ دوسرے کا نام ورجینیا کے ایک کاشتکار پر رکھا گیا جس نے ساری براعظمی افواج کے کمان کی غلطی کی تھی، اور جو اگست سے لگاتار شکست پر شکست کے

کوڑے کھا رہا تھا۔ وہ کاشتکار پہلے ہی ماسوائے فورٹ واشنگٹن کے سارا مینہٹن دشمن سے ہار گیا تھا۔ اسے مینہٹن سے بھگا دیا گیا اور ملٹری عنصر کے بطور تقریباً اس کا خاتمہ کیا گیا۔ وہ اب اپنی منتشر فوج کو نئے سرے سے منظّم کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ فورٹ واشنگٹن خالی کیا جائے یا نہیں۔

فورٹ لی کے کمانڈر خوبصورت نوجوان کوئیکر جنرل نیتھنیل گرین کو یقین تھا کہ دریائے ہڈسن کے آر پار دونوں قلعوں کا جب تک ضرورت ہوگی قبضہ اپنے پاس رکھا جا سکتا ہے۔ وہ ٹھیک سمجھتا تھا کہ وہ دونوں قلعے ہڈسن کا دروازہ ہیں، اور ہڈسن نو آبادیوں کا گیٹ ہے۔ اب فورٹ لی پر اُسے اطلاع دی گئی کہ ایک شخص کیمپ پہنچا ہے جو خود کو ٹام پین کہتا ہے۔

''پین؟'' گرین نے پوچھا۔ اس کے پاس ایک کتاب تھی، ایک چھوٹی بائبل جسے ''کامن سنس'' کہا جاتا ہے جو دو درجن پڑھائیوں کے بعد ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ ''اچھا' اسے لاؤ' پین نام بتایا تھا؟۔ اسے لاؤ''۔

''میں آپ کو جانتا ہوں بھی اور نہیں بھی جانتا''۔ گرین نے پین سے کہا، جب وہ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک لمبا، سورج زدہ، خوبصورت اور اپنے بھینس کی کھال سے بنے ہوئے اور نیلے جھالر دار وردی جو اس نے اپنے کمانڈر کے ورجینیا ملیشیا یونیفارم کے سٹائل میں بنایا تھا۔ اور دوسرا چوڑا اور گھٹا ہوا، طوطے کی ناک والا، بال گرہ دیے ہوئے اور تین روز کی داڑھی والی ٹوڑھی۔ اس کے پرانے کپڑے خون اور میل سے اٹے ہوئے تھے۔ ''آپ کامن سینس ہیں۔ ہیں ناں؟''۔

پین نے سر ہلایا اور انہوں نے مصافحہ کیا۔ گرین ایک لڑکے کی طرح جذباتی ہوا، اپنے سنتریوں کو بلایا۔ اس کا تعارف کرایا، بھاگتا ہوا اپنے خیمے گیا اور پین کی کتاب کی اپنی والی بوسیدہ کاپی لایا۔ صفحوں کو الٹتا پلٹتا رہا، مسکراتا رہا اور اپنی آنکھوں کو یقین دلاتا رہا کہ پین اس کے سامنے موجود تھا۔

''آپ نہیں سمجھتے۔ یقیناً آپ نہیں جانتے کہ اس کا مقام ہمارے لیے کیا ہے۔ سب کچھ۔ آپ یقین کریں گے؟''۔

''میں یقین کرنا چاہتا ہوں''۔

''اچھا''۔

''اچھا۔ آپ کو پتہ ہے کہ ہمیں مار پڑی ہے، چھپانے کی کوشش کا کیا فائدہ؟۔ ہمیں بُرو کلن سے نکال باہر کیا گیا ہے اور ہمیں نیویارک سے باہر بھگا دیا گیا ہے۔ مینہٹن میں جو کچھ ہمارے قبضے میں ہے وہ قلعہ ہے۔ پھر بھی ہم اس امید میں ہیں کہ ہم سب کچھ واپس لے لیں گے۔ صرف فوجی امید ہی نہیں بلکہ یہاں جو کچھ آپ نے ہمیں دیا ہے۔ ایک ایسی چیز جسے چبایا جائے، جس میں دانت گاڑے جائیں۔ ایک ٹھوس چیز جو وہ ہم سے نہیں چھین سکتے۔ خود میں نے ستر کاپیاں خریدیں اور سپاہیوں کو پڑھنے پر مجبور کیا جنہوں نے اپنی پوری زندگی کتاب نہیں کھولی تھی.....''۔

پین نے بدحواسی سے سر ہلایا۔

''اور اب آپ یہاں ہیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے آپ کا یہاں ہونا۔ میں قسم کھاتا ہوں سر، میں آپ کو ایک پوری رجمنٹ سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں، اور جنرل بھی یہی کہے گا جب آپ سے ملے گا''۔

ایک دن کے لیے پین کو تنہا چھوڑا گیا۔ اس نے گرین کو بتایا تھا کہ وہ چاہتا ہے کہ اُسے تنہا چھوڑا جائے تاکہ کیمپ کے گرد چکر لگائے، خود کو صاف ستھرا کرے، سوچے۔ اس نے گرین کو بتایا کہ اسے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوچنا تھا۔ ''جو چاہے کریں'' گرین نے کہا ''جب آپ تیار ہوں ہم بات کریں گے''۔

پین قلعے میں مسرت سے گھومتا رہا، چوٹی پر جا کر کسی درخت کے تنے کو پکڑ کر نیچے ہڈسن کی رقصاں چھوٹی لہروں سے لے کر سبز درختوں سے بھرے مین ہٹن کی پہاڑیاں دیکھتا۔ اصل میں لی ایک قلعہ کی بہ نسبت ایک سرائے زیادہ تھا، برائے نام محفوظ کیا گیا تھا لیکن دریا کے اوپر بنا یہ خوبصورت بہت تھا۔ اس نے توقع سے زیادہ آسانی کے ساتھ سپاہیوں سے گپ شپ کی۔ وہ یانکی تھے۔ اُن میں سے کئی ''مڈل نیو انگلینڈ'' کے گاؤں سے تھے۔ کیمپ میں اس بات کا شور تھا کہ وہ''

کامن سنس'' کا مصنف تھا اور وہ اُسے اپنی طرح سادہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ وہ خود بھی محنت کش تھے، اُس میں انہوں نے ایک ایسے شخص کے سارے نشان دیکھ لیے جس نے اپنے ہاتھ، جھکے ہوئے کندھے، بھاری ہتھیلیاں اور چھوٹی انگلیاں، موٹے گٹھے ہوئے بازو بے دریغ استعمال کیے۔ انہوں نے اُس سے اُس کی کتاب کے بارے میں باتیں کیں۔ اور وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ وہ مادی حقیقتوں کا، نوآبادیوں کی تجارت، بحری جہاز بنانے کی قوت، کپڑا بافی، مینوفیکچرنگ کے بارے میں بہت دلچسپی سے تجزیہ کر سکتے ہیں۔ اُس سے ملنے کے دس منٹ بعد وہ ایسی کہانیاں سنا رہے تھے جو گرین کوڑوں سے بھی اُن سے نہیں نکال سکتا ہے۔ انہوں نے اُسے اپنے والدین کے بارے میں بتایا۔ بیویوں، بچوں، کھیتوں کے بارے میں بتایا۔ ان سے کئی بیس برس سے کم عمر کے لڑکے تھے۔ سرخ گالوں والے لڑکے جنہیں اس کی پوری کتاب زبانی یاد تھی۔

''آپ کو یاد ہے سر؟''۔ وہ کہتے۔

اور اُسے یاد نہیں تھی۔ یہاں ایسوسی ایٹرز والا کامریڈ، سٹیزن اور خود شناس ڈرامائیت نہیں تھی بلکہ دنیا کی بہترین فوجوں کا سامنا کرنے کی دبائی گئی حقیقت پسندی تھی اور مسلسل شکست کھانے کی سچائی کی پہچان تھی۔

''یس سر۔ آپ اسے عظیم دیکھیں گے''۔ اور وہ اُسے اُس کے اقتباسات سناتے جاتے۔ ''اب کانگریس کے لیے مندوبین کا معاملہ، جیسے آپ کہتے ہیں۔ میں اس کا استثنا نہیں لوں گا مسٹر پین، مگر میں ایک تجویز کا ایک ذرہ پیش کر سکوں گا۔ آپ قیاس کرتے ہیں کہ کانگریس ایک صدر چن سکے گی.....''۔

وہ دلیل بازی کرتے تھے، دلچسپی لیتے تھے اور زندہ تھے۔ مگر اُن کی تعلیم میں نفاستیں نزاکتیں شامل نہ تھیں۔ وہ اپنی ایک جگالی میں مستغرق طرز پر ناک میں انگلیاں ٹھونستے تھے، تمباکو چباتے تھے اور جہاں مرضی تھوکتے تھے۔ وہ صاف ستھرے نہیں تھے۔ وہ ورجینیائی اور میری لینڈ والوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جس کے ساتھ وہ مستقل طور پر جھگڑتے اور لڑتے تھے۔

پین نے موریسن کی رائفل دے دی۔ اُس کے لیے اس کی پرانی بندوق ہی ٹھیک تھی اور

وہ اس سے کسی چیز کو مارنے کی اپنی اہلیت پر بہت مشکوک تھا۔ اس نے لمبی بندوق ایک ورجینیائی کو دی جو اسے استعمال کر سکتا تھا۔

جب گرین نے پین سے ایسوسی ایٹرز کی پوری کہانی سنی تو سر ہلایا اور کہا۔ ''یقیناً ایسا پہلی بار نہیں ہوا۔ ایسا نصف درجن جگہوں پہ ہوا۔ ایسا تو ہمارے ساتھ بھی ہوا''۔

''وہ بزدل نہ تھے''۔ پین نے کہا۔

''مرد بزدل نہیں ہوتے۔ یہ ایک توازن ہوتا ہے۔ یا ٹھہر کر لڑنا بہتر ہوتا ہے یا بھاگ جانا بہتر ہوتا ہے''۔

''ان کے پاس کوئی سمت نہ تھی''۔ پین نے کہا ''وہ خدا جانے کتنے سو برسوں سے کچھ خاص چیزوں سے ایک سانچے میں تشکیل پائے ہوئے تھے۔ اور ایک ہی رات میں آپ انہیں کیسے سانچے سے باہر کر سکتے ہیں؟۔ اور ان کے پاس کوئی لیڈر شپ نہ تھی۔ پیچھے فلیڈیلفیا میں رش نے مجھے بتایا کہ انقلاب ایک ٹیکنیک ہے۔ ہم اس ٹیکنیک کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''۔

''کچھ بھی نہیں.....''۔

''اور پھر بھی میں اس خیال سے آشنا نہیں ہوا کہ کاز برباد ہو چکی ہے۔ کیا آپ کے خیال میں یہ برباد ہو چکا ہے؟''۔

گرین نے نہ کہا، مگر یقین سے نہیں۔

''نہیں، یقیناً نہیں۔ یہ تباہ نہیں ہوا''۔ پین نے سر ہلایا اور اپنی بھاری انگلیوں سے اپنے ابرو رگڑے ''انقلاب تو نئی چیز ہے، ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ کتنا نیا ہے۔ میں کبھی کبھار سوچتا ہوں کہ پچھلے سال اپریل میں دنیا کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے''۔ اس نے گرین سے پوچھا کہ یہ کتنا لمبا ہوگا، کتنے سال اور۔ گرین نے کہا کہ اُسے پتہ نہیں۔ یہ بیس سال ہو سکتے ہیں یا ایک سو سال۔ وہ ایک دوسرے پر مسکرا دیے، گرین نے اپنے بڑے مضبوط دانت دکھائے، اس کی نیلی آنکھیں اس کردار کی تحسین میں چھوٹی ہو گئیں جو وہ دونوں اس عجیب وغریب مزاحیہ کھیل میں ادا کر رہے تھے۔

پین کو یہ سن کر راحت ملی کہ کوئی وہی کچھ بول رہا تھا جو کچھ کہ وہ سوچتا رہا تھا۔ گرین نے کہا کہ وہ خوش ہے کہ پین وہاں تھا۔

''یہ کوئی اہم بات نہیں''۔ پین نے کہا۔

''نہیں۔ میں سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایک کمپین کس طرح بنائی جائے۔ مگر اس میں کیا اچھائی ہے اگر وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کیوں لڑ رہے ہیں؟''۔

''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں انہیں بتا سکتا ہوں؟''۔

''ہاں، میرا یہی خیال ہے''۔ گرین نے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے''۔

''اگر آپ ایک افسری چاہیں؟'' گرین نے پوچھا ''تو اُس کا انتظام ہوسکتا ہے۔ کیپٹن آسانی کے ساتھ۔ اگر آپ چاہیں تو ایک میجر یا ایک کرنل ہوسکتے ہیں۔ ہمارے پاس بہت ہیں''۔

''نہیں۔ میں کچھ نہیں بننا چاہتا''۔

''ایک لحاظ سے یہ عزت کا معاملہ ہے''۔ گرین نے غیر یقینی انداز میں کہا۔

''اگر میں ٹام پین کی حیثیت سے اُن کی عزت نہیں حاصل کرسکتا تو یہ میرے لیے اچھا نہ ہوگا''۔

''ہاں.....''۔

''دیکھیے۔ میں انہیں صرف دلائل دے سکتا ہوں۔ مجھے لڑائی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے''۔

وہ ہیکن سیک میں تھا جب فورٹ واشنگٹن قبضہ ہوگیا، تین ہزار افراد کی پکی فصل برطانویوں کے ہاتھ چلی گئی، ہیکن سیک میں فورٹ لی سے پانچ میل اندر تباہ حال کانٹی نینٹل افواج کی ایک وسیع کیمپ تھی، جرسی اور پنسلوانیا والوں کی غیر ڈسپلن والا ایک، گندا، خستہ کیمپ جس نے پین کو فلیڈ یلفیا ملیشیا کی ایک غمگین یاد دلادی۔ کیمپ کا پڑاؤ، ہر عمر کی عورتیں۔ زوال کے سارے

مرحلوں میں ہر عمر کی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ مردوں کے پاس مرغیاں اور سوئر تھے اور وہ اپنا وقت مقامی کاشتکاروں کی نہ مرنے والی نفرت کما کر گزارتے تھے۔ گرین نے اس سے کہا تھا: ''وہاں جائیں اور دیکھ لیں کہ اگر آپ ان سوئروں کو سمجھا سکیں کہ وہ کیوں لڑ رہے ہیں''۔

جب اس نے انقلابی فوج کی بات کی تو ''سوئر'' اس پر غرائے۔ جب اُس نے انہیں یہ بتانے کی کوشش کی کہ لوگ جنگل کے کنارے پہ اس چھوٹے سے تمدن کے لیے مرنا کیوں چاہتے ہیں، تو انہوں نے اُسے گارے سے لیپ دیا، اور اُس نے زندگی میں پہلی بار اپنا مُکہ استعمال کیا۔ وہ تو بہت زیادہ طاقتور تھا، اور اس کے بڑے کندھوں نے مضبوط پٹھوں کی تہوں کو چھپا رکھا تھا۔ انہوں نے اُس کی عزت کرنی شروع کی جب اس نے اُن میں سے کچھ کو زمین پر گرا دیا۔

آرٹلری کے موٹے کرنل ہنری ناکس نے، جو کہ کیمپ کی کمان کر رہا تھا تعریفی انداز میں کہا ''وہ یہی زبان سمجھتے ہیں''۔ وہ ایک زمانے میں ایک کتب فروش رہ چکا تھا، اور حتیٰ کہ خود سے تھوڑی پبلشنگ بھی کی تھی اور وہ پین کو اپنے لیے خدا کی نعمت قرار دیتا تھا، ایسا شخص جس سے بوریت کم ہوتی تھی۔ ''کامن سینس'' کی زبردست کامیابی کے بارے میں بات کرتے ہوئے، وہ پین کو گھنٹوں تک اپنے خیمے میں رکھ سکتا تھا، اور بوتل کے لیے اچھی سنجیدہ پسندیدگی کے باعث وہ خاموشی اور گرمجوشی سے کئی شاموں کو پیتے تھے۔ ناکس ایک موٹا مسکراتا چھبیس برس کا نوجوان تھا، رنگین طبیعت کا۔ وہ مستقل طور پر اپنی بیوی کے بارے میں باتیں کرتا تھا اور بار بار پین کو کتاب کی فروخت کی کہانی سنانے پر زور دیتا تھا۔ وہ دنیا میں اس گندے، غیر منظّم، بغاوتیں کرنے والے کیمپ کی کمان کرنے والا آخری شخص تھا۔ کیا وہ دو لاکھ سے زیادہ کی تعداد میں بکی؟۔

پین کو معلوم نہ تھا۔ اسے پکا پتہ نہیں تھا اور انہوں نے پرنٹنگ کے سارے پیروں کے نشان گم کر دیے تھے۔ اور پھر یہ تو اجازت کے بغیر ہر جگہ سے چھپتی رہی۔

''مگر یار، یار۔ اس کے اندر قسمت موجود تھی''۔ ناکس نے کہا۔

''میرا یہی خیال ہے''۔

''اور تم نے اسے چھوا بھی نہیں۔ خدا کی قسم، وہ عظیم الشان تھی!''۔

پین نے کندھے اچکائے، اور پھر ناکس نے اس کے پڑھنے والوں کی تعداد کے بارے میں اندازہ لگانا شروع کر دیا۔ شاید غلام آبادیوں میں ہر خواندہ شخص نے اُسے پڑھا ہوگا۔ غالباً دس لاکھ لوگوں نے، تین میں سے ایک شخص نے۔ مگر اتنی زیادہ تعداد بمشکل ممکن تھی۔ مگر پھر بھی یہ تصور چکرا دینے کے لیے کافی تھا۔

''اور یہاں؟''۔ پین نے پوچھا ''ہم کیا کرتے ہیں اور کہاں جاتے ہیں؟''۔

ناکس نے کہا کہ اسے معلوم نہیں۔ وہ یہاں تھے اور برطانوی دریا کے اُس پار تھے، اور لگتا ہے ہمیشہ کے لیے ایسا ہی رہے گا۔ شروع میں تو یہ خوفناک تھا، ہر مدبھیڑ میں انہیں مار پڑتی تھی، مگر اب وہ لڑنا سیکھ رہے تھے۔ شاید یہ اسی طرح دکھائی نہ دیتا ہو، کیمپ جیسا تھا ویسا ہے، لیکن وہ سیکھ رہے تھے.....

یہ فورٹ واشنگٹن کے قبضہ ہونے سے صرف چند ہفتے پہلے کی بات تھی۔ قلعہ، ہڈسن دریا کے مشرقی کنارے پر ایک چوڑی جگہ پہ واقع تھا۔ وہ ناقابلِ تسخیر لگتا تھا۔ گرین یہی خیال کرتا تھا اور ناکس بھی۔ اگر واشنگٹن کو شک ہوتا تو وہ انہیں اپنے ساتھ رکھتا۔ اور یہ صرف ویسٹ چیسٹر میں پانچ ہزار آدمیوں کی کمان کرتا ہوا چارلس لی تھا جو برملا کہتا رہتا تھا کہ اس قلعے کی حفاظت نہیں کی جا سکتی۔ اسے رکھا نہیں جا سکتا تھا؛ اس کے گرد پہاڑیوں پر قبضہ کیا جا چکا تھا۔ دفاع کرنے والے پسپا ہوئے، ایک جانب کھسک گئے، پسپائی سے کاٹ دیے گئے۔ قلعہ بھگوڑوں سے اس قدر بھر گیا تھا کہ یہ اپنی دفاع میں ایک بھی فائر نہیں کر سکتا تھا۔ تقریباً تین ہزار افراد پکڑے گئے اور واشنگٹن دریائے ہڈسن میں ایک کشتی میں موجود یہ سارا کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے اندر موجود تھوڑی سی امید کو ریزہ ریزہ اور غائب ہوتے ہوئے دیکھا۔

پین دوبارہ قلعے کے قبضہ میں جانے سے چند روز قبل اس سے ملا، اور ورجینیائی نے تقریباً مایوسی سے کہا تھا:

''اچھا ہے تم یہاں ہمارے ساتھ ہو۔ وہ فلیڈیلفیا کے بارے میں نہیں جانتے۔ ان کا خیال ہے کہ ایک جنگ اور ایک انقلاب بہت ہی سادہ بات ہے''۔

پین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

''لوگوں سے بات کرو''۔ واشنگٹن نے کہا۔ ''ان سے باتیں کرتے رہو اور انہیں یہ چیز ذہن نشین کرا دو''۔

پھر قلعہ چلا گیا اور اختتام نظر آ رہا تھا۔ پین ٹھوس انداز میں بیٹھا ناکس کو روتے ہوئے اپنا غصہ اور مایوسی نکالتے دیکھ رہا تھا۔ مگر جب وہ انگریز کی طرف ہمدردی کے لیے مڑا، تو پین نے کبھی کبھار تلخ ہونے والی اپنی طبیعت سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

''بے وقوف احمق آدمی۔ تم نے کچھ نہ ہونے کی توقع کی تھی کیا؟۔ کیا تمہاری توقع تھی کہ وہ ہمیں امریکہ دے دیں گے؟''۔

''نہیں۔ مگر پورا گیریژن.....''۔

''اور ہمارے ختم ہونے سے پہلے یہ تین ہزار آدمیوں سے زیادہ ہوں گے۔ احمق نہ بنو''۔ پین نے ظالمانہ انداز میں کہا ''رونا بند کر دو.....کیا تم آنسوؤں کے لیے بنے ہو؟''۔

ہیکن سیک میں کیمپ تحلیل ہو رہا تھا۔ روزانہ زیادہ سے زیادہ لوگ بھگوڑے ہو رہے تھے۔ پین ایک ایک شخص کے پاس جاتا، دلائل دیتا، دھمکی دیتا، اپنے بڑے مُکّے استعمال کرتا۔ اور وہ اُسے سنتے تھے، اس لیے کہ وہ ایک افسر نہ تھا، اس لیے کہ وہ ان میں سے ہر ایک کی طرح ایک نہ سنورا سنگھارا ہوا اور بدحال تھا۔ وہ چند الفاظ ہی کہتا جو کسی شخص کے دل میں آگ بھڑکا لیتا۔ وہ تسلیم کرتا تھا کہ یہ مشکل تھا اور یہ مشکل تر ہونے والا تھا۔ مگر انہوں نے پکنک کا تو نہیں سوچا تھا۔ انہیں تنخواہ نہ دی جاتی، خود اُسے بھی تنخواہ نہیں ملتی تھی اور وہ انہیں اپنی جیبیں باہر نکال کر دکھاتا۔ اُن کے جوتوں میں سوراخ تھے، تو اُس کے جوتے بھی پھٹے ہوئے تھے۔ تو پھر کیوں؟ ''میں جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں؟''۔ وہ دانت پیس کر کہتا ''میں اپنے گھونسلے کو تنکے تنکے سے مضبوط کر رہا ہوں''۔ کیسے؟۔ وہ انہیں بتاتا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ رہنے کے لیے اچھی جگہ تھی، آرام دہ، ایک مزدور کے لیے اچھی جگہ۔ وہ جانتا تھا۔ وہ ایک بریزیئر ساز، ایک موچی، جولاہا، ایکسائز والا اور پتہ نہیں کیا کیا رہ چکا تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ دشمن یہ نہیں بھولے گا کہ اب تک کیا ہوا۔ ''آج چھوڑ دو،

تو پھر ساری زندگی خمیازہ بھگتو''۔ وہ انہیں بتاتا۔اور ایک بار جب وہ محکمہ رسد کے آدمی سے کمیاب شراب کا ایک پیپالہ پی لیتا اور اُن سب کے ساتھ مدہوش ہو جاتا، تو جس طرح وہ سمجھ سکتے تھے، غراتے ہوئے، چیختا۔

''ٹھیک ہے۔ٹھیک ہے سٹیزن''۔ وہ اُن سے کہتا'' تھوڑا سا یہ تھوڑا سا وہ۔ہم تو ابھی شروعات کر رہے ہیں''۔

پھر دشمن نے ہڈسن دریا عبور کیا، انہیں پہلو سے آن لیا، اور گرین کو اپنی گیریزن فورٹ لی سے نکالنی پڑی۔ تیزی سے دوڑتے ہوئے ہیجان زدہ، ہیکن سیک کی طرف کی سڑک پر دوڑتا ہوا ہجوم، جن کی قیادت واشنگٹن کر رہا تھا، گرین اور بوڑھا ازرائیل پُٹمین انہیں کوڑے مارتے ہوئے ہانک رہے تھے۔ہیکن سیک میں جب انہوں نے اس ہجوم کو دوبارہ منظّم کرنے کی کوشش کی تو مزید ہیجان ہوا۔اور پھر سارا انبوہ ہیکن سن سے نی وارک والی سڑک پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اب تین ہزار سے کم لوگ تھے۔ بارش ہو رہی تھی اور وہ کیچڑ میں گھسٹتے جا رہے تھے، کوڑے کھاتے ہوئے اور مصیبت زدہ ۔وہ ایک پسپائی شروع کر رہے تھے جس کا کوئی انت نظر نہیں آ رہا تھا۔اور یہی کچھ تھا جو عظیم الشان انقلاب اور عظیم الشان فوج سے بچ گیا تھا۔ نی وارک میں جرسی کے شہری اُن کا نظارہ کر رہے تھے جنہیں یقین تھا کہ وہ بدبخت ڈرامہ کا آخری سین دیکھ رہے تھے۔ وہ شہر میں سے ہوتے ہوئے بھاگ رہے تھے، گر رہے تھے، رینگ رہے تھے، اور بمشکل ایک سرے سے نکلے کہ دوسرے سرے سے برطانوی فوج داخل ہو رہی تھی۔

نیو برونزوک کو جانے والی سڑک پر سرما کی بارش برف میں تبدیل ہوئی، اور نرم رفتار برفباری میں سے مارچ کرتے ہوئے وہ بدحال اور بدہئیت بھوتوں کا ایک کالم تھے، توڑے دار بندوقیں اور زنگ آلود سنگینیں، یہاں وہاں ایک مرغے کی کلغی لگی ہیٹ، ایک پٹی، سستی سے ہچکولے کھاتا توپ..... کوئی آواز نہیں، کوئی گیت نہیں اور کوئی خوشی نہیں ۔ ایک آدھ افسر اپنے

گھوڑوں پر سردی سے بچنے کے لیے چہروں کو نیچے جھکاتے ہوئے۔ سڑک پتھر کی دیوار تھی، سفید برف سے سخت ہوئی ہوئی۔ کھیت مرے ہوئے اور ہموار تھے اور گھر بند دروازوں کے دونوں طرف نقاب پہنے ہوئے تھے۔

پین ایک لڑکے ساتھ ساتھ چل رہا تھا جس کا نام کلائڈ میٹن تھا، اور جو''مین'' کا رہنے والا تھا۔ وہ خود اپنی اور لڑکے کی بندوقیں اٹھایا ہوا تھا۔اس نے اس کے پتلے کندھے کے گرد اپنا بازو حمائل کیا ہوا تھا۔''یہ مارچ مختصر ہے''۔ پین نے کہا''جب کوئی قدم گننے کے بجائے سڑک کا سوچے تو''۔

''میرے حساب سے یہ ہر طرح سے بہت طویل ہے''۔

''آج رات ایک گرم آگ ہوگی''۔

''اُس میں کم آرام ہوگا۔ میں گھر جانے کا سوچ رہا ہوں''۔

''گھر تو بہت دور ہے۔ یہاں لوگ کم ہیں مگر اچھے ہیں''۔

وہ زخمیوں کے چھکڑوں کے ساتھ ساتھ چلتا اور انہیں کہانیاں سناتا۔ انہوں نے اُسے ایک اچھا کہانی سنانے والا پایا۔ وہ چیزوں کو مزیدار بناتا اور وہ لہجوں کی نقل خوب اتارتا۔اس نے پہلے ہی مختلف نو آبادیوں کے مقامی لہجوں پر عبور حاصل کر لیا تھا۔اُس کے پاس ادائیگی کے لیے ایک زبردست طریقہ موجود تھا۔اس کی نوکدار ناک ہر فقرے کے بعد اس کے اثرات کے بارے میں معلومات کرتی۔ اس کے باوجود کہ وہ نوع بہ نوع حالات سے گزرا تھا، وہ جسمانی طور پر کبھی تندرست نہ رہا۔ پھر بھی اس کا وسیع گندا اور کیچڑ چہرہ اطمینان عطا کرتا تھا۔اور خواہ یہ غلاظت میں اٹا ہوا چھکڑا ہوتا یا کوئی شخص تھکاوٹ کے ہاتھوں بے ہوش ہو جاتا، پین کے بڑے کندھے اور تختہ جیسے ہاتھ تیار اور راضی ہوتے ہیں۔اس سے قبل، طاقت کے کوئی معنی نہ ہوتے تھے، خچروں اور گھوڑوں اور غلاموں کی طاقت۔ مگر اب یہ ایک ایسی چیز تھی جو اُسے فوری طور پر مسرت عطا کرتی تھی۔ جب ایک توپ کے ساتھ ایک عقبی گارڈ پہ قبضہ جمائے رکھنے ناکس اور الیگزنڈر ہملٹن اور درجن بھر دوسروں کے ساتھ پیچھے رہ گئے تو اس نے دشمن کے ایک عقبی حملے کو اکیلا بھگا دیا تھا، گھوڑوں اور

تلواروں کے درمیان پھرکی کی طرح حرکت کرتے ہوئے، اور اپنے سر کے گرد اپنی بڑی توڑے دار بندوق کو ایک ہلکے بانس کی طرح، جواباً کچھ نہ وصول کرتے ہوئے ماسوائے آنکھ سے اوپر ایک معمولی خراش کے اور گال پہ ایک بارود کے جلانے کے۔ اس کے بارے میں تعریفی باتیں کرتے ہوئے نوجوان ہملٹن نے کہا:

''ویسے تو وہ کافی گندا اور لباس میں لاپرواہ ہے، مگر میں نے اب تک جتنے بھی بہادر دیکھے ہیں وہ سب سے بہادر آدمی ہے اور اس کے پاس ایک پاگل شخص جتنی قوت موجود ہے''۔

انہوں نے سڑک پہ جو خون آلود دھبے چھوڑ دیے جہاں ان کے ننگے پیر گھسٹتے جا رہے تھے، انہوں نے اسے گرین کی طرف سے بوٹوں کی پیش کش قبول کرنے سے انکار کروادیا۔ وہ اداکاری نہیں کر رہا تھا۔ مگر وہ ایسی زندگی جی رہا تھا جو ناقابل تردید طور پر اس کی اپنی تھی۔ یہ چیز انقلاب کہلاتی تھی۔ اس شکست خوردہ، بھاگتی ہوئی فوج میں ایک ٹکنیک سکھا رہی تھی، ایک ایسی زندگی سکھا رہی تھی جو وہ جی لیتا۔

رات کو جب وہ ایک قدم بھی آگے چل نہیں سکتے تھے، تو انہوں نے ایک جگہ آگ جلائی۔ اور یہ پین تھا جس نے سو آدمیوں کا کھانا پکایا۔ پین ہی تھا جو ایک لڑکے کا خوف دور کر رہا تھا، پین ایک شخص کی بیوی کا خط اسے پڑھ کر سنا رہا تھا اور جوابی خط لکھ رہا تھا۔ پین اپنے مڑے ہوئے گھٹنوں کے گرد اپنے مضبوط بازو لپیٹے آہستگی اور سادگی سے وضاحت کر رہا تھا کہ وہ کس لیے مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ وہ ایک سلطنت اور ایک دنیا کی سیاست واضح کر رہا تھا۔ رومنوں سے لے کر آج تک بنی نوع انسان کی جدوجہدوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔ چھوٹے لوگوں کے نئے دن کے بارے میں بتا رہا تھا، نہ صرف امریکہ میں بلکہ دنیا بھر میں۔

افسروں نے اُسے تنہا چھوڑ دیا۔ وہ اب اُن کے ساتھ کوئی کام نہیں رکھتا تھا، اور وہ جواباً سمجھتے تھے کہ ایک میلا، شیونہ کیا ہوا انگریز بریزیئر ساز اُن چند چیزوں میں سے ایک تھا جو امریکی کاز کو پتلی ہوا میں حل ہونے سے بچے کھچے کو زندہ رکھے ہوئے تھا۔

واشنگٹن وہ شخص نہ تھا جس سے پین فلیڈیلفیا میں مل چکا تھا، وہ محتاط سیکھا ہوا ور جینیائی ارسٹوکریٹ نہ تھا، نہ ہی امریکہ کا امیر ترین شخص اور ماؤنٹ ورنان کا لارڈ، بلکہ وہ خستہ اور لاغر، چہرہ اترا ہوا، ہلکی گرے آنکھیں سرخ اور نیلا یونیفارم، جس پر میل اور خون کے دھبے تھے۔ واشنگٹن نے پین سے کہا۔

''جو کچھ تم کر سکتے ہو.....''۔

''میں بہت کم کر سکتا ہوں'' پین نے کہا۔ ''اگر آپ کا مطلب کچھ لکھنے سے ہے، ایک ایسے شخص کو بتانا مشکل ہے جو مصیبتیں جھیل رہا ہو اور جس نے مزید مصیبتیں جھیلنی ہوں اور مزید قربانیاں دینی ہوں''۔

''میں آپ کو جانتا نہیں ہوں''۔ ورجینیائی نے کہا ''مگر میں تو اب کئی چیزیں نہیں جانتا جن کے بارے میں میرا خیال تھا کہ میں کبھی جانتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں ایک بریزیئر ساز پہ کیسے بھروسہ کروں، مگر میں یہ کر رہا ہوں۔ پین، مجھے خوشی ہے کہ میں تمہیں اپنا دوست کہہ رہا ہوں، اور میں فخر محسوس کروں گا اگر تم میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لو۔ ''کامن سنس'' کے رائٹر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک آدمی کے دوسرے آدمی کے بطور''۔

انہوں نے مصافحہ کیا، پین کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''اگر آپ کچھ لکھ سکیں''۔ واشنگٹن نے کہا ''نہ صرف فوج کے لیے بلکہ پورے ملک کے لیے۔ ہم اختتام سے اس قدر قریب ہیں.....''۔

پین سوچ رہا تھا کہ وہ اس شخص کے لیے خوشی سے اپنی جان دے گا، مرے گا، یا جس زمین پر وہ چلتا ہے اس پر گھٹنے جھکا دے گا۔

اچھا، ایک لکھنے والے آدمی کو لکھنا ہی چاہیے، اس کے گھٹنوں کے بیچ پکڑا ہوا ڈھول، آگ کی مرتعش روشنی کو روکنے کے لیے جھکی ہوئی ٹوپی کے ساتھ، وہ ساری رات قلم گھسیٹتا رہا، گھسیٹتا رہا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے، لوگ جو پین کو جانتے تھے اور اسی سے محبت کرتے تھے۔

لوگ جنہوں نے اس کے بازوؤں کی طاقت محسوس کی تھی، لوگ جو اس کے پہلو بہ پہلو بوجھل قدموں سے چلتے رہے تھے۔ وہ جو کچھ لکھتا جاتا وہ پڑھتے جاتے، کبھی کبھی تو اپنے سخت، ناک سے بولتے ہوئے دیہاتی لہجے میں:

''یہ وہ ساعتیں ہیں جو انسانوں کی روحوں کی آزمائش کرتی ہیں۔ گرما کے سپاہی اور سورج کے چمکتے محبّ وطن، اس بحران میں، اپنے ملک کی خدمت سے سکڑیں گے۔ مگر وہی جو آج کھڑا رہے گا وہی مردوں اور عورتوں کی محبت اور شکریے کا حقدار ہوگا۔ دوزخ کی طرح استبداد پر آسانی سے فتح نہیں پایا جاسکتا.....''۔

وہ پڑھتے:

''اگر کوئی مشکل ہے تو اُسے میرے زمانے میں آنے دو تا کہ میرے بچے کو چین نصیب ہو.....''۔

سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ نرمی سے پڑھتے اور بولتے:

''میں چند لوگوں کو نہیں کہتا بلکہ سب سے کہتا ہوں، اس یا اُس خاص ریاست سے نہیں بلکہ ہر ریاست سے کہتا ہوں، اٹھو اور ہماری مدد کرو، اپنے کندھے پہیے پر رکھو۔ جب اتنی بڑی چیز خطرے پر ہو تو کم قوت سے زیادہ قوت اچھی ہوتی ہے۔ مستقبل کی دنیا کو بتا دینا چاہیے کہ سردیوں کی گہرائی میں جب امید اور نیکی کے سوا کچھ اور نہیں بچ سکتی، ایک مشترک خطرے سے ہوشیار شہر اور دیہات اس کا سامنا کرنے اور پچھاڑ دینے کو سامنے آئے.....''۔

''میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں ڈرتا نہیں''۔ وہ پڑھتے، اور ہجوم کے دوسرے سرے پر کھڑے لوگ اُس سے درخواست کرتے۔ ''اسے پڑھو، ٹام''۔

''جہاں تک میرا خیال ہے' دنیا کے سارے خزانے مجھے ایک حملہ آور جنگ کی حمایت پر اکسا نہیں سکتے، اس لیے کہ میں اسے قتل سمجھتا ہوں۔ مگر اگر ایک چور میرے گھر میں گھس جائے، میری ملکیت کو جلائے اور تباہ کر دے اور مجھے قتل کرے یا قتل کرنے کی دھمکی دے، یا اُن کو جو اِس گھر میں ہیں، اور مجھے ''ہر حال میں اپنے مطلق ارادے سے باندھ دے'' تو کیا میں یہ مصیبت برداشت

کروں گا؟۔ میرے لیے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ شخص بادشاہ ہے یا عام آدمی، میرا ہم وطن ہے یا ہم وطن نہیں ہے۔ خواہ ایسا ولن انفرادی طور پر کرے یا اُن کی ایک پوری فوج کرے؟۔ اگر ہم چیزوں کی جڑوں پر دلیل دیں تو ہمیں کوئی فرق نہیں لگے گا، نہ ہی کوئی منصفانہ کا زد مہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم کیوں ایک معاملے میں سزا دیں اور دوسرے میں معاف کریں۔ انہیں مجھے باغی کہنے دو، اور خوش آمدید، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر میں کسی ایسے کے ساتھ وابستگی کی قسم لے لوں جس کا کردار ایک نشئی، احمق، ضدی، حقیر، وحشی آدمی جیسا ہو تو یہ اپنی روح کو ایک رنڈی بنانے کے مترادف ہوگا.....''۔

وہ سخت، ظالمانہ اور فحش الفاظ سمجھتے تھے، اور ایک درشت اور ناراض غراہٹ کے ساتھ اُن کی آوازیں آئیں:

''پڑھتے جاؤ''۔

9

طویل جنگ

فوج ،وقتی طور پر دلاویر کے اُس پار جنوبی کنارے میں محفوظ تھی ۔تب پین نے ازرائیل پُٹنام کے ساتھ فلیڈیلفیا جا کر اپنے لکھے ہوئے مقالے کو چھاپنے کا فیصلہ کیا۔ چونکہ وہ اب تک کے سب سے بڑے بحران سے گزرے تھے اس لیے اُس نے اِس کو''بحران'' کا نام دیا اور واشنگٹن اور گرین دونوں اس بات سے متفق تھے کہ یہ تحریر مددگار ثابت ہوگی ۔پُٹنام جو ایک تھکا ہوا،معمر شخص تھا، رضا کار ڈھونڈنے ،شہر چھوڑنے اور نظم برقرار رکھنے کی کوشش کے لیے جا رہا تھا مگر اُسے اپنے مشن پہ کوئی زیادہ یقین نہ تھا۔ پین اور وہ ساتھ ساتھ شہر کی طرف چلتے رہے۔اس نے منمنایا کہ یہ پورا ہوا۔

''نہیں، یہ پورا نہیں ہوا''۔پین نے کہا۔

''تقریباً..........'' پُٹنام نے کہا کہ پین ابھی جوان ہے اور وہ خود بوڑھا ہے، اسے جوڑوں کے درد کی بیماری، رومئے ٹزم ہے اور اُسے فلیڈیلفیا سے نفرت ہے۔ وہ خود ایک یانکی ہے، اور اسے مِڈ لینڈ والوں سے نفرت ہے۔

''وہ بھی اور لوگوں کی طرح ہیں۔آپ کو کہیں بھی کوئی بڑا فرق نظر نہیں آئے گا۔ عام لوگ عام لوگ ہی ہوتے ہیں''۔

''وہ؟۔وہ جہنمی اور گندے حرامزادے ہیں؟''۔

پین کے پاس رابرڈیو کی طرف سے ایک خط تھا۔ایک عذر پیش کرنے والا، معذرت خواہانہ خط۔تفہیم وقت لیتی ہے، رابرڈیو نے لکھا تھا۔مہم سے قبل سب کچھ ایک آتے ہوئے طوفان کی طرح لگتا تھا، اور کوئی مانتا ہی نہ تھا..........اور اب وہ طوفان آ چکا ہے۔

پین زیادہ سچائی کے ساتھ بولا جتنا کہ اسے بولنا چاہیے تھا۔ پٹنام پہ برستے ہوئے اس نے کہا:''تم سب افسر ایک جیسے ہو۔ملٹری فتح کے علاوہ کچھ اہم نہیں، اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو جن لوگوں کو تم کمان کرتے ہوئے وہ بھی شاید ٹین کے سپاہی ہیں''۔

''اس سے بھی کم تر''۔

''تم بڑے احمق ہو۔کیا ہم نے اچھا خاصا کام نہ کیا۔کیا تمہارا خیال ہے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر ایسا ہوگا؟''۔

پھر وہ خاموش چلتے رہے۔ برف ڈھکا نوکیلا پہاڑ ننگا، سرد اور تنہا تھا۔ جرسی، پنسلوانیا ہر جگہ گھروں کے کواڑ بند تھے۔ یہ ایک متجسس، بدمزاج سرزمین تھی، اور ایسا دونوں آدمیوں نے محسوس کیا۔انہوں نے دور سے فیلاڈیلفیا کے چرچ کے مخروطی مینار دیکھ کر فرحت محسوس کی۔

یہ ایک خوفزدہ شہر تھا۔اُس نے ایک گھر جلتا دیکھا، اور شعلوں سے لڑنے کوئی بھی نہ ملا، اور مشرقی جانب کی ہوا سے دھوئیں کی ایک چادر شیطان کی طرح ڈراؤنی۔ برادرانہ محبت کا شہر نہیں، خوفزدہ شہر۔ایک دکان کی کھڑکی تباہ، گلی میں ایک خستہ حال پرنٹنگ پریس، گھریلو اشیاء بھری ایک ریڑھی الٹی ہوئی۔لوگ دوڑتے تھے، آہستہ چلنے لگتے اور پھر دوڑنا شروع کرتے، اور ایک گلی کی نکڑ پر ایک سفری کوئیکر تبلیغی پکارا''جو شخص تلوار اٹھاتا ہے اسے تلوار کی موت مرنا ہے!''۔

اور بھگوڑے تھے جو ہر جگہ نیویارک ٹرینٹن تک طویل اور مغموم مارچ میں پیش آنے والی خبریں پھیلا رہے تھے۔یہ کیسے ہوا کہ فوج عدم میں تحلیل ہوگئی، اور غلطیاں کرنے والے لومڑی کے شکاری واشنگٹن نے یقیناً خود کو ٹانگ کر خودکشی کی ہوگی، اور چارلس لی ایک رنڈی کے مکان میں گرفتار ہوکر برطانیہ کا قیدی تھا، اور سپاہی اپنے جوتوں کا چمڑا کھا رہے تھے، اور گرین غدار بن گیا اور

اس نے جارج واشنگٹن کو قتل کر دیا، اور ہووے اور واشنگٹن قیدی تھے اور وہ ورجینیائی ایک ایک برطانوی فوج کی کمان کرتے ہوئے خود اپنے لوگوں پر چڑھائی کر رہا ہے۔

وہاں مغموم لوگ تھے جو پرانے چھکڑوں کی اونچائی تک اپنا سارا مال متاع لا دے جا رہے تھے: ''دشمن یہاں تک آ چکا ہے، تمہیں پتہ نہیں؟''۔

اور سخت لوگ اپنے ہوش و ہواس قائم رکھے ہاتھوں میں توڑے دار بندوقیں لیے اپنے کاموں پہ جا رہے تھے

''آنے دو انہیں!''۔

اور ایسے لوگ جنہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے، جبکہ کل تک سب خیر خیریت تھا۔

یہ وہ شہر نہ تھا جسے ٹام پین چھوڑ گیا تھا۔ دنیا چلتی رہتی ہے اور پھر اچانک کوئی واقعہ ہو جاتا ہے، اور پھر وہاں امن اور سکون لَوٹ کے نہیں آیا۔ چور اور گلا کاٹنے والے دلاور ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ سب پہلے وہی محسوس کرتے ہیں کہ ایک دور ختم ہو گیا ہے اور دوبارہ کبھی پہلے والے حالات نہیں آ سکتے۔

بَیل وہ کچھ نہیں چھاپے گا جو کچھ پین نے لکھا تھا ''یار، یار تو مجھے پاگل سمجھتا ہے؟''۔ وہ اپنے چھاپے خانے کی مشینیں اکھاڑ رہا تھا۔ ''جب کانگریس جائے گی میں بھی جاؤں گا'' اس نے کہا۔

''تم خوفزدہ ہو''۔

''ہاں، اور اس پر شرمندہ نہیں ہوں''۔

پین پرسکون تھا، ایک بدلا ہوا شخص بیل نے محسوس کیا۔ ایک عظیم الجثہ شخص، خستہ حال شخص جس نے کندھے سے ایک توڑے دار بندوق لٹکائی ہوئی تھی، مگر پرسکون اور وضاحت کرتا ہوا:

''تم غلط ہو بیل، برطانوی شہر پر قبضہ نہیں کریں گے اور خواہ وہ اِس پر قبضہ کریں یا نہ کریں کچھ کام کرنے ہوں گے۔ دیکھو، اسے چھاپنا ہوگا۔ میں اسے ''بحران'' کہتا ہوں۔ ہم پہلے بحران میں ہیں اور اُس میں سے گزر رہے ہیں''۔ خوشامدانہ انداز میں ''ہم اور تم اسے ایک ہی رات

میں چھاپ دیں گے''۔

''نہیں''۔

''بیل، خدا تمہیں غارت کرے۔ تم نے ''کامن سنس'' سے خوب دولت کمائی۔ تمہیں یہ چھاپنا پڑے گا خواہ تمہاری گردن پہ مجھے ایک سنگین رکھنا پڑے!''۔

''نہیں''۔

ایک لمحے تک وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے، اور پھر پین نے سرگوشی کی ''خدا تمہیں غارت کرے''۔ وہ واپس مڑا۔

پین نے اسے ''پنسلوانیا جرنل'' کو بیچ دیا، ایک ایڈیٹر کے ہاتھ جس نے بے رحمی سے مسکراتے ہوئے اسے بتایا کہ کانگریس پہلے ہی بالٹی مور کے لیے روانہ ہو چکی ہے۔

''جرأت'' ایڈیٹر مسکرایا ''ایک غیر مبہم تصور ہے۔ بلاشبہ ہمیں حکومت کو برقرار رکھنا چاہیے''۔

پین نے پیسے کا کہہ کر معذرت کی۔ اس نے یہ چیز پیسے کے لیے نہیں لکھی تھی، بالکل اُسی طرح جس طرح اُس نے ''کامن سنس'' پیسے کے لیے نہیں لکھی تھی۔ مگر جب انسان کا معدہ خالی ہو تو چند ٹکّے بھی ایسے ہی ضروری ہوتے ہیں جس طرح کہ سانس۔

''فلیڈیلفیا فوج سے بھی بدتر ہے''۔ پین نے وضاحت کی ''فوج منجمد ہو رہی ہے اور بھوک سے مر رہی ہے، مگر روٹی کا ٹکڑا بہرحال ملتا ہے۔ مگر شہر میں اگر آپ کے پاس جیب میں پیسہ نہ ہو تو آپ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتے''۔

ایڈیٹر نے سر ہلایا، اور حیران ہوا کہ کیا فوج اِسے استعمال کر سکتی ہے۔ وہ شہر سے تنگ آ چکا تھا۔

''کہیں جانا نہیں''۔ پین نے اداسی سے کہا ''بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ایسی چیز چھاپنے کی جرات کرتے ہیں جو چھاپنی ہوتی ہے''۔

انہوں نے مل کر کام کیا، اور جب وہ چھاپے خانے کی مشین پر پین کی لکھی کالی، چپکنے والی مینی فیسٹو کی کاپی پہ کاپی چھاپنے لگے تو وہ مسکرا رہے تھے۔

''یہ آگ ہے''۔ایڈیٹر نے کہا''میں نے بہت سی تحریریں دیکھی ہیں،مگر اس جیسی گرمجوش تحریر نہیں دیکھی''۔

''مجھے یہی امید ہے''۔پین نے کہا''خدا کی قسم مجھے یہی امید ہے''۔

وہ گلی میں رابرڈیو سے ملا،اور رابرڈیو نے اس سے مصافحہ کیا اور پوچھا کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے۔

''کہیں نہیں''۔

''تو آؤ میرے ساتھ گھر چلو''۔حیران کن تھا کہ اس خوف سے کانپتے شہر میں جنرل اِس قدر پرسکون تھا''آؤ میرے ساتھ''۔

''تمہیں تکلیف ہوگی''۔

''نہیں،آجاؤ''۔رابرڈیو معمر اور لاغر ہو چکا تھا۔اس کی آنکھوں کے پیچھے ایک سایہ تھا جو پین نے پہلے محسوس نہیں کیا تھا۔جب ایسوسی ایٹرز کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے اپنا سر ہلایا۔اس نے پین کو بتایا کہ یہ اس وقت ایک کھیل ہوا کرتا تھا۔

''مجھے پتہ نہ تھا۔میرا خیال ہے کسی کو پتہ نہ تھا۔کیا واشنگٹن کا صفایا ہو گیا ہے؟''۔

پین اب مسکرانے کے قابل تھا''تم اُسے نہیں جانتے''۔

''نہیں..... میں نہیں جانتا''۔اس نے پین کو بتایا کہ اس نے''بحران''پڑھ لیا ہے۔

''جانتے ہو اُسے پڑھ کر میں نے کیا محسوس کیا تھا؟۔یہ کہ میں گلاسٹرا ہوا ہوں،مکمل طور پر گلاسٹرا''۔پین نے سر ہلایا۔اس نے بھی یہی محسوس کیا تھا،اسے لکھتے ہوئے۔

''اس کو ایک پمفلٹ کی صورت میں چھپنا چاہیے''۔

''اب کسی میں ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔میں نے بیل سے کہا،وہ کانگریس کے ساتھ شہر سے بھاگ گیا۔جو پرنٹر رہ رہے ہیں وہ ایک تلوار پر رہیں گے''۔پین نے اپنی گردن کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اداسی سے کہا''میں نے خود بھی ایک رسی محسوس کرنی شروع کر دی۔

میرے لیے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے،میرے پاس ضائع کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور کسی کو زیادہ دکھ بھی نہ ہوگا.....مگر رسی گلے میں باندھ کر لٹکانا.....''۔

''میں جانتا ہوں''رابرڈیو نے کندھے اچکائے۔''ہمیں اُسے ایک پمفلٹ کی صورت چھاپنے کا بندوبست کرنا چاہیے''۔

''ہمیں شراب پینا چاہیے''۔

تھوڑی سی شراب نے انہیں بے تکلف کر دیا۔پین نے رابرڈیو کو بتایا کہ اس نے اس کے بارے میں ایمبائے میں کیا سوچا تھا،اور رابرڈیو نے تلخی سے مسکراتے ہوئے تجویز دی کہ پین کو نہانا چاہیے۔انہوں نے مصافحہ کیا،پین سوچتا رہا کہ درمیانی عمر کا ایک نرم شخص کیسے تبدیل ہو سکتا ہے اور ایک ایسے شہر میں رہ سکتا ہے جو مر چکا تھا۔اور وہ اس بات سے زیادہ پریشان نہیں کہ اُسے گلے میں پھندا ڈال کر لٹکایا جائے گا۔ وہ کسی پریس کی تلاش میں نکلے۔کاغذ خرید لیا اور اسے ایک چھکڑے پر لاد کر رابرڈیو کے گھر لائے۔پین تھک کر چور ہو چکا تھا اور سونا چاہتا تھا اور وہ ٹب میں اونگھ رہا تھا جسے رابرڈیو اور اس کے بیٹے نے گرم پانی سے بھر دیا تھا اور پھر بے چینی سے سو گیا جبکہ جنرل کاغذ ڈھونڈنے نکل پڑا۔جب وہ جاگا تو وہ بھول چکا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ایک نرم بستر، رضائیاں اور ایک روشن کمرہ اچھے فرنیچر کے ساتھ۔

جب رابرڈیو لوٹا تو پین بیٹھک میں بیٹھا سیاہ کافی پی رہا تھا اور ایک 24 سالہ خوبصورت لڑکی سے باتیں کر رہا تھا جو رابرڈیو کی بھتیجی تھی۔اس نے اُسے نیویارک سے فرار کا بتایا تھا،اور وہ پیچھے جھکی ہوئی تھی،اِسے نیم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی،اس کا چہرہ اور ہاتھ کھچاؤ میں تھے۔

''مگر ہم دوبارہ شروع کریں گے''پین نے کہا''یہ ختم نہیں ہوا''۔

''میں دیکھ سکتی ہوں''۔لڑکی نے سر ہلایا''جس طرح آپ بتا رہے ہیں اس سے یہی لگتا ہے کہ یہ ختم نہیں ہو سکتا۔مگر کتنی طویل.....اس میں تو سال لگیں گے؟''۔

پین نے سر ہلایا۔

''مگر آپ کو اس سے فرق نہیں پڑتا؟''۔لڑکی نے بات جاری رکھی۔

''نہیں، مجھے نہیں۔ یہی میری زندگی ہے اور کچھ نہیں۔ جب یہ یہاں ختم ہوگا تو کہیں اور شروع ہو جائے گا، اور میں وہاں جاؤں گا''۔

''گویا مطلب یہ کہ جہاں آزادی نہیں ہوگی وہی میری جگہ ہوگی؟''۔

پین نے سر ہلایا

''مجھے آپ پر ترس آتا ہے''۔ لڑکی نے کہا

''کیوں؟ میں بہت خوش ہوں''۔

''واقعی؟'' لڑکی کو رونا آ رہا تھا' وہ اٹھی اور کسی طرح کمرے سے نکل گئی۔

رابرڈیو واپس لوٹ آیا۔ وہ اس بات میں کامیاب ہوا تھا کہ مختلف چیزوں کے کئی سو پاؤنڈ اور سیاہی کے کچھ گیلن خرید لایا تھا۔ وہ ایک پرنٹر بھی ڈھونڈ لایا تھا جو اسے خود بھی چھاپنے کی جرات رکھتا تھا۔ ایک چھوٹا شخص جس کا نام میگن تھا اور وہاں اپنی پرانی طرز کی ٹائپ کے پریس میں روزانہ چند سو چھاپ سکے گا۔ اس رات پین نے الفاظ درست کیے، اور اگلے تین دن وہ چھاپتے رہے، بہ مشکل سوئے، سیاہی سے گندے اور پاگلوں کی طرح کام کرتے رہے تاکہ شہر قبضہ ہونے سے پہلے پمفلٹ چھپ جائے۔ ان کی جرات متعدی تھی۔ ایک ہفتے میں ''بحران نمبر 1'' ہزاروں کی تعداد میں گردش کر رہا تھا، فلیڈ یلفیا کی خون کی ندی میں نئی زندگی ڈالتا ہوا۔ بنڈلوں کے بنڈل فوج کی طرف جا رہے تھے جہاں وہ زور زور سے پڑھے جا رہے تھے۔ بنڈلوں کے بنڈل نیویارک سمگل ہو چکے جو برطانیہ کے قبضے میں تھا۔ ایک فیصلہ کن منشور جو غصہ، امید اور وقار سے چیخ رہا تھا۔

کرسمس کے دن، رات کو واشنگٹن نے ناممکن کو ممکن کر دیا۔ گیلی ریت کی طرح تیزی سے تحلیل ہوتی ہوئی اس کی فوج، اس نے وہ کچھ اپنی قوت سے باہر قرار دیا جس کا ایک زمانے میں اس نے منصوبہ بنایا تھا، وہ مغرب کی طرف پسپا ہو جائے، مزید مغرب کی طرف، اور اگر ضرورت پڑے تو پہاڑوں سے بھی اُس پار، مگر برطانویوں سے مدبھیڑ کا خطرہ کبھی مول نہ لے۔ بار بار مار کھاتے ہوئے اور پسپا ہوتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچ رہا تھا کہ اس کا طریقہ معرکوں کی ایک جنگ لڑنے کا

نہ تھا بلکہ خالی جگہوں کی جنگ کا تھا، ایک ایسی جنگ جو کئی کئی سال تک جاری رہے، اور اُس وقت تک جب تک کہ اس کی فوج سلامت رہے، اُسے وہ ضائع نہیں کر سکتا تھا۔

مگر اس کی فوج سلامت نہ رہی تھی۔ جب تک کہ کوئی فتح حاصل نہ ہو جاتی، عوام کی ہمت کو ابھارنے کا کوئی کارنامہ نہ ہوتا تو یہ فوج مکمل طور پر اپنا وجود کھو دے گی۔ اور کرسمس کے دن، رات کو اس نے دوبارہ دلاویر کو عبور کیا اور نشے میں دھت، بے سدھ جرمن کرائے کے قاتلوں کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔

اس نے ایک ہزار کے قریب قیدی بنا لیے۔ یہ پہلی فتح تھی، جس کی شدت سے ضرورت تھی، اور جو چیزیں تقریباً ختم ہو رہی تھیں دوبارہ شروع ہوئیں۔

وقتی طور پر شہر کو بچا لیا گیا، جو لوگ بھاگ گئے تھے وہ دوبارہ فلیڈ یلفیا آ گئے اور حتیٰ کہ کانگریس بھی، جس کے نصف سے ایک کافی ہاؤس میں پین نے وہ باتیں کہیں جنہیں آسانی سے بھلایا نہ جا سکا۔ وہ تھوڑا سا پیا ہوا تھا۔ رابرڈیو سے وہ معافیاں مانگ رہا تھا: ''ہاں میں نشے میں تھا۔ بھلا اور کیسے انہیں دیکھا جا سکتا تھا؟ ۔ وہ میز پوش پر جنگوں کی منصوبہ بندی کر رہے تھے، اور انہوں نے اس کے آگے پیچھے، سامنے نیچے نقشے بنائے، کہ واشنگٹن ایک ماہ میں کیسے جنگ جیتے گا۔

''تم سب جہنم میں جاؤ''۔ پین نے کہا۔

انہوں نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو اس نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ شہر میں ٹھہرے رہے اور کچھ بھاگ گئے تھے۔

''کانگریس کے بغیر انقلاب کا وجود نہیں رہے گا''۔ انہوں نے اعتراض مسترد کیا۔

''کانگریس کے بغیر؟''۔ پین غرایا ''خدا ہمیں بچائے .....مگر یہ بتاؤ کہ کانگریس نے کیا کیا؟ ۔ اس جیسے شہر میں ہزار آدمی گھروں کی حفاظت کرنے اور گلیوں میں بیریکیڈ کھڑی کرنے کے لیے ہمیشہ تک رہے، ہمیشہ کے لیے اور پوری برطانوی فوج اس میں سے نہیں گزر سکتی۔ مگر کانگریس چلی گئی اور شہر نے سر براہ کھو دیا، اور میں تمہیں بتاؤں، تم نے نہیں بلکہ واشنگٹن نے، تم نے

نہیں بلکہ چند سو غریب مفلوک الحال مفلسوں نے، اس کاز کو بچا لیا! تم نے نہیں!''۔

وہ نشے میں تھا، مگر انہیں جلد یہ فراموش نہ ہوا کہ اس نے کیا کہا تھا۔ اور انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ پین سے جان چھڑانی ضروری ہے، کہ پین ایک نعمت نہیں ایک وبالِ جان ہے۔ انہوں نے اُس کے پہنے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا، کپڑے جو کسی بھکاری کے بھی نہیں ہو سکتے۔ اس کے پرانے فرسودہ وِگ کی طرف اشارہ کیا، اس حقیقت کی طرف کہ وہ گلیوں میں ایک توڑے دار بندوق لیے پھرتا تھا۔

فوجیں سرد سرما کی بے حسی کی حالت میں ہو چکی تھیں، اور پین نے ایک کمرہ تلاش کیا جہاں وہ بیٹھ کر لکھ سکتا تھا۔ ایک اور بحران ختم ہو چکا تھا، یہ بلا اپنا قلم لیے بیٹھا تھا، اُسے لفظوں کی تلاش کی مزید ضرورت نہ تھی، وہ اب اس پر آسانی سے اترتے تھے، اور ہر لفظ ایک تلخ یادداشت تھی.....''اس قدر مختصر وقت میں انسان بوڑھے نہیں ہو جاتے'' اس نے لکھا ''ہم نے ایک عہد کے کام کو چند ماہ کے عرصے میں سرانجام دیا ہے.....؟'' وہ پشت لگا کر بیٹھ سکتا تھا اور ان مہینوں کے بارے میں سوچ سکتا تھا، اور گو کہ وہ آسانی کے ساتھ لکھتا تھا، وہ انقلاب کے لیے ایک حقیقت، ایک سکیم، اور ایک پراگریس تلاش کر رہا تھا: وہ مجموعہ کو چاہتا تھا اور یہ محض ایک جزو تھا۔ جب دھند سے ایک نئی بنائی ہوئی دنیا کی ایک نیم ساختہ وزن نمودار ہوئی تو اس کی اپنی نامردی اور بے وقعتی نے اسے نیم پاگل بنا دیا۔ وہ پھر پیتا تھا، اور نیک روحیں اس کی طرف اشارہ کرتی تھیں اور برداشت کرتی تھیں۔

فلیڈیلفیا میں اس سرما میں کچھ پادری تھے جو ٹام پین پر وعظ نہیں کرتے تھے۔ ایک غرّایا ''اس بے شرم کو دیکھو! ۔اس نشے میں دھت اور منہ پھٹ شخص نے ایک کاز کی کیا خدمت کرنی ہے؟ ۔کیا یہی آزادی، یہی استہزائی بھوت ہے جو گلیوں میں کوچہ گردی کرتا ہے اور اُن سب چیزوں کو بدنام کرتا ہے جو بنی نوع انسان کو پیاری ہیں؟''۔

اپنے ساتھ کھڑے کچھ لوگوں کو پین نے کہا ''نہیں، یہ جنگ نہیں ہے، انقلاب نہیں ہے ۔جو لوگ ہم سے نفرت کرتے ہیں وہ اپنے چوتڑوں پر بیٹھتے اور تین وقت کا کھانا کھاتے ہیں اور

پروں والے نرم بستروں پہ سوتے ہیں، اور انہیں ذرہ بھر بھی پرواہ نہیں کہ ایک فوج وہاں برف میں پڑی ہے''۔

بیلؔ دوسرے ''بحران'' کو چھاپنے پر رضا مند ہوا، اس شرط پر کہ کاغذ کا بندوبست پین کرے گا۔ پین کے جیب میں ٹکہ تک نہ تھا، اس نے گنگ ہوتے ہوئے بیلؔ کی طرف دیکھا۔

''دیکھو، دیکھو، ذرا غور کرو''۔ بیل نے بازو پھیلاتے ہوئے کہا'' کاغذ آ نہیں رہا۔ اور اس سے ایک آنے کا فائدہ بھی نہ ہوگا۔ ایک فضول بے قیمت چیز کو چھاپ کر خود کو الٹا کرنا پڑتا ہے ''۔

''کیا' کامن سینس' ایک بے وقعت چیز تھی؟۔ میں نے تم سے کوئی حساب کتاب نہ کیا تھا۔ تم نے اس کی کتنے سو ہزار کاپیاں بیچی تھیں؟''۔

''تم قصے کہانیوں کی باتیں کر رہے ہو''۔

''اچھا؟''۔

''یہ مشکل زمانے ہیں''۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ کتنے مشکل وقت ہیں؟'' پین مسکرایا۔'' تم نے میری کتاب پہ خود کو خوب بنایا سنوارا۔ محتاط رہو بیل۔ ایک سے زائد افراد نے خود کو ایک فصیل پر ٹانگیں پھیلائے کھڑا پایا''۔

''دھمکی دے رہے ہو؟''۔

''نہیں نہیں۔ اُسے بھول جاؤ۔ میں ایک اچھی چھپائی چاہتا ہوں، اور مجھے پرواہ نہیں بے شک اسے شیطان چلائے۔ اگر میں کاغذ ڈھونڈ لوں تو کیا پھر تم اسے چھاپ دو گے؟''۔

''ہاں''۔

اس پہ انہوں نے ہاتھ ملایا، اور پین کاغذ کی تلاش میں روانہ ہوا۔ رابرڈیو، جیفرسن کی طرح شہر سے جا چکا تھا، فرینکلن فرانس میں تھا اور اس کا داماد اُن لوگوں میں سے ایک تھا جو پین

سے بھرپور نفرت کرتے تھے۔ ایٹکن کے پاس اتنا زیادہ کاغذ تھا نہیں۔ پین ایک پورا دن بغیر کچھ کھائے، تھکا ماندہ شہر میں سے گھسٹتے ہوئے اپنا اعتبار بیچنے کی کوشش کرتا رہا، اس کی قیمت کاغذ کے چند ہزار شیٹ تھے۔ دو تاجروں جان کیمڈن اور لینارڈ فریز کو، جنہوں نے اپنا اچھا خاصا اخباری کاغذ ذخیرہ کر رکھا تھا۔ کو خبردار کیا گیا تھا کہ وہ ''بحران'' کے مصنف سے دور رہیں۔ اُن تک رسائی نہیں ہو رہی تھی۔ پین نے دھمکیاں دیں، حجتیں کیں، فریادیں کیں، ایک لاغر کلرک مسلسل کہتا جاتا:

''مجھے افسوس ہے اُن کے پاس بیچنے کے لیے کاغذ نہیں ہیں''۔

وہ ایک لاکھ موٹا انگریزی کاغذ خرید سکتا تھا، مگر مالک نقد پر بیچتا تھا، اور وہ بھی برطانوی کرنسی میں۔ پین کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اس نے اصرار کیا:

''میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ مجھے مت دیکھو۔ لوگ 'کامن سینس' کو بھول چکے ہیں، اور اب میں ایک بھکاری، گندا، شرابی ہوں۔ مگر اُن سے پوچھو کہ کیا میں نے کبھی کسی کا قرضہ ادا نہ کیا؟۔ ان سے پوچھو۔ سب سے پوچھو کہ پورے فلیڈیلفیا میں پین کسی کا مقروض ہے؟''۔

وہ دوبارہ ایٹکن کے پاس گیا۔

''جا کر یہودی سائمن گونزولز سے ملو''۔ ایٹکن نے اُس سے کہا۔

سیاہ اور موٹے گونزولز کی خمدار داڑھی تھی جو نیچے اس کی کمر تک آئی تھی۔ اس نے ایک مخمل کا چوغہ پہن رکھا تھا اور سر سے چپکی ایک ٹوپی اور وہ ایک غیر یہودی کافر کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا جس سے تیز شراب کی بو آ رہی تھی۔ اپنی نوکدار ناک سے سونگھتے ہوئے اس نے پین کا نام سن کر سر ہلایا۔ بڑے نیم روشن کمرے میں شفتالو جیسی ایک گول اور نرم لڑکی تھی۔ وہ پین کو نظریں گاڑے، نصف خوف میں، اور نصف حیرت میں دیکھ رہی تھی۔

''مجھے کچھ کاغذ کا پتہ ہے''۔ گونزولز نے کہا ''ایک زمانے میں میں فر کا کاروبار کرتا تھا، اور آپ نے فر کی تجارت کے ساتھ کیا کیا، اپنے انقلاب اور غصہ کے ساتھ؟''۔

پین نے سر ہلایا، بولا کچھ نہیں۔ مگر اپنی تھکی ہوئی آنکھوں سے درخواست کی۔

''مقدس کتاب کے مرید'' گونزولز نے کہا ''ہم یہودیوں کو حیرت انگریز طور پر اس چیز

کے بارے میں بہت کم معلوم ہے جس پر کہ لفظ چھپتے ہیں۔ اگر میں آپ کی مدد کرنا چاہوں تو مجھے کہاں جانا ہوگا؟''۔

''میں برطانوی سونے پر خرید سکتا ہوں''۔ پین نے اس سے بھیک مانگی ''دو سو اشرفیوں پر ایک لاکھ کاغذ۔ وہ ایک عمدہ کاغذ ہے، عام چھاپے یا کتابوں والا کاغذ نہیں۔ مگر یقین کیجئے جو کچھ میں نے لکھا اُسے چھپنے کی ضرورت ہے''۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ کیا لکھتے ہیں''۔ یہودی نے تلخی کے بغیر نہیں کہا۔ مگر پھر بھی پین نے اس پر سے نظریں نہیں ہٹائیں جب وہ ایک لوہے کے مضبوط باکس کی طرف گیا اور پیسہ گن لیا۔

''میں ایک بھکاری کی طرح لگتا ہوں''۔ پین نے کہا ''مجھ سے ایک شرابی کی بو آتی ہے .....مگر میں اپنے قرض چکا دیتا ہوں''۔

''یہ قرض نہیں ہے''۔

''میں قسم کھاتا ہوں.....''

''قسم نہ کھاؤ''۔

پین ایک لمحے کو ساکت کھڑا رہا تھا، تھوڑا سا کانپا، پھر پیسہ لیا اور چلا گیا۔ وہ تقریباً تقریباً دوڑ رہا تھا، سونے کو دونوں ہاتھ سے جکڑے ہوئے، راستے میں ایک ریڑھی کرایہ کر لی کاغذ کو بیل تک پہنچانے کے لیے۔

ساری رات اس نے بیل کے ساتھ کام کیا، دوسرے دن اس کے ہاتھ سیاہی سے گیلے تھے اور اس کے پاس فضا تیز بُو سے بھری تھی۔

رابرڈیو واپس آیا اور اُسے ایک گلی کی نکڑ پہ ملا، اُسے ایسے دیکھا جیسے کوئی بھوت ہو، اور ایک بازو دبایا اور تیزی سے چیخا ''پین!''۔

''ہاں؟''

رابرڈیو نے دیکھا کہ وہ پیے ہوئے نہ تھا ''میرے ساتھ گھر چلو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں.....''

وہ پین کو گھر لے گیا، مگر اسے آہستہ چلنا پڑا تا کہ لڑکھڑاتا جسم اس کے ساتھ ساتھ چل سکے۔ جب وہ اندر آئے تو رابرڈیو کی بھتیجی وہاں تھی۔ پین ٹوپی ہاتھ میں لے کر ذرا سا آگے کو جھکا۔

''اِرینی، مسٹر پین رات کا کھانا یہیں کھائے گا''۔ رابرڈیو نے بھتیجی کو بتایا۔

پین نے سر ہلایا، مسکرایا، مگر بولا کچھ نہیں۔ کھانے پہ بھی وہ کوئی خاص نہیں بولا، وہ خود کو قابو میں رکھ کر آہستہ کھاتا رہا، مگر وہ کھاتا ہی رہا، معذرت خواہانہ انداز میں وقفے وقفے سے مسکراتے ہوئے۔ رابرڈیو نے سیدھا سوال کر دیا ''ٹام، آخری بار کھانا کب کھایا تھا؟''۔

''دو دن پہلے یا تین دن''۔

لڑکی نے سر گھمایا، رابرڈیو نے اپنی پلیٹ پر دیکھتے ہوئے سفاکانہ انداز میں کہا ''تم دنیا کو تبدیل کر سکتے ہو مگر اپنا جسم اور روح اکٹھا نہیں رکھ سکتے۔ ارے پین، تم پاگل ہو گیا؟''۔

جواب میں کندھے اچکے، الفاظ نہ نکلے۔

''اب تم کیا کرو گے؟''۔

''مجھے نہیں معلوم۔ میں ایک ''بحران'' لکھ رہا ہوں.....ہمیں ایک کی ضرورت ہے''۔

''پین۔ تم ایک ''بحران'' لکھ رہے ہو..... کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ زندگی چلتی رہتی ہے، جنگ کے وقت بھی، کہ تم کسی کے ساتھ اچھائی نہیں کر رہے ہو، نہ تم، نہ واشنگٹن، نہ فلیڈیلفیا کی گلیوں میں ایک بھکاری اور شرابی رہتے ہوئے ہمارے کازکی.....''۔

''بکواس مت کرو''۔

''نہیں میں بولوں گا، اس لیے کہ تم ایک بے ہودہ گندے شرابی سے زیادہ کے حقدار ہو۔ میں نے تمہیں ایمبائے میں سنا، اور اب تم مجھے سنو گے!''۔

''میں جاتا ہوں''۔ پین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم ابلیس ہو۔ اِرینی یہاں سے نکل جاؤ''۔ لڑکی چلی گئی مگر دروازے پر ایک لمحہ رک کر

پین کی طرف ایسی ہمدرد نگاہ، انسانی گرمجوش مہربان نگاہ دوڑائی، کہ اُس اور رابرڈیو کے بھاری ہاتھ کے دباؤ کے بیچ وہ دوبارہ اپنی کرسی میں دھنس گیا۔ رابرڈیو اس کے آمنے سامنے بیٹھ گیا، اس نے کچھ نسوار لی، ڈبیہ پین کی طرف بڑھایا، اور پھر برانڈی کے دو گلاس بھرے، انہوں نے پیا، اور تقریباً پانچ منٹ تک خاموش رہے۔

''کہو اپنی بات''۔ پین نے کہا اور اُس وقت رابرڈیو ایک ایسے شخص کے بارے میں غور کر رہا تھا جو امریکہ کے سارے جسم اور روح میں سرایت کر چکا تھا۔ شیونہ کیے ہوئے، نوکدار ناک، بغیر وگ کے سر، کوئی چیز بہت ہی تُند اور عظیم الشان تھی، ایک وحشیانہ حالت جو انسانی دکھ اور تفہیم ملے ہوئے انقلاب، بے چینی اور ظلم کے مکمل معانی کا مجسمہ ہو سکتا ہے۔

''فرض کرو تم نے یہ ابھار پیدا کر لیا''۔ رابرڈیو نے احتیاط سے کہا ''چلو ہم کہہ دیتے ہیں کہ 'کامن سنس' کے بغیر کوئی ریاستہائے متحدہ امریکہ نہ ہوتا۔ چلو ہم کہہ دیتے ہیں کہ پہلے ''بحران'' کے بغیر ہم امسال جنوری تک بھی نہیں چل سکتے تھے۔ پھر کیا: کیا یہ شروعات ہیں یا اختتام؟۔ تم نے کتنی بار کہا ہے کہ ہم ابھی نہیں جانتے کہ ہم نے کیا ابھارا ہے؟۔ جس رفتار سے تم چل رہے ہو اس سے تو تم چھ ماہ میں مر جاؤ گے''۔

''میں اس سے زیادہ سخت جان ہوں''۔

''واقعی؟۔ میں ایسا نہیں سمجھتا۔ پین ایسے لوگ ہیں جو تم سے محبت کرتے ہیں، مگر کتنے زیادہ تم سے نفرت کرتے ہیں؟''۔

''میرا خیال ہے، کافی''۔

''ٹھیک ہے۔ تمہیں لڑنا ہے، اور تم لڑنے کی اچھی حالت میں نہیں ہو۔ تمہیں زندہ رہنا ہے اور تمہارے پاس ایک پیسہ تک نہیں۔ اب میری بات سنو''۔ ''خفیہ خط و کتابت کی کمیٹی'' کو مستقل طور پر ''خارجہ امور کے دفتر'' کے بطور منظّم کیا جا رہا ہے۔ ایک آفس سیکرٹری کی پوسٹ خالی ہے اور میں ایڈم سے تمہارا نام ڈلوا دوں گا''۔

''کانگریس کی طرف سے؟''۔ پین مسکرایا۔

''کانگریس کی طرف سے''۔

''وہ جہنم میں جائیں''۔پین منمنایا''میں ایک انقلابی ہوں، نہ کہ ایک گندا، کمینہ سیاستدان''۔

مگر رابرڈیو نے خاموشی سے کہا: ''یہاں ارینی کے ساتھ رہو۔میں ایڈمز سے ملنے جارہا ہوں''۔

اُسے گئے ہوئے دیر ہوگئی تھی ۔پین ایک گہری آرام کرسی پہ بیٹھا تھا اور لڑکی کو قدیم پیانو بجاتے سن رہا تھا۔اس کی تھوڑی سی آنکھ لگی ہوگی، اس لیے کہ جب اس نے آنکھیں کھولیں، تو وہ بجانا بند کرچکی تھی اور اسے دیکھ رہی تھی۔

''تھک گئے؟''۔

اُس نے کہا وہ تھکا ہوا نہیں ہے۔اس نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا بجاتی رہی ہے۔

''باخ''۔

''براہِ کرم دوبارہ بجایئے''۔اس نے لڑکی سے کہا۔

موسیقی کا چھوٹا آلہ ایک بَین کی طرح نرم آواز میں بج کر رہا تھا۔پین لڑکی کی پشت دیکھ رہا تھا، اس کے سر کی حرکت، وہ مضبوط پٹھے جو اس کی انگلیوں پہ تھے۔

وہ خوبصورت کم اور مضبوط و دلکش زیادہ تھی ۔اس کے بالوں میں ایک گندمی رنگ تھی جو خاندان میں کہیں ایک نارمن نسل کا پتہ دیتی تھی، پھر بھی جسم کی حرکت اور اظہار میں وہ فرانسیسی تھی۔ بجاتے ہوئے وہ پین کی طرف مڑی اور اس کی آنکھوں میں کسی بات پہ بوکھلاہٹ تھی۔کسی سبب سے پین کو خیال آیا کہ وہ چلی جائے گی۔اُس نے اس سے رکنے کا کہا۔

''ہاں ہاں۔بالکل''۔وہ اس کے قریب بیٹھ گئی اور کہا''مجھے اپنے بارے میں بتایئے''۔

وہ بتانے لگا، ایک نرم آواز میں گفتگو کرتے ہوئے اس کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں۔کچھ ہی دیر میں رابرڈیو لوٹے گا، اور اسے اچھا موقع ملا تھا۔سیاست ایک پیشہ تھی اور پین بہت تھک چکا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ میں جتنے لوگوں کو جانتی ہوں آپ ان میں سب سے زیادہ عجیب آدمی ہیں''۔اس نے کہا''میرا خیال ہے.....''

''کیا؟''

وہ چلتی ہوئی آئی اور اُسے چوما، اور پھر پین عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا''یقیناً، یہ اچھا نہیں ہے''لڑکی نے اسے تسلیم کیا۔

''تم جہنمی ہو، ہیں ناں؟''۔

پین کچھ نہ بولا، اور پھر وہ بس بیٹھے رہے اور رابرڈیو کا انتظار کرنے لگے۔

سکاٹ لینڈ کے پادری ودھرسپون کی سربراہی میں ،ایک چھوٹے گروہ کے گرمجوش اعتراض کے باوجود پین کو ملازمت مل گئی۔ وِدرسپون پین سے نفرت کرتا تھا، صرف اس لیے نہیں کہ وہ ایک بے باک لکھاری تھا بلکہ اس لیے بھی کہ وہ ایک کوئیکر بھی تھا اور انگریز بھی۔ یہ گروہ اس پر بچوں کے قتل کرنے ، اور برطانیہ کا خفیہ ایجنٹ ہونے سے لے کر ایک ملحد اور بغیر سینگوں کے ایک شیطان ہونے کا الزام لگاتے تھے۔مگر ایڈمز اور جیفرسن اور دوسرے اس کمیٹی میں کھڑے تھے، اور وقتی طور پر دونوں فریقین میں سمجھوتہ کے اسباب موجود تھے۔ٹام پین خارجہ امور کے نئے محکمے کی کمیٹی کا سیکرٹری بنا، اس کی تنخواہ ستر ڈالر ماہانہ تھی۔

یہ ایک نیا احساس تھا، معزز ہونے کا۔ستر ڈالر ماہانہ کوئی خزانہ نہ تھا، اصل میں حال ہی میں جاری کردہ اس کرنسی کو جلد ہی بے وقعت ہونا تھا۔لیکن پھر بھی یہ پین کی سادہ ضروریات کے لیے کافی رقم تھی ، یہ رقم اس پر واجب الادا کچھ قرضوں کی ادائیگی کے لیے ،اس کے لیے کپڑوں کا ایک مناسب جوڑا خریدنے ، بڑا نہیں تو صاف گھر، لکھنے کے لیے قلم کاغذ اور بھوکا رہ جانے کے خطرے سے بچت کے لیے کافی تھی۔

اور بلا شبہ معزز ہونا۔انقلابی پین کچھ نہ تھا، لکھاری پین جس کی کتابیں ساری تیرہ کالونیوں میں تقریباً ہر پڑھے لکھے شخص نے پڑھیں، پھر پڑھیں اور جو لوگ اَن پڑھ تھے ان کے لیے زور زور سے پڑھی گئیں۔اس کی کتابوں نے برطانوی وزارت کو اُس دن کو کوسنے پر مجبور کیا جب لکھا ہوا لفظ عام لوگوں کو دستیاب کیا گیا۔ وہ مصنف، پین محض ایک بدخط تھا؛ پمفلٹ والا پین جس کی پمفلٹوں نے بدترین ساعت میں فوج کو اکٹھا رکھنے کے لیے وہ کچھ کیا جو ایک شخص امریکہ

میں کرسکتا تھا۔ وہ ایک بغاوت ابھار آدمی تھا اور کچھ نہیں۔ مگر خارجہ امور کی کمیٹی کا سیکرٹری پین اہمیت والا شخص تھا، ہونے والے دیوتاؤں کے دائرے کے اندر کا آدمی، کسی بھی شخص کے ساتھ ایک اچھائی کرسکتا تھا اور صحیح جگہ پر صحیح بات کرسکتا تھا۔ یا شاید وہ اس طرح سوچتے تھے، اور اس کے لیے ہمیشہ سے زیادہ ہیٹ (ٹوپیاں) احتراماً اٹھتے تھے، زیادہ سلام کہنے والے تھے، اور زیادہ کمر جھکتے تھے۔

اور پین دنیا کے اندر زندہ رہنے آیا، جہاں آوری ٹاور حساس ترین شخص تک کی بھی حفاظت کرتا تھا۔ جلد ہی اس نے دریافت کیا کہ جہاں نوآبادیاتی سیاست کا نرالا اندرونی حلقہ شروع ہوتا، وہاں حقیقت رک جاتی تھی۔ وہ جنگ جو ایک پریشان حال، مایوس چھوٹی فوج لڑ رہی تھی جس کی قیادت واشنگٹن نامی ایک خاموش اور ضدی شخص کر رہا تھا، ''یونائیٹڈ تھرٹین کالونیز'' کی کانٹی ننٹل کانگریس کے لیے اس قدر معمولی بات تھی کہ وہ صرف جان بوجھ کر قرارداد کے ذریعے اسے یاد آتا تھا۔

یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس قدر نامرد تھے جتنا کہ کسی حکومتی ادارے کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہو؛ معاہدے کرسکنے کے قابل تھے مگر اُن پر قائم رہنے پر زور نہیں دے سکتے تھے؛ وہ پیسہ بنانے کا حق رکھتے تھے مگر ان کے پاس سونا یا چاندی خرید سکنے کے اختیارات نہ تھے، اور جنگ کرنے کا اختیار تو تھا مگر وہ ایک واحد سپاہی بھی بھرتی نہیں کرسکتے تھے۔ بحران کے بدترین موقع پر جب واشنگٹن کی کاہلی اور شکست خوردہ فوجوں نے بالآخر دلاویر کا جنوب مغربی کنارہ عبور کرلیا، تو وہ رضا کارانہ طور پر فرار ہو گئے، گھبراہٹ میں فلیڈیلفیا سے بالٹی مور تک بھاگے، اور واشنگٹن کو ایک ڈکٹیٹر کی مکمل طاقت دے دی۔

جنگ کے بارے میں اُن کا علم کانٹی ننٹل ملٹری کتابچوں تک محدود تھا۔ جسے وہ اس قدر گرمجوشی سے پڑھتے تھے؛ ہر ایک کے پاس اپنی ذاتی فوجی تھیوری ہوتی تھی اور وہ اس کے لیے لڑتا تھا، اور وہ واحد فوجی حقیقت جس پر وہ متفق تھے یہ تھی کہ اس واحد طرز پر جنگ لڑنا احمقی تھی جسے امریکی جانتے تھے، خاموش، خوفناک داؤ پیچ جس نے کنکارڈ اور لیکسی ٹون کے بیچ ایک برطانوی فوج کا آخری کپڑا تک پھاڑ ڈالا تھا۔

وہ پارٹیوں میں منقسم تھے، کنفیڈریشن کے حامی اور مخالف، شمالی پارٹی، جنوبی پارٹی، مصالحت خواہ اور مصالحت مخالف، واشنگٹن حامی اور واشنگٹن مخالف۔ وہاں تنہائی پسند تھے جو سمجھتے تھے کہ انقلاب خالص برطانوی نژاد اور شمالی امریکہ کے مشرقی ساحل کے امریکیوں کے لیے مخصوص چیز تھا اور دوسرے سارے اشخاص اور مقامات کو الگ کرنا چاہیے۔ اور وہاں انٹرنیشنلسٹ تھے، وہ جو ڈچ، آئرش، سکاچ، سویڈز، یہودیوں، پولینڈ والوں، فرانسیسیوں اور جرمنوں کو اکٹھا کرتے تھے اور اس میں اُن لوگوں کو ملاتے تھے جو براعظیم یورپ میں لبرل تھے اور برطانیہ مخالف احساس رکھتے تھے۔ امریکی انقلاب کے بیٹے نہیں بلکہ نہ لڑنے والے آباواجداد پہلے ہی نقشے کو حتمی بنانے کے لیے گرمجوشی سے کام کر رہے تھے۔

جلتی پر تیل کا کام یہ، کہ انہوں نے لوگوں کو قائل کرنے کا اچھا ''امریکن'' طرز دریافت کیا تھا۔

وہ ہر چیز کے لیے لوگوں کو قائلکرتے تھے: اپنے مقامی ٹاؤن' کاؤنٹی، شہر رکھنے کے لیے جن کی حفاظت فوج کرتی ہو، جنوب والوں کے لیے فوجوں کے لیے تمبا کو کو لازمی قرار دینے کے لیے؛ نچلے مشرقیوں کا سب کو قائل کرنا کہ رَم کے کھلے راشن کے بغیر کوئی بھی لڑ نہیں سکتا، پشمینہ کمبل چار گنا قیمت پر فروخت کرنے پر قائل کرنا، مِڈ لینڈرز کو اپنا اناج بیچنے کی، نیو انگلینڈرز فوجوں کو دھی پر لڑنے کو، نیو یارک والوں کو گائے کے گوشت پر لڑنے پر قائل کرنا۔

اور وہ کسی چیز پر متفق نہیں ہوتے تھے، کنفیڈریشن کے طرز پر، بعد از جنگ مقاصد پر، آئین پر۔ ان میں سے ایماندار مخلص لوگ لڑتے تھے اور اپنے دل لگا لیتے تھے، اور کسی صورت چیزیں ہو جاتی تھیں اور کسی صورت جنگ اندھا دھند چلتی رہتی۔

اور اس سب کے بیچ پین آیا، ایک انقلابی جسے سب شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس نے اپنا کام کر دیا، اُس نے ایک اور ''بحران لکھا؛ وہ ایک چوکور کمرے میں بیٹھتا اور اپنا قلم ایک کلرک کی طرح گھسیٹتا، اور کبھی، جب وہ اپنی آنکھیں بند کرتا وہ آدمیوں کو چیتھڑوں میں ملبوس ایک پھڑ پھڑاتے بینر کے ساتھ دیکھتا۔ اور اس نے آئرینی رابرڈیو کو دیکھا اور کہا ''میری طرف دیکھو۔ کیا

تم اسے پسند کرتی ہو؟''

''میرا خیال ہے تم اچھے لگ رہے ہو، کبھی سے بھی اچھے''۔

''اچھا؟ اور میں تمہیں بتاؤں، میرے اندر سے کچھ چیز مر رہی ہے''۔

تب لڑکی نے محسوس کیا کہ ڈراما کے لیے اُس کے پاس بہت بڑی جبلی قوت تھی۔

''میں مزید برداشت نہیں کرسکتا''۔ پین نے فیصلہ کیا۔

''میں سنتی ہوں کہ تمہاری بہت تحسین ہورہی ہے''۔

''اچھا؟ وہ تو مجھ سے جان چھڑانے کا موقع تلاش کررہے ہیں، اور یہ جس قدر جلد ہو اچھا ہے۔ یہ ایک عوامی جنگ ہے، اور کسی دن عوام کو اس کا شعور ہوجائے گا''۔

''اور کیا تم لمحہ بھر کے لیے جنگ کو بھول نہیں سکتے؟''۔

''تم نے مجھے بتایا تھا کہ میں جہنمی ہوں''۔ پین مسکرایا۔

''مگر نجات سے باہر نہیں''۔ لڑکی نے کہا

چھکڑے نصف سو بری طرح زخمی لوگوں سے لدے ہوئے فلیڈیلفیا آئے، اور پین دوسروں کے ساتھ مل کر پرانے کوئیکر میٹنگ ہاؤس میں انہیں خوراک دے رہا تھا، انہیں آرام دے رہا تھا جہاں پہ وہ لے جائے گئے تھے۔ کچھ کو وہ جانتا تھا۔ وہ اُن کے لیے ''کامن سینس'' تھا۔ اس نے اُن کے سامان میں اپنے ''بحران'' کے ورقے دیکھے: جس کے کاغذ کو درجنوں بار پڑھا گیا تھا وہ یا تو زخمیوں کی پٹی کے کام آتا ہے یا ایک بندوق میں بارود کی بھرائی میں۔

''ایک مضبوط و منچلا دل''۔ وہ کہتا۔

وہ ایک پوری رات بیٹھا رہا ایک لڑکے کا ہاتھ پکڑے جو کہ مر رہا تھا، اور اگلے دن اس نے میت کو غسل دیا اور خود اُسے دفن کیا۔ یہ اُس زمانے سے قبل کا وقت تھا جب عورتیں ایک مرتے ہوئے یا زخمی کے پاس جاتیں۔ مرد نرس تمباکو زدہ تھے، گندے پرانے شیطان۔ پین نے آئیرینی رابرڈیو کو جلد بعد بتایا ''میں دور جارہا ہوں، مجھے ضرور جانا ہے''۔

''کہاں؟''۔

''فوج میں............ میں اِن کاموں میں اچھا نہیں ہوں''۔

اس نے اس سے تکرار کیا، اس سے پوچھا کہ کیا یہ کافی نہیں کہ وہ خود کو اس کے پیروں میں ڈال رہی ہے۔

''میں تمہارے لیے موزوں نہیں ہوں''۔ اس نے کہا ''میں کسی چیز کے لیے مناسب نہیں ہوں سوائے اس نرم آگ پہ پکائے ہوئے کے، جسے میں نے کشید کیا ہے''۔ پھر بھی اس نے فلیڈیلفیا میں دیر لگائی۔

یہ پھر بہار کا موسم تھا، اور فوجیں میدان کی طرف جارہی تھیں۔ کاشتکار اپنی بندوقیں اٹھائے زنگ صاف کرتے اور دیہی علاقوں سے واشنگٹن کے کیمپ کی طرف جاتے۔ پچھلا موسم گرما فراموش کیا جاچکا تھا؛ دکاندار اپنی دکانیں بھول گئے اور اپنی الماریاں چھوڑ دیں، مکینکوں نے اپنے اوزار رکھ دیئے۔ ایک گانے والا پرندہ اور ایک مہم، اور جنگ ختم ہوجائے گی۔ موسمِ بہار ایسے کرتا ہے، اچانک آتا ہے اور آسمان سرما کی بہ نسبت نیلا ہوجاتا ہے۔ چند ہزار ریگولر فوجی، لاغر اور سخت، اسی طرح طنز و مذاح کررہے تھے جس طرح یانکی گرما کے سپاہیوں کا تمسخر اڑاتے تھے، اس ملیشیا پر جو اپنی لڑائی اس طرح لڑتے تھے جیسے وہ فصلوں اور کھیتوں میں پرندوں کا شکار کرتے تھے۔ ''تم کرسمس کے دن کہاں تھے؟'' مذاق بن گیا تھا، دوبارہ اُس وقت پر توجہ دیتے ہوئے جب وہ کنارے پر بھیڑیوں کی طرح مڑتے تھے اور دیلاویئر عبور کرتے تھے۔ یہ جنگ ختم ہونے کا سال تھا، وہ یہ بات جنتریوں سے، ستاروں سے، خانہ بدوش قسمت کا حال بتانے والوں سے ثابت کرسکتے تھے۔ راشن کثیر تھا اور اوپر نیو آرلینز سے وسیع مسیسیپی ماں کی گود کے ذریعے ایک ہزار بندوق کے بارود کے موٹے موٹے پیپے آئے، سیسہ ایک ملین گولیاں بنانے جتنا اور تین ہزار چمکدار ہسپانوی سنگینیں۔ سپین کے ساتھ ابھی تک کوئی معاہدہ نہ تھا، مگر دھقانی کسان اچانک چالاک سیاستدان بن گئے، اُس وقت آنکھ مارتے اور اپنے لمبے سر ہلاتے تھے جب وہ سپین کی بنی تلوار پر اپنی سخت انگلی کا سرا پھیرتے تھے۔

واشنگٹن کے دماغ میں شمال کی جانب بُرگوائن کے خلاف ایک حملہ کرنے کا خیال موجود تھا، مگر درمیانہ علاقہ اپنی حفاظت کے لیے پکار رہا تھا۔ ہاؤوے نے اپنے سپاہی اپنے بڑے بحری جہازوں میں ٹھونس ٹھونس کر ڈال دیئے تھے اور اُن کے ساتھ روانہ ہوگیا، اور کسی کو کیا خبر وہ کہاں لنگر انداز ہوں گے؟۔ وہ دلاوئیر تک دکھائی دیے پھر غائب ہوگئے، اور پھر خبر آئی کہ وہ جیسا پیک ساحل میں ہیں۔ امریکی فوج اب ملیشیا کے شامل ہونے سے پھول کر بڑے جسم کی ہوگئی تھی، جنوب کی طرف مارچ کرنے لگی۔

پین انہیں فلیڈ یلفیا میں سے تن کر چلتے دیکھتا رہا۔ یہ موسم گرما تھا۔ اور گرمی تھی اور وہ کمر تک ننگے تھے اور پھٹی قمیص کے ساتھ تھے، ان کی بندوقیں اُن کی پشت پر لٹکتی تھیں، اکثریت ننگے پیر تھی، وہ عمدہ اور تیار اور بال کٹے ہوئے لگتے تھے۔

پین کو نہ دیکھا گیا اور نہ اُسے محسوس کیا گیا۔ وہ کھچا کھچ بھرے ہجوم میں کھڑا تھا جو سورج زدہ مارچ کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا اور آوازیں کس رہا کر رہا تھا اور ہاتھ ہلا رہا تھا۔ مارچ کرنے والوں نے سبزے کی ٹہنیاں ٹوپیوں کے نیچے اور کانوں کے پیچھے اڑسا رکھی تھیں۔ وہ بے فکر اور مسرور تھے۔ واشنگٹن اپنے نرم چمڑے اور نیلی وردی میں ساتھ ساتھ گھوڑے پہ چل رہا تھا، وہ گذشتہ نیم زمستان کی بہ نسبت تندرست اور نوجوان نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ لڑکا کم سن لافائیے تھا جس کے بارے میں پین نے سنا تھا مگر اُسے پہلے دیکھا نہ تھا، سفید کشیدہ کاری والے سوتی اور اطلسی لباس میں ملبوس ہر جگہ سونے کے گندھے ہوئے بال۔ ہملٹن وہاں تھا اور موٹا ھیری ناکس تھا اپنی بھدی بھاری بندوقوں کا خیال رکھتے ہوئے۔ اور نتھینیل گرین تھا جس کی طرف پین نے ہاتھ ہلایا.....مگر ہجوم میں ایک شخص نظر نہیں آتا۔

پین رابرڈیو کے گھر چلا گیا مگر آئرینی وہاں نہ تھی۔ اُس نے اس کے لیے رقعہ چھوڑا تھا کہ وہ پیریڈ دیکھنے جا رہی ہے۔

پھر وہ برانڈی وائنکھاڑی پہ شکست کھا گئے' ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے، کاٹ ڈالے گئے اور اکھیڑ دیے

گئے۔ انسانوں کی پرانی کہانی جو مرنے کے لیے راضی تھے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ کیسے؟ غلطیوں کی پرانی کہانی، فاش غلطیوں کی فہرست، جہاں ہر ایک پچھلی والی سے بدتر تھی۔

پین نے مردہ، سفید چہرے کے ساتھ خبر سنی۔ وہ گھسٹتے قدموں کے ساتھ ''کمیٹی'' دفتر چلا گیا۔ ''یقیناً، کانگریس کو دوبارہ شہر چھوڑنا چاہیے'' ہر شخص کہتا رہا۔ کسی کو سچ کا پتہ نہ تھا کہ ہوا کیا تھا؛ وہ تازہ ذبح کی ہوئی مرغیوں کی طرح اِدھر اُدھر تڑپ رہے تھے، وہ خوفزدہ تھے۔

سارا شہر خوف و ہراس کے وائرس میں مبتلا ہوگیا، ٹوری اس خوف سے کہ باغی جانے سے پہلے اپنا انتقام لیں گے، باغی اس خوف سے کہ ٹوری انہیں جانے نہ دیں گے۔ کسی بھی فریق کو دوسرے کی قوت کا صحیح معلوم نہ تھا۔ مگر کم از کم یہ ظاہر تھا کہ برطانوی فلیڈ یلفیا میں مارچ کرتے آئیں گے۔

پین نے آئرینی کو دیکھا، اور اس نے پین کے ساتھ وہ کچھ کہا جو اس سے پہلے کہنے کی جرأت نہ کی:

''میرے ساتھ آؤ، اس سب سے باہر۔ کیا تم نے کافی کچھ نہیں کیا اور کافی کچھ مصیبتیں نہ جھیلیں؟۔ اب یہ سب ختم ہوگیا اور اگر وہ جاری رکھ بھی لیں تو کتنی دیر تک، دس سال؟ یا بیس سال؟۔ پین، میں نے کسی اور سے کبھی محبت نہیں کی.....اور اگر اب تم مجھے چھوڑ دو گے.....''۔

''اور اگر میں تمہارے ساتھ رہوں؟۔ تمہیں مجھ سے کس طرح کی خوشی ملے گی!۔ آئرینی میرے پاس کچھ نہیں سوائے پرانی قمیص اور لکھنے کے ایک قلم کے۔ میں انقلاب کی فوج کے پیچھے پیچھے چلنے والا آدمی ہوں، ایک بدخط، اور ایک پمفلٹ لکھنے والا''۔

''ٹام، میں تمہیں دوبارہ نہ کہوں گی''۔

اس نے سر ہلایا اور اسے چومے بغیر چلا گیا، کچھ اور کہے بغیر۔ اور اگلے دن اُس نے سنا کہ آئرینی اور اس کا چچا شہر چھوڑ چکے ہیں۔ شہر چھوڑنے والے وہ اکیلے نہ تھے۔ ٹوریوں نے طاقت کا مظاہرہ کیا، جھگڑوں اور فائر کی آوازیں اور کبھی کبھی ایک عورت کی چیخ.....شہر مر رہا تھا اور شرافت سے نہیں۔ اُس آخری وقت جب شہر کو خطرہ تھا، پین نے ایسوسی ایٹرز کے لیڈروں سے بحث

اور وکالت کرنے کی کوششیں کی۔ کانگریس جا چکی تھی، مگر ایک یا دورہ گئے تھے، اس کے دوست، جن کا اثر ورسوخ کم تھا، اور انہوں نے ''کارپینٹرز ہال'' میں ایک اجلاس منعقد کرنے کا انتظام کرلیا۔ دو سو سے زائد افراد شریک ہوئے، اور جس وقت پین نے ان سے خطاب کیا تو انہوں نے خاموش سرد مہری سے سنا۔

''ایک شہر'' وہ چیخا۔ ''دنیا میں بہترین قلعہ ہوتا ہے، سٹیزن سپاہی کا جنگل!۔ ہر گلی ایک قلعہ بن سکتی ہے، ہر گھر ایک موت کا دام ہوسکتا ہے!۔ فوج ایک جنگ ہاری، مگر یہ تو ایک عوامی جنگ ہے، اور برطانوی فوج فلیڈ یلفیا کے بہادر وضدی دل پہ اپنی کمر تڑوا سکتی ہے.....''۔

شہر میں کوئی ضدی دل نہ تھا۔ پین اپنے کمرے میں بیٹھا تھا اور ایک ''بحران'' لکھ رہا تھا، اور اس کے نیچے گلیاں ویران تھیں۔ ایک ایک کر کے آزادی کے طرفدار سٹیزن' چلے گئے۔ رات کو ایک پستول کی گولی اس کے کان سے گزری۔ ٹوریوں کا ایک جلوس تھا، ایک بہت بڑا بینر لیے جس پر لکھا تھا: ''ہر غدار کے لیے موت!''

پین اب اپنی توڑے دار توپ لیے پھرتا تھا: اس نے انہیں ایک غیر ضرر رساں بوڑھے شخص کو ادھ موا کرتے دیکھا، جس کا واحد گناہ یہ تھا کہ وہ ''کارپنٹرز ہال'' میں انگیٹھیوں کو صاف کرتا تھا، جب پین اور کچھ دوسروں نے اسے لکڑی کے اُس تنے سے جس سے وہ بندھا ہوا تھا اٹھالیا، تو اس کے بعد وہ مر گیا۔ ایک درجن کے پاس یہ جرات تھی کہ وہاں ٹھہرے رہیں۔۔۔ گنگ، پریشان، ہاتھوں میں بندوقیں تھامے اور انہوں نے بوڑھے کو دفن کر دیا۔ پین نے نرمی سے کہا ''خدا اُن کی مدد کر جب حساب کا دن آ جائے''۔

گھر جل رہے تھے، رضا کار فائر مینز ایسوسی ایشن کا شیرازہ مکمل طور پر بکھر چکا تھا۔ گھر جل جاتے تھے اور دھوئیں کی لکیریں نیلے آسمان تک جاتی تھیں۔

پین نے اس بات پر غور کیا کہ اس طرح کی صورتحال انسانوں پر کیا اثرات ڈالتی ہے، اس لیے جو چند باغی ٹھہر گئے تھے ان میں سے ایک ایٹکن تھا، ایک متین، معمر شخص جس نے اس وقت سر ہلایا جب پین نے اسے نئے ''بحران'' کے کاغذ کے بارے میں بتایا۔

''میں اسے چھاپ دوں گا''۔ اس نے کہا۔

''اور جب برطانوی آ جائیں؟''۔

ایٹکن نے کندھے اچکائے؛ لگتا تھا اُسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ پین اس کے سامنے گڑگڑایا کہ وہ شہر چھوڑنے اور اپنا پریس باہر لے جانے کے لیے کچھ پیش بینی کرے، مگر اس نے اپنا سر ضدی انداز میں ہلایا۔

''ایک شخص وہی کرتا ہے جو وہ کر سکتا ہے''۔ اس نے کہا ''میرے جانے کے لیے کوئی دوسری جگہ نہیں ہے''۔ اور وہ وہیں ٹھہرا رہا۔ جب پین خدا حافظ کہنے آیا تو اُس سکاٹسمین نے پانچ سو تازہ چھپے ہوئے پمفلٹ اُس کے حوالے کیے۔

''چلے جاؤ''۔ اس نے پین سے کہا ''نکل جاؤ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے''۔

پین نے چند ڈالروں پر ایک بوڑھا ڈگمگاتا گھوڑا تلاش کیا، اور گھوڑے پر فلیڈیلفیا کے ایک سرے سے نکل گیا' جس وقت دشمن دوسرے سرے سے داخل ہو رہا تھا۔ اور بالٹی مور پر اس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں اور ذرا دیر کے لیے بیٹھ گیا، برطانوی ڈھول کی آوازیں سنائی دیں۔

اس نے خود سے پوچھا ''اب میں کیا ہوں' بغیر پریس کے پروپیگنڈچی؟۔ مجمع کے بھاگ جانے کے بعد؟ موت کی لاشوں کا سروے کرتا ہوا انقلابی؟''۔ وہ آہستہ آہستہ بوڑھا گھوڑا دوڑاتا رہا اور اکثر اپنے کندھے پر سے پیچھے شہر کو دیکھتا جس نے امریکہ نامی ایک چیز کو پالا پوسا تھا۔ اس نے گھوڑے کو باندھا اور ایک ناہموار مین پر اپنی بندوق اپنے پہلو میں رکھ کر سونے کے لیے لیٹ گیا، مگر اس کے خواب اچھے نہیں تھے۔ اگلے دن وہ ایک کھیت پہ رکا اور آواز دی۔

''ہیلو''۔

دروازہ بند تھا، لکڑی کی درز سے ایک بندوق کا سر نکلا اور اسے دفع ہو جانے کو کہا۔ ''فوج کہاں ہے؟''۔ اس نے پوچھا ''دفع ہو جاؤ فوج کے ساتھ'' درز نے کہا۔

اور کیا یہ ہمیشہ ایسا ہی نہ تھا جب انہیں شکست ہو جاتی؟۔ دیہی علاقہ سیاہ اور بے حس ہوتا

جاتا، گھروں کے کواڑ بند ہو جاتے، جانور مقفل کیے جاتے، زمین کا سارا چہرہ سیاہ اور خوفزدہ ہو جاتا؟
۔اسی طرح ہوا تھا نیویارک میں، جرسی میں، اور اب پنسلوانیا میں۔اور پین حیران ہونا شروع ہوا کہ وہ کون تھا جس نے انقلاب بنایا اور لڑا، جب زمین کی فربہ، متین خوشحالی اُس کے اس قدر جلال کے خلاف تھی۔ وہ اپنا گھوڑا آگے اور دائروں میں دوڑاتا رہا اور ایک بار جب وہ ایک فارم کے قریب پہنچا تو ایک گولی نے اس کے جیکٹ کے کپڑے کو چھید لیا۔مکئی کی ایک فصل میں، اس کا گھوڑا اس کے پہلو میں ہوا، وہ لیٹا ہوا غروب آفتاب کی خون جیسی سرخی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس قدر تنہا علاقے میں اس قدر تنہا اجنبی کبھی نہ رہا تھا۔ اس نے بہت دور اور نیچے ایک سڑک پر اپنے تین آدمی دیکھے۔ بالکل وہی تھے، دبلے پتلے اور ننگے پیر اور پھٹے ہوئے کپڑوں میں، مگر جونہی اس نے گھوڑے کو اُن کی طرف ایڑ لگائی وہ جنگل میں بھاگ گئے۔اور ایک گوالن، جس سے وہ بھوکا دودھ مانگ لیتا، ایک احاطے میں دوڑ گئی جب اس نے اس کی طرف باگیں موڑ دیں۔ایک خوفزدہ سرزمین۔پین وسیع اور سست رفتار موڑ مڑتا رہا۔ وہ اترائی سے باہر نکلا۔غروب آفتاب میں، ایک تنہا انگریز، ایک بھگوڑا کوئیکر جس نے انقلاب نامی ایک تیز روشنائی کا پیچھا کیا تھا۔ وہ تنہا اور بھوکا لیٹا ہوا تھا اور آئرینی رابرڈیو کی آنکھوں اور آواز کو یاد کرنے لگا، اس کی گردن اور اسکے پھولے ہوئے پستانوں کو، اور اس نے خود کو کوسا، اپنی تقدیر کو کوسا، اپنی قسمت کو کوسا اور اس سب کچھ کو کوسا جو ٹام پین تھا۔

اور پھر ایک شام اسے ایک درشت اور نیم برہنہ سنتری نے روکا، جس نے اپنے گھنے بالوں میں ایک خون آلود پٹی باندھ رکھی تھی، اور پکارا:

''کون ہے؟ خدا تمہیں برباد کرے، جواب دو ورنہ تمہاری گندی آنتیں باہر نکال دوں گا''۔

''ٹام پین''۔

''کیا کہہ رہے ہو؟''۔

''یقین نہیں آتا، آؤ دیکھ لو''۔

''یہ جنرل گرین کا کیمپ ہے۔آ جاؤ.....''۔

وہ گرین کے ساتھ رات کا کھانا کھانے بیٹھ گیا، پیوند لگے ہوئے خیمے میں، خزاں کے درختوں کا ایک جھنڈ کیمپ کی آگ کی نارنجی روشنی میں اپنے پتے گراتے ہوئے، اور گرین کہہ رہا تھا:

''پین میں تمہیں بتاؤں کہ تم میری روح واپس لائے ہو، میں اس قدر تھک چکا تھا اور بیزار ہو چکا تھا۔تم سمجھ رہے ہو؟''۔

پین نے سر ہلایا؛ کیسا تھا کہ گرین اُسے ایک نجات دہندہ کے بطور دیکھ رہا تھا، کہ گرین نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پین کو جتلانے کی کوشش کی کہ برانڈی وائن کے مقام پر کیا ہوا تھا؟۔ بظاہر وہ اب باہم قریب تھے، گرین کا جاذب چہرہ، بوسیدہ اور جھریوں میں تھا، وہ نوجوان شخص بہت زیادہ معمر لگ رہا تھا، گرین کا چمڑے کا نیلا یونیفارم پھیکا پڑ چکا تھا اور چھیتڑا سا تھا، اس کے بوٹ انگوٹھوں کے مقام پر پھٹے ہوئے تھے۔

''تو، ہم فلیڈیلفیا گنوا چکے ہیں''۔گرین نے کہا جب پین نے اسے بتایا ''ایک بھی گولی نہ چلی، ایک بھی ہاتھ نہ اٹھا، اور ہم نے یہ اُن کے حوالے کر دیا۔ یہ ایک قلعہ ہو سکتا تھا' اور کیا یہ تم نے کہا تھا نا کہ یہ ایک عوامی جنگ ہے؟''۔

''میں نے کہا تھا''۔

''پین، کیا تم تھک چکے ہو؟''

''ہاں۔جنگ کے بارے میں کچھ اچھا نہیں ہوتا، کچھ عمدہ، کچھ اشراف نہیں ہوتا۔انسان کہتا ہے، میں ایک بندوق اٹھاؤں گا اور اپنے بھائی کو قتل کروں گا، اس لیے کہ انجام داؤ پیچ کو جواز دیتا ہے، اس لیے کہ میری آزادی میری روح کا خون ہے اور میں اس کے بغیر کیسے زندہ رہ سکوں گا؟۔انسانوں کو آزاد کرو تا کہ زمین خدا کی مقدس روشنی سے چمک اٹھے!۔اور پھر وہ بھاگ جاتے ہیں، وہ اپنے گھر چھوڑ دیتے ہیں، وہ اپنے دروازے بند کر دیتے ہیں اور تمہارا بھیجا اڑا دیتے ہیں۔ اگر خدا نہ کرے تم پانی کا ایک کٹورا مانگو تو وہ تمہیں ایک ڈاکو جان کر جہنم واصل کرتے ہیں!۔اگر ہم جیگرز کی طرح ہوتے تو معاملہ مختلف ہوتا، مگر ہم چھوٹے لوگ ہیں، عام، چھوٹے، تھکے ماندے، نا امید لوگ''۔

''ہاں.....''

''اوراب؟''۔

''خداجانے۔ہم بار بار پیٹے جا چکے ہیں''۔

''اوروہ؟''

''واشنگٹن؟'' گرین نے سر ہلایا ''ہم حملہ کریں گے.....وہ سرگردان ہے۔وہ تو ہم سب ہیں۔ ہماری ایک تعداد تھی اورابھی تک ہمارے پاس گیارہ ہزار افراد موجود ہیں..... یہ عجیب ہے، ہے نا؟۔اوروہ ''جرمن ٹاؤن'' میں ہیں سات ہزار سے کم تعداد میں، لہٰذا ہم حملہ کریں گے۔مگر ہم خوفزدہ ہیں، تھوڑی دیر بعد باہر جاؤ اور اُن سے بات کرو پین، اورتم دیکھو گے کہ ہم کس قدر خوفزدہ ہیں۔ہم اس بارے میں گفتگو کر چکے ہیں، اورکوئی نہیں جانتا کہ کیا کیا جائے۔مگروائین، تم اُسے جانتے ہو؟''۔

''میں اُسے جانتا ہوں''۔

''وہ ایک کونے میں بیٹھا تھا اورایک کتاب پڑھنے کا دکھاوا کر رہا تھا۔اس نے کچھ نہ کہا، بس اُس کے اندرایک آگ لگی ہوئی تھی اور کبھی کبھی وہ مجھے اس طرح دیکھتا جیسے کہ میرے اندر چوہے جتنی ہمت بھی نہ رہ گئی ہو اور بالآخر واشنگٹن نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کرے گا، وہ کیا کہے گا اوراس نے جواب دیا'' میں کچھ نہیں کہوں گا ، میں لڑوں گا جناب، لڑوں گا..... آپ سن رہے ہیں، لڑوں گا۔ بھاگوں گا نہیں بلکہ لڑوں گا!'' گرین کی آواز تھرّا گئی؛ پین نے اسے تحریک دی۔

''پھر؟''۔

''اور پھر ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اس لیے کہ ہم سب خوفزدہ تھے..... اورکل ہم حملہ کریں گے۔خدا کا واسطہ پین، باہر جاؤ اور سپاہیوں سے بات کرو''۔

''ہاں''۔

اوروہ کھڑا ہوا، گرین نے اس کا بازو پکڑ لیا ''تم انہیں کیا بتاؤ گے؟''۔

''فلیڈ یلفیا کے بارے میں بتاؤں گا.....''۔

کیا تم سمجھتے ہو.....''۔

''انہیں معلوم ہونا چاہیے۔ یہ وقت ہے کہ انہیں نفرت کرنا شروع کرنا چاہیے۔ یہ ایک انقلاب نہیں ہے، یہ خانہ جنگی ہے''۔

پین ''جنگِ جرمن ٹاؤن'' کی خوفناکی کو اپنی موت تک نہ بھول سکا۔ یہ ایک وحشتناک جنگ تھی، اس قدر مہیب کہ اصل واقعہ کے ٹکڑوں کو مہینوں بعد تک جوڑا نہیں جا سکا۔امریکی دستے چار کالموں میں برطانوی فوجوں پر ٹوٹ پڑے جو کہ گھیرے میں آ چکی تھیں۔مگر وہ کالم باہمی ہم آہنگی پیدا نہ کر سکے۔صبح تھی۔اور دھند، دبیز دھوئیں کی طرح میدان پہ چھائی ہوئی تھی۔پین کا گھوڑا گرین کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔اُسے اُس سے جدا کیا گیا، وہ گم ہو گیا، وہ سپاہِ آزادی کی ایک پوری رجمنٹ میں بھاگا، وہ بھی گم ہو گئی تھی۔انہوں نے اُس پر فائر کر دیا۔ وہ اُس پر غصے سے چلاّئے، وہ اُن میں جا گھسا اور دیکھا کہ آدھے لوگ شراب پی کر دھت تھے، بقیہ نصف بھی احمقوں کی طرح کھڑے رہنے سے زیادہ کچھ کرنے کو آمادہ نہ تھی۔ پھر اُس کے سامنے فائرنگ کا ایک طوفان اٹھا اور آدمی بکھر گئے۔ فائرنگ کی طرف گھوڑا دوڑاتے ہوئے پین زخمیوں کی ایک انبوہ تک پہنچا۔اُن کی اکثریت حرکت کرنے سے قاصر سڑک پر پڑی تھی۔دھند نے شام جیسی تاریکی پھیلا دی تھی، اور صرف آواز کی مدد سے پین نے ڈاکٹر مولاوی کو پہچان لیا، جو کہ فورٹ لی کے مقام پر گرین کے ساتھ تھا۔خون آلود ایپرن کے ساتھ اس نے پین سے پانی تلاش کرنے کی درخواست کی۔اسے پین کو گھوڑے پر دیکھ کر غلط فہمی ہوئی کہ وہ ایک افسر تھا۔

''پانی، میں کہتا ہوں پانی!''۔

''ہو کیا رہا ہے؟''۔

''ارے پین، تم ہو؟''۔

''ہاں، ہو کیا رہا ہے؟''۔

''خداجانے۔پین مجھے پانی کہاں سے ملے گا؟''۔

وہ جیگرز کے دستے کے بیچ گھوڑا سرپٹ دوڑاتا رہا جو کہ تیزی سے گزر رہے تھے اور اس کی موجودگی کو محسوس تک نہ کیا۔ پھر جنگ کی آواز کے اوپر اُس نے ھیری ناکس کی گرجدار آواز سنی۔ اس نے آواز کا پیچھا کیا اور دھند میں سے ایک توپ خانے والے ننگے آدمی کو بارہ پاؤنڈ کی بیٹری کو پوزیشن بناتے ہوئے دیکھا۔ ناکس سے خون بہہ رہا تھا، پسینہ بہہ رہا تھا اور وہ چیخ رہا تھا، اور جب اس نے پین کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑا آیا اور پتھر سے بنے ایک بڑے مکان کی طرف اشارہ کیا اور دھند میں دھندلا دکھائی دیا ''اُس کو دیکھو، اُس کو دیکھو!''۔

دھند اور دھوئیں میں سے ایک جادو نظر آتے ہوئے نصف صد ہیولے مکان کے لیے لان میں بھاگ رہے تھے۔ اچانک یہ آگ سے دھماکہ کر گیا۔ اور ہیولے بل کھا گئے، اور پھٹی ہوئی بوریوں کی طرح گر گئے۔ کچھ جہاں گرے وہیں لیٹے رہے، جبکہ دوسرے کہنیوں کے بل دور رینگنے لگے۔ ایک دوسری جانب سے توپکوں کی ایک غضبناک فائر کھل گئی اور ناکس اپنے توپخانے کے لوگوں پر چیخا:

''لوڈ کرو حرامزادو، لوڈ کرو گندے حرامزادو!''۔

لوگوں کا ایک گروپ نمودار ہوا، اپنی مکمل طاقت کے ساتھ بھاگتے ہوئے، اور کوئی یہ نہ جانتا ہوا کہ یہ پیش قدمی تھی یا پسپائی۔ اور ایک افسر نظر آیا، اور پھر دوبارہ اسی ہجوم میں واپس جاتا ہوا۔ پین کا گھوڑا دوڑتا رہا جب تک کہ ایک سست رفتار کیولری کا بینڈ پہنچا۔ وہ پولش زبان بول رہے تھے، بینڈ سست رفتاری سے چل رہا تھا، پین ان کے ساتھ تھا۔ یہ لوگ فائرنگ کے اندر پہنچے جس نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اپنے گھوڑوں کو جہاں منہ کر دیا بھگا دیا۔

کافی لائی گئی اور پنجے کی طرح کی ٹانگوں والی میز پر مکئی کی روٹیاں اور سستے شکر کا گاڑھا سیاہ مشروب رکھ دیا گیا، بھاپ اڑاتے ہوئے گرم گرم۔ وہ میز کے چاروں جانب کھڑے ہوئے۔ صبح کے نو بج چکے تھے، ایک دن بعد۔ اور انہیں ناشتہ کرنے چھوٹے ''ڈیل ہاؤس'' مدعو کیا گیا تھا۔ وہ میز کے گرد کھڑے تھے، کسی کو بھوک نہ تھی۔ پین اور گرین اور سلیوان اور وائین اور ناکس اور سٹرلنگ اور پولینڈ والا پُلاسکی اور سٹیفن، اس قدر خستہ حال، خون آلود اور تباہ حال اور میلی کچیلی ہائی کمانڈ جو آج تک نہ دیکھی گئی۔ کوئی گفتگو نہ تھی بلکہ بے حس، چندھیائے ہوئے لوگ کھڑے واشنگٹن کا انتظار کر رہے تھے۔ اور پھر ہمیلٹن اندر آیا، میز پر گیا اور اپنا منہ بھرنا شروع کیا، یہ کہتے ہوئے:

''اچھا ہے، لے لو نا!''۔

''وہ کہاں ہے؟''۔

''وہ آ جائے گا۔ یہ اچھا ناشتہ ہے اور کچھ خبر نہیں کہ اس سے زیادہ کب ملے گا؟''۔

''ناراض ہے؟''۔ وائین نے پوچھا۔

''ہمیشہ کی طرح ہے''۔

کرسیاں کافی نہ تھیں۔ کچھ بیٹھ گئے باقی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے تھے۔ گرین نے پین کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا اور اشارہ کیا۔ پھر واشنگٹن اندر داخل ہوا، سیدھا چلتا ہوا، دائیں بائیں نہ دیکھتا ہوا، اپنے لیے کافی ایک کپ میں ڈالتا ہوا، اور مکئی کی روٹی کا ایک ٹکڑا اٹھاتا ہوا، اور انہیں کہا، درشت انداز میں نہیں:

''شروع کیجئے، کھائیے، جنٹلمن''۔

بہر حال وہ اس سے خوفزدہ تھے۔ پین نے کافی لی، گرین اپنی ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا فرش پر دیکھتا ہوا، جیسے کچھ پیچیدہ مسائل ہوں جنہیں وہ حل نہیں کر پا رہا ہو۔ پلاسکی اپنی مونچھوں کو سیدھا کر رہا تھا جبکہ اس کی بہت ہی پیلی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں اور وائین اپنے ناخنوں کو دانتوں سے کاٹ رہا تھا۔ اور بڑے ورجینیائی نے آہستہ سے کھاتے ہوئے ان سے کہا:

''جنٹلمین، گذشتہ دن پر بات کرنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ آنے والا کل زیادہ شائستہ ہے''۔

انہوں نے اس کی طرف دیکھا، مگر بولا کوئی نہیں۔

''لڑائی سے متعلق اپنی رپورٹیں بنائیے۔ ہم جاری رکھیں گے، اور شاید ہماری تقدیریں مخالف انداز میں سفر کریں.....''۔

پھر کسی چیز نے بند کو توڑ دیا، اور ان سب نے یک دم بولنا شروع کر دیا..... بھاری، اور کشیدہ آوازیں، اُس دھند کو چیرنے کی کوشش میں جس نے انہیں گذشتہ صبح تباہ کر دیا تھا۔ اور واشنگٹن نے پین کا بازو پکڑتے ہوئے کہا:

''مجھے بتایئے سر، آپ فلیڈیلفیا میں تھے۔ کیا وہاں برا ہوا؟''۔

''بہت برا''۔

''اور آپ کے خیال میں ہمارے ساتھ بہت برا ہوگا؟''۔

''نہیں''۔ پین نے یقین سے کہا۔

''کیوں؟''۔

''اس لیے کہ آپ خوفزدہ نہیں ہیں''۔ پین نے سکون سے جواب دیا۔

''صرف اس لیے؟''۔

''صرف اس لیے''۔

پھر انہوں نے مصافحہ کیا۔

دشمن کو کمک لینے کے لیے دلاویئر دریا پار کرنے سے روکنے کے لیے انہوں نے جنوب کی طرف مارچ کیا، اور ناکام ہوئے۔ وہ فورٹ مفلن اور فورٹ مرسر پہ ناکام ہوئے۔ وہ چند سو سپاہیوں کے خلاف ایک بچوں کے سے گھات میں ناکام ہوئے۔ ایک سادہ سے فوجی کام میں ناکام ہوئے اس لیے کہ سپاہی تھکان سے ٹھوکر کھا گئے اور گر گئے۔ ناکامی اور ناکامی اور ناکامی۔ بارش، گھات میں سے بارہ میل اور ایک درجن برطانوی سپاہیوں سے ایک دہشت زدگی والی چھینا جھپٹی۔ دو ہزار آدمی صبح سے شام تک غلیظ پانی نکالتے رہے اور پھر ایک دن میدان سخت ہو جاتا ہے۔ دو سبزہ یا جنگل کے دو کندھوں کے درمیان جو سڑکیں دلدلت تھیں، کٹی ہوئی یا بوسیدہ تھیں، جیسا کہ اُن دنوں اکثر سڑکیں ہوتی تھیں، اس طرح غلیظ ہوئیں جیسے نالیاں بنا ہوا لوہا۔ کیچڑ میں ایک پگڈنڈی منجمد ہو جاتی ہے اور ایک مہلک ہتھیار بن جاتی ہے۔ کیچڑ کا ایک ہلکورا اپنی نوکیں ایک کاغذ جتنے پتلے

جوتے کے تلے میں سے آ جاتا ہے۔ برف کے گولے ایسے گرتے ہیں جس طرح کہ ایک رضائی اوپر سے پھٹ جائے اور آسمان کے آر پار نرم نرم گرتا جائے۔ سڑک پر ایک نشان ایک علامت بطور، سرد سفید برف میں ایک درخشاں سرخ خون ہے۔ اب پھر شمال کو مارچ، اس لیے کہ لمبے ورجینیائی کی طرف سے حکم آیا کہ اس کے ساتھ مل جاؤ۔ اس جگہ جس کا نام ''فورج وادی ہے''۔

''کامریڈ' میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ ہمارا مقصد منصفانہ ہے''۔

پین بدل رہا ہے اور وہ لاغر ہو رہا ہے۔ وہ چوڑے شانوں اور بالی سے اناج نکالنے والے آلے (کرائی) جیسے ہاتھوں والا ایک مضبوط شخص تھا مگر وہ لاغر ہو چکا تھا، اُس کے گال دھنس گئے تھے، آنکھوں کے گرد حلقہ پڑ چکا تھا۔ وہ اپنے بڑی توپک (جو اس کے کاندھے پر ایک مہلک بوجھ تھا) کے ساتھ سپاہیوں میں کھانستا ہوا، لڑھکتا ہوا، دوسروں کی طرح گرتا پڑتا ہوا، اور اپنے خون کی لکیر چھوڑتا ہوا چلتا۔ اور کس طرح کامریڈ بندھے ہوئے ہوں؟۔ ''میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ ہمارا مقصد منصفانہ ہے''۔ وہ کہتا ہے، اور گرین جو کہ اس قابل ترین فوج کو کمان کر رہا ہے دل میں سوچتا ہے'' وہ کسی روز اُسے قتل کر دیں گے، اس لیے کہ آپ ایک مرتے ہوئے جسم پر کوڑے نہیں مار سکتے''۔

وہ اُسے قتل نہیں کرتے، اُسے سنتے ہیں۔ اور بیس آدمی جو یقیناً بھگوڑے ہو جاتے، ایک شخص کو سرگوشی کرتے سنتے ہیں۔

''انسان فخر سے زندہ رہتے ہیں، اس لیے میری بات سنو کامریڈو۔ سب چیزیں اس سے آتی ہیں، اور جن کارناموں کی ہم نے جرات کی وہ میرے اور آپ کے تصور سے بھی باہر ہیں۔ مگر اگر تم گھر جانا چاہتے ہو.....''۔

''خدا تمہیں غارت کرے پین، یہ سب ہم پہلے سن چکے ہیں!''۔

''گھر جاؤ!''۔ اور پھر خاموشی جب تک کہ کوئی کہتا ہے: ''بولتے جاؤ ٹام''۔

''ہم اچھے لوگ ہیں''۔ اور وہ بھکاریوں کے حلقے پر نظریں دوڑاتا ہے۔

''کیوں؟''۔

''صرف اس حقیقت کے سبب کہ ہم گھر جانا چاہتے ہیں۔ برے لوگ گھر جانا نہیں چاہتے۔ ہم اچھے لوگ ہیں، خاموش لوگ ہیں، چھوٹے لوگ ہیں۔ اور ہم پوری دنیا کا ذمہ اٹھارہے ہیں۔ انہوں نے پانچ ہزار سال تک ہمیں غلاموں کی طرح ہانکا، مگر اب ہم دنیا کے مقابل ہیں، اور جب ہمارے مارچ کرتے قدم آواز نکالتے ہیں، یا خدا، دوستو، تو کون اپنے کانوں کو روکنے کے قابل ہوگا؟ مگر یہ ابتدا ہے، یہ ابتدا ہے.....''۔

''میں چاہتا ہوں تم میرے ساتھ رہو''۔ گرین نے ایک شام اُس سے کہا'' ٹام مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ایک میجر کا عہدہ لے لو''۔

پین نے انکار میں سر ہلایا۔

''مگر کیوں؟۔ میں انعامات کی بات نہیں کر رہا، اس بات کو عرصہ بیت چکا، مگر کچھ نہ ہونے میں فائدہ کہاں ہے، ایک شلنگ تنخواہ نہ لینے میں، اس بات کے جاننے میں کہ اگر تم گرفتار کر لیے جاؤ تو ایک گھنٹے بعد لٹکا دیے جاؤ گے؟''۔

''میں ایک فوجی نہیں ہوں''۔ پین نے جواب دیا۔

''کیا ہم میں سے کوئی فوجی ہے؟''۔

''تھینیل، یہ تمہاری جنگ ہے لڑنے کے لیے، اور میری ہے سمجھنے کے لیے۔ میں تو ایک امریکی بھی نہیں ہوں، اور میرا انجام کہاں ہے؟۔ تم آزاد ہو جاؤ گے، مگر میری زنجیریں میرے پاس ہوں گی.....''۔

''میں سمجھا نہیں''۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا''۔ پین نے بے چین ہو کر کہا، اور پھر ذرا سا مسکرایا جیسے گرین کو یاد دلا رہا ہو کہ وہ ابھی تک ''خارجہ امور کے دفتر'' کا سیکرٹری تھا۔

جب وہ وادیِ فورج پہنچے تو پین کو پیچش لگ گئی۔ کرنل جوزف کر کبرائڈ جس سے پین فورٹ لی میں مل چکا تھا، چھٹی پر جا رہا تھا اور اس نے پوچھا کہ کیا وہ میرے ساتھ اس چھٹی میں شامل ہوگا؟۔

''تم ایک آرام سے مستفید ہو سکتے ہو''۔ اس نے اسے بتایا۔

پین جو کہ اب بہ مشکل لڑکھڑا کر چل سکتا تھا، راضی ہو گیا۔ گرین نے گھوڑے مہیا کیے، پین کے ہاتھ کو مضبوطی سے جکڑ لیا اور اس سے واپس آنے کی التجا کی۔

''میں واپس آؤں گا''۔ پین مسکرایا۔

کر کبرائڈ، بارڈن ٹاؤن میں رہتا تھا، ایک آرام دہ گھر میں، پانچ فٹ چوڑی انگیٹھیاں، رات کو پروں والا گدا، بھاپ کا غسل، اور سب سے بہترین یہ کہ کتابیں تھیں۔ اس کے پاس سووفٹ تھا، شیکسپیئر تھا، ایڈسن تھا، پوپ تھا، کلیرمونٹ تھا، ڈریڈ کے چھوٹے فحش ناول تھے۔ پین بیمار تھا کمزور تھا اور تھکا ہوا تھا، اور وہ آتشدان کے سامنے سکڑا ہوا لیموئیل گلیور کے ساتھ وقت گزاری کرتا رہا، مکی ڈرے کے ساتھ جن رومی کی ہر جائیانہ غلاظت کو گزارتا رہا، ڈیو کے ''انگلینڈ'' کو دوبارہ ذہن میں محفوظ کرتا رہا، ہیملٹ اور لیئر کے ٹکڑے پڑھتا رہا، کھاتا رہا سوتا رہا۔ ان کے چند ملاقاتی آئے۔ اور دونوں کی خواہش تھی کہ دونوں کو اکیلا چھوڑا جائے، کچھ عرصہ کے لیے سب کچھ بھول جانے دیا جائے۔ انہوں نے اچھی خاصی شراب پی، دھت ہونے کے لیے نہیں مگر مطمئن جانداروں کے گرم، خوابیدہ اطمینان کے لیے۔ وہ کم بولتے تھے۔ وہ کھڑکیوں سے باہر دیکھتے اور برفباری کا نظارہ کرتے، ہر وقت اس آرام کے ساتھ کہ وہ انگیٹھی میں شعلوں کو غراتے دیکھیں گے۔

اسی طرح دو ہفتے گزر گئے۔ ایک صبح پین اٹھا اور اعلان کیا، جیسے اچانک اسے خیال آیا ہو:

''میں واپس جا رہا ہوں''۔

وہ منجمد سڑک پر گھوڑے پر سوار چلتا رہا جہاں اس کے گھوڑے کی سُم جب بھی برف کے ٹکڑے سے ٹکرا جاتی تو اس طرح آوازیں آتیں جیسے بندوق کی آواز، پین نے اپنے ساتھ سبزہ زار میں ایک غیر واضح چمک دیکھی، وہاں جا کر وہ جھکا تو ایک شخص سردی سے اکڑا منجمد مرا پڑا تھا، بندوق ساتھ رکھی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا۔ وہ سپاہِ آزادی میں سے ایک تھا، بھگوڑا ہو چکا

تھا۔ایک زندگی گئی، اور ایک تنہا علاقے میں سرد تنہائی۔

ایسا تھا۔اور ہمیشہ سے ایسا تھا۔سرما اور علاقہ اُن کے خلاف، بند دروازے۔پنسلوانیا اور جرسی میں کوئی فرق نہ تھا۔

رات کو وہ ایک چھوٹی سی آگ کے قریب سکڑا، ایک قدم کا مطلب ہوتا موت اور اس نے اپنی بندوق اپنے پہلو میں رکھی؛ وہ اپنے کمبل میں لیٹا اور اوپر سرد سرما کے آسمان کو دیکھنے لگا۔ راستے کا پوچھنا بھی محفوظ نہ تھا اور نہ ہی اپنی وابستگی بتانا محفوظ تھا۔وہ ''فورج وادی'' نامی جگہ کی تلاش میں تھا، اور وہ واحد شخص جس سے اس نے بات کی تھی، اُس نے اُس جگہ کے بارے میں بتایا ''اتنا بتادوں، وہ ایک غمگین جگہ ہے''۔

وہ ایک اچھی رات ایک کوئیکر کے گھر میں رہا۔ایک بڑا موٹا نرم گفتار آدمی، اور ایک عورت جس کی مسکراہٹ ایک بچے کی طرح معصوم تھی۔اس نے اُن کا شکریہ ادا کرنے کی کوشش کی اور اپنے بارے میں بتانے کی کوشش کی۔مگر اس شخص نے کہا ''نہیں' سرد اور بھوکے اجنبی کے علاوہ ہم آپ کو نہیں جانتے۔اور اگر آپ اُن میں سے ایک ہیں تو اپنے کام سے کام رکھیے''۔

''تم سپاہِ آزادی کو پسند نہیں کرتے؟''۔

''ہم انسان سے محبت کرتے ہیں' مگر خونریزی، قتل وغارت اور دکھ سے نفرت کرتے ہیں''۔

''اور آزادی کے لیے لڑنا قتل وغارت گری ہے؟''۔

''آپ اپنے اندر ہزار گنا زیادہ وہ آزادی دیکھیں گے''۔

پین نے جاتے ہوئے کہا: ''کیمپ کی طرف راستہ؟''۔

''فورج وادی؟''

''ہاں''۔

''آپ کو وہ ملے گا۔خدا نے زمین پر فنا کی ایک جگہ منتخب کی ہے۔آسمان کی طرف دیکھو اور جہاں شیطان کھڑا ہو، وہی ہوگا۔

یہ فورج وادی تھی۔جب وہ آیا تو رات تھی، اور ایک سنتری نے، جو ایک کمبل میں لپٹا تھا، اس کا راستہ روکا۔شوئیلکل کے پار ایک پُل تھا اور برفیلی پہاڑیوں پر ایک گلابی آسمان تھا۔ وہاں ڈونگیاں، گندے تسمے کی طرح آگے پیچھے لائنوں میں، آدھے گندے سوراخ، آدھے تنے، ایک منجمد پریڈ گراؤنڈ پر ایک پرچم لہرا رہا تھا۔ہر جگہ آگ جل رہی تھی، اور شعلوں کے آس پاس سیاہ ہیولے حرکت کر رہے تھے۔پہاڑیاں ننگے گوشت کی طرح ابھار بنائی ہوئی تھیں، اور بغیر پتوں والے درخت ہوا میں جھول رہے تھے۔

''میں پین ہوں''۔اس نے سنتری کو بتایا، اور وہ شخص کھانسا، ہنسا، اور ناتواں شخص پہ اپنے پیلے دانت دکھائے۔

''وہ تو ہم سب ہیں، سٹیزن''۔

''ٹام پین''۔

اُس شخص نے اپنی یادداشت کو ٹٹولا۔اُسے یاد آیا، اور اپنا سر ہلایا ''کامن سنس؟''۔

''ہاں، جنرل کہاں ہے؟''

''آگے.....''۔اس شخص نے دلچسپی ترک کردی، اور اپنے کمبل میں دوبارہ گھس گیا۔

"آگے" اسے خندقوں سے گزارتا لے آیا، ایک آرٹلری کیمپ میں، ایک عارضی ہسپتال میں جہاں زخمی کراہ رہے تھے' گا رہے تھے، چیخ رہے تھے اور دوسرے سنتری تھے جسے اس نے وہی جواب دیا:

''پین''۔

''چلتے جاؤ''

وہ کیمپ میں دریا کے ساتھ ساتھ ایک میل چلا تھا۔اس کے سامنے اور بائیں طرف پہاڑیاں تھیں، تب اس نے افق میں پتھر کا بنا عارضی گھر دیکھا جو کہ واشنگٹن کا ہیڈ کوارٹر تھا۔وہاں چمنی سے دھواں نکل رہا تھا، کھڑکیوں میں سے روشنی آرہی تھی، ایک سنتری سامنے تھا اور ایک سنتری

عقب میں۔انہوں نے اُسے اندر جانے دیا۔ایک لاغر، آنکھوں میں حلقے پڑا ہوالڑکا،اب برسوں بڑا تھا جب پین نے پچھلی بار اسے دیکھا۔ وہ ڈیوڑھی میں کھڑا تھا۔اس نے ایک زمانے میں تھیٹ فورڈ میں بریز یئر ساز کو پہچان لیا،مسکرایا اور سر ہلایا۔

''خوش آمدید''۔

پین نے اپنے ہاتھوں پر گرم سانس ڈالی اور مسکرانے کی کوشش کی۔

''آپ کو ہماری چھوٹی جگہ پسند ہے؟''۔ہملٹن نے پوچھا۔

اُس کے لہجے میں ایسی بات تھی کہ پین کو پوچھنا پڑا، غیر یقینی انداز میں''کیا اس سے بھی برا ہے جو میں دیکھ چکا ہوں؟''۔

''یہ تو اس پر منحصر ہے کہ آپ نے کتنا کچھ دیکھا ہے''۔

''میں پُل پر سے چلتا آ رہا ہوں''۔

''پھر تو بہترین ابھی آئے گا''۔ہملٹن نے تلخی سے کہا۔

''پین،تمہیں ڈونگی ضرور جانا چاہیے.....تمہیں وہاں جانا چاہیے اور اُن سے بات کرنی چاہیے ،اور شاید وہ تمہارا گلا کاٹ ڈالیں گے۔کیا تمہارا خیال ہے کہ تم نے اُن کو بدترین صورت میں دیکھا ہے؟ .....مگر ہم یہاں وحشیوں کی ایک نئی قسم پال رہے ہیں۔تم کیوں نہیں پوچھتے کہ کیوں؟''۔

''میں جانتا ہوں کہ کیوں''۔پین نے سر ہلایا۔

''اچھا؟ .....تم نے ہماری اُس ناپاک کانگریس کے لیے کام کیا۔کیا انہیں معلوم ہے کہ ہم فاقوں میں ہیں، ننگے ہیں، بھوک و بیماری اور سردی سے مر رہے ہیں، سڑ رہے ہیں، سڑ رہے ہیں، پین!''۔

اس کی طرف جا کر پین نے اسے جیکٹ سے پکڑا اور نرمی سے کہا''خود پر قابو رکھو۔مجھے یہ تک معلوم نہیں کہ کانگریس کہاں ہے۔خود پر قابو رکھو''۔

ہیملٹن کھی کھی کر کے ہنس پڑا اور تھوک نگل لی'' سوری'' وہ دوبارہ ہنسا۔'' اندر جایئے.....وہ وہاں ہے''۔

''احمق نہ بنو''۔

''سوری''۔ہیملٹن نے کہا۔

جونہی پین کمرے میں داخل ہوا واشنگٹن کھڑا ہو گیا، ایک لمحے کو اجنبی کو پہچاننے کے لیے غور سے دیکھتا ہوا، اور پھر مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔پین نے محسوس کیا کہ وہ زیادہ بوڑھا لگ رہا تھا: جنگ اس جوان اور بے آس گروہ کو بوڑھا بنا رہی تھی؛ لاغر بھی، اور وہ اُس وقت عجیب سا معصوم تھا، بغیر پر کے، ایک ڈریسنگ گاؤن میں، اُس کے ہاتھ میں ایک قدیم کیپ تھا، اس کی بھوری آنکھیں پین کے تصور سے زیادہ وسیع تھیں۔

وہ پین کو دیکھ کر واقعی خوش ہوا تھا۔اس سے بیٹھنے اور کوٹ اتارنے کی التجا کی، اور پھر چند ہی الفاظ میں کیمپ کی کشیدہ اور خوفناک صورتحال بیان کی، خوراک ولباس کی کمی کی، اور جنسی مرض کے خطرناک طور پر بڑھ جانے کی، عورتوں کی زیادتی کی وجہ سے جو مردوں کے ساتھ رہتی تھیں، ان میں سے کچھ کیمپ میں رہنے والی تھیں اور کچھ بیویاں تھیں، روزانہ بھگوڑوں میں اضافے کی، گولہ بارود کی کمی کی، بڑھتی ہوئی ناراضگی کی جو کہ سب سے وفادار لوگوں میں بھی اس وجہ سے موجود تھی کہ انہیں تنخواہ ملے مہینوں ہو چکے تھے۔

''یہ سب کچھ'' واشنگٹن نے نرمی سے کہا''میں آپ کو بتاؤں، یہ پچھلے سال سے بھی بدتر صورتحال ہے، اور وہ تو آپ کو یاد ہے۔جب تک دیہات مدد نہیں کرے گا، ہمارا خاتمہ قریب ہے .....آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔دشمن طرف سے نہیں ، بلکہ ہماری اپنی طرف سے، اور تب انقلاب ایک برے خواب کی طرح جائے گا''۔

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''۔

''کانگریس جاؤ اور وہاں دلیل پیش کرو۔دیہات میں جاؤ اور انہیں جگا دو۔انہیں سمجھا دو، انہیں بتا دو!''۔

''میں یہاں رہنا چاہتا ہوں''۔

''یہاں مت رہو، پین۔یہاں دوزخ ہے، اور میرا نہیں خیال کہ یہاں تم بھی ہماری کچھ

مدد کر سکو گے۔ کانگریس جاؤ، اور ہم کسی طرح سردیاں نکال لیں گے............ میں اگلی سردیوں کے بارے میں سوچ نہیں سکتا۔ کسی طرح ہم یہ سردیاں نکال لیں گے‘‘۔

10

انقلاب روک اور قید کے بغیر

اس نے کانگریس کو یارک میں ڈھونڈ نکالا، اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ اسے ایک عشائیہ دیا گیا۔ وہاں رش تھا، ایبنگٹن تھا، ایڈم برادران تھے، لی تھا، ہیمنگوے تھا اور دوسرے تھے۔ مہمانِ خصوصی ٹام پین تھا، شیو کیا ہوا، نئے کوٹ اور نئے بوٹ پہنے ہوئے۔ ’’جتنا کچھ اس نے دیکھا اور صعوبتیں اٹھائیں‘‘۔ ہیمنگوے نے کہا ’’ہم سب کو اس سے روحانی فیضان لینا چاہیے‘‘۔ وہ سارے لوگ کھاتے پیتے اور ایماندار تھے، کلارٹ نامی ارغوانی شراب اس شام کا مشروب تھا، بوتلیں میز کے اوپر نیچے یوں روشن بلبلے چھوڑ رہی تھیں جیسے برطانوی ریڈکوٹوں کی ایک پوری لائن ہو۔ جیمز کرینشا، جس کے خوبصورتی سے فرنش کیے ہوئے گھر میں یہ عشائیہ دیا گیا، پرانے زمانوں جیسی میزبانی کر رہا تھا، روسٹ کیے ہوئے پورے شیرخوار سؤر کو خود ہی اٹھائے ہوئے اندر لایا۔ روسٹ کے پہلو میں دو بیف اور کڈنی پڈنگز رکھے ہوئے تھے۔ اور پڈنگز کے پہلو میں فرائی کردہ مرغیوں کے دو پرات تھے۔ گندم اور مکئی دونوں کی گرم روٹیاں اپنی خوشبو بکھیر رہی تھیں اور ڈرائی فروٹ سے بھرے ہوئے بکری کی سینگ نما برتن تھے۔ ’’چونکہ زمین وافر ہے، دور دراز تک کو خبر ہونی چاہیے‘‘۔ پین کے پاس بیٹھے ہوئے کرین شا نے اس کے فلیڈیلفیائی فرنیچر کی خوبصورتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

’’سر، آپ، کرسیوں کی سادہ لکیروں اور غیر آراستہ پشت نوٹ کریں۔ درازوں والی میز کے لیے، میں تسلیم کرتا ہوں کہ نیو پورٹ کے مہاگنی نامی درخت کی پیداوار کی برابری کوئی

نہیں کرسکتا۔ کرسیوں کے لیے تاج فلیڈ یلفیا کے پاس ہے۔ انگلینڈ میں اتنی اچھی نہیں ہیں، بالکل بھی نہیں۔ نیو انگلینڈ میں وہ لوگ زینہ پشتوں کے ساتھ اور تیزی سے کسانوں والی سیٹوں سے پیداوار کی بے حرمتی کرتے ہیں؛ یہاں ہماری کرسیاں خوبصورتی کا نمونہ ہوتی ہیں، گولہ اور پنجہ اپنے آخری کام میں پہنچے، چٹائی جیسی بُنی ہوئی پشت اپنی عمدہ خم میں یونانی ہوگئی ہے۔ بھلا امریکہ کے فرنیچر کا بھی کوئی توڑ ہے؟''۔

''میں حیران ہوں''۔ پین نے سوچا۔

انہوں نے اسے خوراک اور مشروب سے لاد دیا، اور وہ دنیا کی ہر چیز پر گفتگو کرتے رہے ماسوائے جنگ کے۔ جب کھانا مکمل کھایا گیا، میٹھا مشروب پیش کیا گیا اور خواتین ڈرائنگ روم میں چلی گئیں تب وہ اصل بات پہ آئے۔ پھر نسوار اور سگار پہ انہوں نے پین کو فنکارانہ انداز میں پوچھا کہ اس نے جرمن ٹاؤن اور فورج وادی میں کیا دیکھا۔

''مگر آپ یہ تو تسلیم کریں گے ہی کہ قیادت اچھی نہ تھی؟''۔ انہوں نے اسے چھیڑا۔

''حضرات، لیڈرشپ قربانی دینے والی اور جرات مند ہے''۔

''مگر احمق ہے''۔

''میں اس کی تردید کرتا ہوں۔ سپاہی ایک رات میں نہیں بنتے۔ ہم پروشیائی نہیں ہیں، بلکہ ایک ریپبلک کے سٹیزن ہیں''۔

''مگر آپ اس بات کی تردید نہیں کرسکتے کہ واشنگٹن مسلسل ناکام ہوتا رہا ہے۔ جو کچھ آپ نے فورج وادی میں چشم دید باتیں ہمیں بتائیں وہ اُس کی نااہلی کا ایک آخری ثبوت ہے''۔

''نااہلی!''۔ پین نے آہستگی سے کہا۔ ''میرے اچھے حضرات! خدا آپ کی مدد کرے''۔

''آپ بات کو ڈرامائی نہیں بنا رہے پین؟''۔

''اس بات کا مطلب کیا ہے؟''۔ پین نے پوچھا'' کیا آپ واشنگٹن سے جان چھڑانا چاہتے ہیں؟''۔

''بلکہ چلیں یوں کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہتے ہیں''۔ لی نے نرمی سے کہا

''گیٹس نے سارا ٹوگا میں کیا کیا، برگوئن کی پوری فوج کو اس کا قید کرنا ثابت کرتا ہے.....''۔

''کچھ بھی ثابت نہیں کرتا''۔ پین چیخا۔'' کیا آپ بھول گئے کہ گیٹس نے پچھلے سال دیلاویئر میں جان بوجھ کر واشنگٹن کو اکیلا چھوڑ دیا تھا؟۔ میں الفاظ سے خوفزدہ نہیں ہوں، حضرات، اور میں کسی اور بات کی طرح تیزی سے لفظ غدار کہوں گا۔ ایک قیمت پر گیٹس بک جائے گا، اور مجھے یقین نہیں ہے کہ دوسروں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی.....''۔ وہ ایک ایک چہرے کو دیکھنے لگا۔

''پین، تمہیں چڑھ گئی ہے''۔

''کیا واقعی؟۔ پھر میں وہ بات کروں گا حضرات کہ میں کبھی متین ہونے کی جرات نہ کروں گا۔ میں کہوں گا حضرات، کہ آپ مجھے کراہت پر مجبور کرتے ہیں، کہ آپ وہ سب کچھ توڑ رہے ہیں جو ہماری کانگریس میں عمدہ ترین ہے۔ کہ آپ لوگ بکنے کے لیے تیار ہیں۔ ہاں، جہنم میں جائے، بکنے کو تیار ہیں۔ اور یہ کہ جب آپ کے پاس واشنگٹن نہ ہوگا، آپ جنگ ہار جائیں گے.....''۔

اگلی رات کسی نے اس کو قتل کرنے کی کوشش کی، ایک پستول چلی اور نشانہ غلط ہوجاتا ہے، اور ایک ہفتہ بعد ایک پرچی جس نے نرمی سے کہا کہ کچھ باتیں کہنے کی ہوتی ہیں اور کچھ نہیں۔ مگر رش نے اسے ایک شراب خانے میں ڈھونڈ نکالا اور کہا:

''ہمیں غلط نہ سمجھو پین۔ ہم غدار نہیں ہیں، یقین کرو''۔

''مگر تم مجھے مردہ دیکھنا چاہتے ہو؟''۔

''کیا مطلب؟''۔

پین نے اسے بتا دیا اور رش کا چہرہ مرجھا گیا اور سیاہ پڑ گیا۔ اس نے پین کو یقین دلایا کہ اُسے اس قاتلانہ کوشش کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔

''ہم قاتل نہیں ہیں''۔ اس نے تلخی سے کہا۔

یارک کی گلیوں میں ایک دن اسے آئرینی رابرڈیولی۔ وہ گرمجوشی سے ملی اور پین کو دیکھ کر واقعی خوش ہوئی۔ وہ اور اس کا چچا ''ڈبل کوچ'' میں ٹھہرے ہوئے تھے، اور وہ آئرینی کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ راستے میں اس نے مختصراً اسے بتایا کہ پچھلی ملاقات کے بعد اس نے کیا کچھ کیا۔

''تم کبھی آرام نہیں کرو گے''۔ آئرینی بولی۔ ''ٹام، تم کبھی سکون میں نہیں رہتے''۔

''ہاں، میرا یہی خیال ہے''۔

اُس نے اُسے بتایا کہ اُس کی منگنی ہو چکی ہے..... اور جب وہ دوبارہ فلیڈ یلفیا جائیں گے تو شادی ہو جائے گی۔ اُس نے سر ہلایا اور آئرینی اس کے چہرے سے یہ اخذ نہ کر سکی کہ اس پر کچھ اثر ہوا بھی کہ نہیں۔

''ہم فلیڈ یلفیا پر دوبارہ قبضہ کریں گے؟''۔ اس نے پوچھا۔

''مجھے یقین ہے، ہم اُسے دوبارہ لیں گے''۔

''ٹام.....''۔

اس نے آئرینی کی طرف دیکھا

''یہ سب کچھ مختلف ہو سکتا تھا''۔ آئرینی نے کہا۔

''میرا نہیں خیال''۔

کمیشن کے سیکرٹری کے بطور کام کا انبار لگ گیا۔ وہ پھر ایک کلرک تھا جو کہ راتوں کو جاگ جاگ کر ''بحران'' لکھتا رہا۔ اب بھی وہ بہر حال اپنا وزن محسوس کرانے کے قابل تھا، اُن پر دباؤ ڈالتا ہوا جنہیں وہ جانتا تھا، مسلسل واشنگٹن کی ضرورتوں کے بارے میں بولتا ہوا، دھمکیاں دیتا ہوا، بے شمار چھوٹی سازشوں میں خود کو شگاف کے بطور استعمال کرتا ہوا، انہیں فاش کرتا ہوا، جوتوں اور کپڑوں کے ضبط کرنے کے جھوٹے احکامات لکھتا ہوا، خوراک کے ایجنٹوں سے باتیں کرتا ہوا، ہر طرح کے وعدے کرتا ہوا، دراصل ''فورج وادی'' کے لیے اناج کا بھرے ہوئے ایک جہاز کا بندوبست کرتا

ہوا، دوبارہ پیتا ہوا، اس سے زیادہ جتنا کہ اُسے پینا چاہیے تھا، چاقو کی طرح کاٹ ڈالنے والے الفاظ لکھتا ہوا.....

حالات میں ایک تبدیلی آ رہی تھی۔ 1778-1777 کے اُس سرما کے آخر، میں جنگ کا فیصلہ کن نقطہ آن پہنچا، اور امریکی جیت گئے، جنگوں کے ذریعے نہیں، بلکہ صرف ایک فوج کے بطور وجود قائم رکھ کر، ایک فوجی طاقت کے بطور۔ لمبا، ناخوش ورجینیائی، جو ایک کمانڈر کے بطور ناکام رہا، تتر بتر ہوتی ہوئی ایک فوج کو ایک نکتۂ مجتمع کے بطور بنا کر اپنی اہمیت ثابت کر گیا۔ اور اُس خوفناک سرد سرما کے پورے عرصے میں، اُس نے اپنے گرد ایک مرکز کے بطور اپنے آدمی رکھے۔ شاید، اگر برطانوی کمانڈر ہاؤوے فورج وادی پر حملہ کرتا، تو امریکی فوج میں سے جو کچھ باقی بچ گیا تھا، مکمل طور پر تباہ ہو سکتی تھی۔ مگر فلیڈ یلفیا آرام سے تھا، اور ہاؤوے نے حملہ نہیں کیا۔

وہ ہل چلانے سے فارغ ہو کر فوجی کیمپ میں انڈلتے گئے ..... گھریلو لوگ، کاشتکار، مرد، لڑکے، فورج وادی میں سرما کے بعد بچے ہوئے چار ہزار سات ہزار ہو گئے، پھر دس، پھر بارہ ہزار۔ اور بطور ایک مرکزہ کے وہاں تلخ، سخت مرکز تھا جو دوزخ جیسی لشکر گاہ میں زندہ رہا۔

ہاؤوے خوفزدہ ہو گیا۔ ایک وقت تھا جب وہ حملہ آور ہو سکتا تھا۔ مگر اب وہ ایسی حالت میں تھا کہ اُس پر حملہ کیا جاتا۔ اس نے فلیڈ یلفیا میں سے شمال کو باہر مارچ کیا جرسی میں سے؛ اور مان ماؤتھ پہ واشنگٹن نے اس کا راستہ روک لیا۔ بغیر کچھ کے جنگ کے تین سال نہیں، تین ہیجانی شکست کے سال، لاغر اور تباہ حال سپاہِ آزادی میں لوہا ڈالا۔ پہلی بار وہ لڑے اور اپنی جگہ ڈٹے رہے، ایک گولی اور شیل اور آگ والے دن کی جلنے والی لڑائی پہ قائم رہے، اور پھر اپنے ہتھیاروں پر لیٹے اور ایک شکستہ برطانوی فوج کو میدان سے پسپا ہوتے دیکھ رہے تھے۔

جنگ ختم نہ ہوئی تھی؛ یہ شروع سے زیادہ کچھ نہ تھا؛ مگر اب ایک امریکن فوج تھی۔

پین اپنے نئے پیشے کو سمجھنے لگا۔ مہارت جسے انقلاب کہا جاتا تھا۔ اس نے لوگوں کو اقتدار

لیتے ہوئے دیکھا تھا، اور وہ ذرائع بھی جن سے وہ اقتدار لیتے تھے؛ اس نے اُن کے مقرر کردہ لیڈر دیکھے تھے۔ اُس نے سٹیزنز کو، جن کا گزر بسر جنگ نہ تھا، دشمن کے خلاف اکٹھے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے بار بار ردِانقلاب کو اپنا سر ابھارتے دیکھا، نیویارک میں، فلیڈیلفیا میں، جرسی میں اور پنسلوانیا میں۔ اس نے فوج کو مخالف گروہوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا تھا، اور اس نے پکے محبّ وطنوں کو بلند ترین بولی پر بکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور اب وہ آخری مراحل میں سے ایک کو دیکھ رہا تھا، عوام کی پارٹی اور فنانس کی پارٹی، ٹریڈ اور اقتدار اور ارسٹوکریسی کے بیچ ایک شگاف۔ اور حیران کن انداز میں آخر الذکر قوتیں اس ایک کے خلاف متحد تھیں جو امریکہ میں امیر ترین آدمی کے بطور مشہور تھا؛ ورجینیائی کاشتکار، واشنگٹن۔ پہلے، منصوبہ تھا کہ واشنگٹن سے کمان لے کر اسے گیٹس کو دیا جائے؛ پھر اس کی نیک نامی کو گندہ کر کے اور اس سے ہائی کمان تقسیم کر کے؛ اور اب آخر میں سیدھا سیدھا برطانیہ سے بک کر۔ انگلینڈ نے بہت وسیع اختیارات کے ساتھ شرفا کی پارٹی سمندر پار بھیج دی؛ انہیں پتہ تھا کہ کس سے رابطہ کیا جائے۔ پین نے ایک قاصد واشنگٹن کو بھیجا اور اپنے قلم میں غصہ سے لکھا۔

خود زیرِ زمین کام کرتے ہوئے اس نے انتشار گہرا سے گہرا محسوس کیا۔ وہ بلا واسطہ الزامات سہنے کی برداشت نہیں رکھتا تھا، پھر بھی انقلاب کے خلاف سازشوں کے اپنے شکوک کو ختم کرنے کے لیے تحریری شواہد کا کوئی کاغذ تلاش نہیں کر سکتا تھا۔

سموائیل ایڈمز پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے ..... مخلصانہ یقین کرتے ہوئے کہ اگر تجویز اچھی طرح رکھی جائے، تو ایڈمز اور بوسٹن گروہ کے کافی اور لوگوں کو خریدا جا سکتا ہے قیمت کافی اونچی رکھی جائے اور سمجھوتہ جس سے انہیں وہ عہدے دیے جائیں جن کے لیے وہ تمنا کرتے تھے..... وہ پھر بھی کوئی ٹھوس وجوہات نہیں رکھتا تھا جن پر اُن پہ الزام لگاتا۔ اور رچرڈ ہنری لی نے اسے گلی میں روکتے ہوئے تلخی سے بتایا:

''پین، لگتا ہے، تمہیں اپنے دشمن پیدا کر کے خوشی ہوتی ہے''۔

''میرے دشمن کئی ہیں، چند اور کا اضافہ کوئی مسئلہ نہیں''۔

''ایک دوست مدد کر سکتا ہے۔ ایک خاموش زبان بھی''۔

''میرا واحد دوست انقلاب ہے۔ اور میری زبان کسی کسان کی زبان کی طرح حرکت کرتی ہے''۔

''صرف خبردار کرنے کا ایک لفظ.....''۔

''مجھے خبردار کرنے کی ضرورت نہیں، دوست''۔ پین مسکرایا

اور پھر سیلاس ڈین کا معاملہ آیا۔

خارجہ ورکس کمیٹی کے سیکرٹری کے بطور پین کا واسطہ بار بار بہت ہی عجیب معاملات سے ہوا۔ ''روڈرک ہورٹالیز اینڈ کمپنی'' نامی ایک یورپی فرم تھا۔ جب گذشتہ سردیوں میں چیزیں سب سے زیادہ خراب تھیں تو اسے خود اُن سے معاملات کرنے پڑے تھے۔ یہ ایک ایسی فوج کے بوٹوں کا معاملہ تھا جو اپنے پیر کپڑے کے چیتھڑوں اور ٹاٹ سے باندھتی تھی، اور چارلسٹان کے ایک مسٹر سٹیفنز نے کہا کہ وہ اچھے بوٹوں کے ہزار جوڑے حاصل کر سکتا ہے..... قیمت پر۔ قیمت تھی ایک لیوَرے فی جوڑا۔ یہ قیمت مہنگی تھی، مگر جنگ کے زمانے میں چیزوں کی قیمتیں بڑھ جانے کی توقع تو ہوتی ہی ہے۔ پین نے اس سودے پر مذاکرات کیے اور جب بوٹ پہنچ گئے تو پتہ چلا کہ وہ سپین کے چمڑے کے ہیں.....مگر ان کا بل، روڈرک ہورٹالیز اینڈ کمپنی کی طرف سے پیش کیا گیا۔ یہ کمپنی پہلے ہی امریکی غلام ریاستوں کے بیچ بہت مشہور تھی، مگر مسٹر سٹیفنز کو کس نے بھرتی کیا اور کس نے اُسے ادائیگی کی؟۔ معاملے کی تحقیق کی تو پین کو معلوم ہوا کہ امریکہ کو ساری بیرونی امداد (فرانس سے گندم بھرے بحری جہاز، نیو آرلینز سے دریائی راستے سے آنے والا بارود اور توپ کے کم گہرے پانی میں چلائی جانے والی کشتیوں کے بیڑے، انڈیز سے شراب، سپین سے پوشاک، ہالینڈ سے خشک پنیر، حتیٰ کہ برطانوی جزائر سے کسی طرح سمگل کی گئی سکاچ کے پاس راڈرک ہورٹالیز اینڈ کمپنی کی فروخت کے بل تھے.....اس کے بارے میں سب لوگ کچھ نہ کچھ جانتے ہیں، مگر بہت سارے بات کرنے پر راضی نہ تھے۔ پین کے لیے تفصیلات لینا سخت مشکل تھا۔

کانگریس کا صدر ہنری لارنز ایک ایماندار شخص تھا جو جھوٹوں، دھوکوں، خودغرضیوں کی ایک نخلستان سے اپنا راستہ بنانے کے لیے لڑنے کی کوشش کرتا تھا، اسے پین پسند کرتا تھا اور عزت کرتا تھا۔ اس نے پین کو بتایا:

''اِس کی کیا اہمیت ہے، جب تک کہ یہ کاز کی مدد کر رہا ہو؟''۔

''مگر قیمتیں؟''۔ پین نے اشارہ کیا۔

لارینز مسکرایا تھا۔ یہ کچھ وقت پہلے کی بات تھی۔

پیرس میں آرتھر لی کی طرف سے بات آئی کہ یہ ممکنات میں سے ہے، اِس سے زیادہ کچھ نہیں، کہ فرانس اور سپین دونوں امریکہ کو خفیہ تحائف دیتے رہے، ممکنہ طور پر ایک ملین لیورے فی ٹکرا۔ ڈین کمپنی کے توسط سے سارے سودوں پر 5 فیصد کمیشن لے رہا تھا، اور بل پیش کیے جا رہے تھے۔ پھر، فرینکلن کی طرف سے ایک خط سے پین کو معلوم ہوا (جسے وہ تقریباً حتمی ثبوت سمجھتا تھا) کہ ساری سپلائیاں دونوں حکومتوں سے سونے کے ایک تحفے کے ساتھ خریدی گئیں، ایسا تحفہ جسے کیرن ڈی بیومارکیس نامی ایک پراسرار اور بے اعتبار شخص معاملہ کر رہا تھا۔ بے اعتبار اس لیے کہ وہ راڈرک ہورٹالز اینڈ کمپنی کی پشت والی طاقت نظر آ رہا تھا، پراسرار اس لیے کہ فرانسیسی حکومت اُسے بہت ترجیح دیتی تھی۔ ایک غیر جانبدار قوت متحارب فریقوں میں ترجیحات نہیں دکھا سکتا۔

اس سب پر، ہنری لارنز نے کہا تھا۔ ''اس کی کیا اہمیت ہے؟''۔ وہ مسکرایا تھا۔ قومیں بین الاقوامی معاملات کے بارے میں بچوں کی طرح اقدام کرتی ہیں؛ عزت بچانی ہوتی ہے۔ دنیا جانتی تھی کہ غلام امریکہ کی کانگریس زمین پر شاید سب سے زیادہ مفلس حکمران قوت ہے، کہ اس کے پاس اجلاسوں کے لیے قلم، کاغذ اور سیاہی تک خریدنے کے لیے کافی پیسہ نہ تھا۔

لہٰذا، جب خارجہ امور کی کمیٹی کو بل پیش ہونے لگے، تو وہ نرمی سے نظر انداز کر دیے گئے، ریکارڈ کیے گئے، بھر دیئے گئے، مگر نظر انداز کیے گئے۔ اُن معاملات کو سمجھا جا سکتا تھا۔

''مگر کیا کوئی سمجھتا تھا؟''۔ پین حیران ہوا۔

اس نے رابرڈیو کو ایک چھوٹا عشائیہ منظّم کرنے کا کہا جس میں لارنز موجود ہو۔ اور پھر

اس نے احتیاط سے بلوں کے موضوع پر بات شروع کی۔

''تم اس سے کیوں چمٹے ہوئے ہو، پین؟''۔ لارنز نے کسی قدر بے صبری سے پوچھا۔ ''وہ بل ادائیگی کے لیے کبھی پیش نہیں کئے جائیں گے۔ فرانس اب انگلینڈ سے جنگ میں ہے اور ہورٹالیز کی طرف سے ہمیں بھیجا گیا سامان، یا میں یہ کہوں کہ ہورٹالیز کے توسط سے فرانسیسی وزارت نے، یہ فرانس کی طرف سے حاصل کردہ فوجی فائدہ کا محض ایک ٹکڑا ہے اُن سارے سالوں میں جب ہم جنگ میں رہے۔ فرینکلن نے یہ صاف صاف وضاحت کی۔

''پھر بھی اگر ہورٹالز اینڈ کمپنی ادائیگی کا مطالبہ کرے تو فرانس کے لیے اصرار کرنا شرمندگی کا باعث ہوگا کہ ہم نے سامان تحائف کے بطور وصول کیا تھا۔ جانتے ہو بل کتنا ہے؟''۔

''مجھے کچھ اندازہ ہے''۔ لارنز نے کہا۔

''اُن کی مالیت ہے ساڑھے چار ملین لیورے''۔ پین نے کہا۔ ''بیومارکائیس کروڑ پتی بن گیا ہے..... دیکھو نا، ہم نے ہر چیز کی دگنی قیمت دی..... حتیٰ کہ ڈین کا پانچ فیصد بھی اُسے ایک امیر شخص بناتا ہے''۔

رابرڈیو نے سیٹی بجائی اور لارنز نے اپنا سر ہلایا۔ ''مجھے اندازہ نہ تھا کہ یہ اس قدر زیادہ ہے''۔

''ہمارے زمانے کا سب سے بڑا غبن''۔ پین نے زور دے کر کہا۔

''تمہاری تجویز کیا ہے کہ کیا کرنا چاہئے؟''۔

''ادائیگی کے مطالبے سے پہلے ڈین پر حملہ کیا جائے اور جو بھی مصیبت زدہ کریڈٹ ہم رکھتے ہیں توڑ دیا جاتا ہے''۔

''تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ ڈین ایک کمیشن کے حصول کی توقع کرتا ہے۔ پہلے تو بلوں کو ادائیگی کے لیے پیش ہونا چاہئے''۔

''ثبوت..... میرے خدا، کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ڈین نے سارے مذاکرات کیے۔ اگر سامان ایک تحفہ ہے، تو ڈین کو کچھ نہیں ملے گا؛ اگر ہمیں ادائیگی کے لیے مجبور کیا جاتا ہے تو ڈین ایک امیر شخص ہے''۔

اُس عشائیے پر مذکورہ، سکینڈل کھل گیا۔ بیو مارکائیس نے ہورٹالیز کے پراسرار فرم کی توسط سے قسمت کے برتن میں اپنے ہاتھ گھمائے اور ادائیگی کا مطالبہ کر دیا، اور ڈین وصولی کے لیے واپس امریکہ آیا۔ عوام کی پارٹی اور تجارت واقتدار کی پارٹی کے درمیان وہ تقسیم جو اتنے عرصے سے امریکہ کو کشید کر رہی تھی، بہت کھل کر چیخ گئی۔ کانگریس نے، ساڑھے چار ملین لیورے کے نیچے تڑپتی ہوئی، جسے کبھی بھی دوبارہ ادا نہ کیا جا سکتا تھا، فرانسیسی سفیر سے پوچھا:

''کیا پیسہ ایک تحفہ تھا یا نہیں؟''۔

''ہاں تھا''۔ انہیں یقین دلایا گیا، مگر اِس کا کھلے عام اعلان نہیں کیا جا سکتا۔ فرانس کا وقار داؤ پہ تھا۔

ہورٹالز سے دوبارہ ادائیگی کا مطالبہ کیا؛ ڈین کانگریس کے سامنے پیش ہوا اور مسکراتے ہوئے اپنے پانچ فیصد کا مطالبہ کیا۔ وہ خوفزدہ نہ تھا؛ وہ کانگریس کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا ۔ وہ اس بارے میں بھی بہت کچھ جانتا تھا کہ فرانس میں آرتھرلی اور فرینکلن کے ساتھ کیا ہوا۔ جب کانگریس نے اُسے سننے سے انکار کیا تو اس نے پورے خاندان پہ حملے کرتے ہوئے اور خود کو اس ملک کا نجات دہندہ قرار دیتے ہوئے اپنا معاملہ اخباروں میں اچھالا، اور انصاف کا تقاضا کیا۔ یہ پین کی برداشت سے باہر تھا، اور اس نے ایک غضبناک اور کاٹ دار جواب لکھا۔

ڈین نے امریکہ بھیجی ہوئی سپلائیز کے لیے ادائیگی کا دعویٰ کیا، اس نے جواب لکھا۔ پین نے خارجہ امور کی کمیٹی کی کتابیں کھولیں اور ثابت کیا کہ فرانسیسی اور ہسپانوی تحائف اُس وقت سے بہت پہلے دیے گئے جب کہ ابھی تک ڈین فرانس گیا ہی نہ تھا۔ فلیڈیلفیا کھولنے لگا۔

اور پھر فرانسیسی سفیر، جرارڈ علیحدگی میں پین کو ملا اور اُسے بتایا ''یہ سلسلہ اب رکنا چاہیے''۔

''کیوں؟''۔ پین نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''وجوہات میں بیان نہیں کر سکتا۔ کچھ شخصیات اس میں ملوث ہیں۔ آپ کو ڈین پر اپنے حملے بند کرنے ہوں گے''۔

''اور اگر میں انکار کروں تو؟''

جرارڈ نے کندھے اچکائے اور اپنے ہاتھ پھیلائے ''کیا آپ انکار کرتے ہیں؟''۔

''مجھے افسوس ہے''۔ پین نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''یہ چیز ہم کر رہے ہیں۔ یہ یورپ کے سرتاج سروں کے لیے چھوٹی سازش نہیں ہے..... یہ انقلاب ہے، آپ سمجھتے ہیں ناں''۔

''میں سمجھتا ہوں''۔ جرارڈ نے کہا، اور اگلے دن کانگریس کو بتایا:

''وہ سارا سامان جو مونسیر ڈی بیومارکائس نے ریاستوں کو پہنچایا، خواہ وہ اجناسِ تجارت ہوں یا توپ اور دیگر فوجی سامان، یہ تجارتی تھا اور جو چیزیں کنگ کے گوداموں اور اسلحہ خانوں سے آئیں وہ آرٹلری ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے مونسیر ڈی بیومارکائیس کو بیچی گئی تھیں۔ اور اس نے ان اشیا کی قیمت کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری کیں''۔

پین مرجھا گیا اور رابرڈیو سے بحث کی: ''ثبوت۔ کاش اگر میرے پاس ثبوت ہوتے ''۔ اس نے تلخی کے ساتھ ڈین کو لکھا۔

''ان جیسوں نے کسی سرمائی جنگ میں نہیں جانا ہوتا اور انہیں بغیر خیمہ یا کمبل کے سونا نہیں پڑتا۔ وہ امریکہ اس وقت واپس آیا جب خطرہ ختم ہو چکا، اور اُس وقت سے اس نے کوئی سختی نہ دیکھی۔ تو پھر مسٹر ڈین کی ''تکالیف؟'' کیا ہیں اور وہ کن قربانیوں کی شکایت کرتا ہے؟ کیا عوامی خدمت میں اس نے پیسے کا نقصان کیا ہے؟۔ میرے خیال میں ایسا نہیں ہے۔ کیا اُسے پیسہ ملا ہے؟ وہ میں بتا نہیں سکتا.....''

جرارڈ نے دوبارہ پین کو دھمکی نہ دی۔ اس نے کانگریس کے اُس حصے کو تلاش کر لیا جو پین سے بہت نفرت کرتا تھا۔ کانگریس نے اقدام کیا، پین کو طلب کیا، اور مطالبہ کیا کہ کیا اس نے ''مسٹر ڈین کے معاملے پر عوام کو کامن سینس'' لکھا؟۔

''یہ میں نے لکھا''۔ پین نے تسلیم کیا۔

خفیہ اجلاس میں کانگریس نے پین پہ بے رحم حملہ کیا؛ اس نے افواہیں سنیں کہ کیا ہو رہا ہے ، مگر الزامات کا جواب دینے کی اس کی ساری درخواستیں رد کر دی گئیں۔ اس نے سنا کہ اجلاس کے

دوران نیویارک کے دولتمند گورنر موریس نے کہا تھا:

’’یورپ میں کسی شریف آدمی کا اِس مسٹر پین کے بارے میں کیا تصور ہوگا؟۔ کیا وہ اسے ایک بااثر ترین قسمت والا شخص فرض نہیں کرے گا، اس ملک میں ایک باعزت خاندان میں پیدا شدہ ،جس کے وسیع اور عظیم تعلقات ہوں گے اور جو عمدہ ترین اِحساسِ وقار کے ساتھ ملبوس ہوگا؟۔ بلاشبہ وہ یہ سمجھے گا کہ ہمارے مخدوش حالات میں ایک قوم کے لیے عفت و وفا کے یہ سارے وعدے اور قول ضروری ہیں۔ مگر افسوس اُس وقت وہ کیا سوچے گا جب حادثاتاً اُسے معلوم ہوگا کہ، خارجہ امور کا ہمارا یہ سیکریٹری انگلینڈ کا محض ایک مہم پسند ہے، جس کے پاس کوئی مستقبل نہیں، خاندان نہیں ،تعلقات نہیں، جو حتی کہ گرامر تک نہیں جانتا؟‘‘۔

لارنز نے پین کو بتایا’’اس سے قبل کہ وہ تمہیں برطرف کردیں، استعفے دے دو۔ خدا جانے کیا ہوجائے پین‘‘۔ اور لارنز نے اضافہ کیا’’میں بھی یہی کررہا ہوں۔ انہیں اپنی کانگریس کے لیے ایک نیا صدر ڈھونڈنا ہوگا‘‘۔

پین نے استعفٰے دے دیا۔

اور فلیڈیلفیا میں دوزخ پیدا ہو رہی تھی۔

صرف باہر سے فلیڈیلفیا پُر آرام تھا، اور حتی کہ وہ امن بھی تیزی سے غائب ہو رہا تھا۔ یہ کوئیکر شہر ایک انقلابی دارالحکومت تھا، جس پر برطانوی قابض تھے جسے امریکیوں نے پھر لے لیا تھا۔ یہ نہ صرف جغرافیائی طور پر ریاستوں کا مرکز تھا بلکہ نظریاتی طور پر بھی، اس لیے کہ بوسٹن جلد ہی ٹھنڈا پڑ گیا اور میساچوسٹ کے کسان جنہوں نے ایک بار کونکورڈ اور لیگزنکٹن میں ایک برطانوی فوج کو تار تار کر دیا تھا، اب زیادہ تر واپس اپنے بیلچوں اور ہل کی طرف چلے گئے تھے۔ شخصی آزادی کا اُن کا سرد، اور تلخ یانکی احساس ان کی اپنی چٹانی زمین کے ساتھ اٹوٹ طور پر بندھا ہوا تھا، اور اُن کی سخت انفرادیت پسندی نے انہیں اپنی جبلت والی گوریلا داؤ پیچ کے علاوہ کسی دوسری جنگ کے لیے بہت کمزور مواد بنا دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ گوریلا جدوجہد بہت جلد ختم ہوئی، وہ اُس طرح لڑی

نہیں جارہی تھی۔ اور یانکی الگ ہوگئے۔

جدوجہد کا بڑا حصہ درمیانی علاقہ، بالخصوص پنسلوانیا کے لوگوں پر چھوڑ دیا گیا، جرسی کے لوگوں پر اور نیویارک کے لوگوں پر، کنیکٹیکٹ ،رھوڈ آئیلینڈ ، دلاویئر، اور میری لینڈ رجمنٹوں پر، اور جنوب میں ورجینیا اور کیرولینا کے لوگوں پر۔ مگر باضابطہ فوجوں کا کور، وہ آدمی جو بھوکے رہے، سردی میں جم گئے اور پیاسے رہے، وہ چند ہزار جو بدترین وقتوں میں واشنگٹن کی کمزور قوت سے چمٹے رہے، وہ تقریباً سارے پنسلوانیا اور جرسی کے آدمی تھے۔ اُن کے تیئں فلیڈیلفیا انقلاب کا الطار تھا، اور ان کے لیے سیاہ ترین دن وہ آیا جب کانگریس شہر کے دفاع کی معمولی کوشش تک کیے بغیر، بھاگ گئی۔

برطانیہ والے شہر کو بے کار سمجھتے تھے، اس لیے کہ اُن کے قبضے میں پہلے ہی نیویارک تھا، اور وہ سپاہیوں کو دونوں شہروں کی حفاظت پہ مامور کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ انہوں نے اسے دفاع کی اتنی کم کوشش کے ساتھ خالی کر دیا جس طرح کہ اُن سے پہلے امریکیوں نے۔ امریکی سپاہِ آزادی سرخ کوٹوں کی جاتی ہوئی ایڑیوں پر اس جگہ پر دوبارہ قبضہ کرنے کے لیے مارچ کرتے ہوئے خوش نہ تھے اور نہ ہی نرم۔ وہ انتقام چاہتے تھے، اور کچھ انتقام انہوں نے لے بھی لیے۔ شہر گندا تھا، کوڑا کرکٹ سے بھرا ہوا، مکانات کھنڈر، گھر لوٹ لیے گئے تھے، اور خوبصورت فلیڈیلفیا کا، جو نوآبادیوں کا فخر تھا، کچومر نکال دیا گیا اور اسے تار تار کیا گیا اور توڑ دیا گیا۔ امریکی اپنی ننگی سنگینوں کے ساتھ دوبارہ شہر میں داخل ہوئے۔ وائن، سخت چاقو کے پھل کی طرح سخت شخص پنسلوانیائیوں کی راہنمائی کر رہا تھا۔ اُس نے اہم شہریوں کی ایک کمیٹی سے کہا:’’ایک ٹوری، اندر سے کتے کا بچہ ہوتا ہے‘‘۔ وہ سخت زبان کے عادی تھے مگر اِس قدر سخت زبان سے نہیں۔ انہوں نے اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔

’’جس طرح میں وفاداری کو سمجھتا ہوں‘‘ وائن نے کہا’’ وہی میں تمھیں سمجھا دیتا ہوں‘‘۔

مگر ٹوری کو باغی سے الگ کرنا ناممکن تھا۔ جب برطانوی آئے تھے تو ہزاروں شہری پیچھے رہ گئے تھے۔ اب کون کہہ سکتا تھا کہ کون وفادار تھا اور کون نہیں؟۔ وہاں بہت تھے۔ وسطی علاقے کے سخت لوگ تھے مگر اتنے سخت بھی نہیں۔

اور پنسلوانیا ایک جمہوریت تھا۔ پنسلوانیا اُن سارے ممالک میں سے جو کہ یونین تشکیل دیے ہوئے تھے ،مزدوروں اور کاشتکاروں کی ایک حکومت سے قریب ترین تھا ..... جنگجو مزدور اور کاشتکار جنہوں نے خود اپنا لبرل آئین ترتیب دیا تھا، خود اپنا یک ایوانی نظامِ حکومت قائم کیا تھا، اُن دنوں جب جنگ شروع ہوئی ۔ اس گروپ کی ریڑھ کی ہڈی وہ چمڑہ پوش سرحدی آدمی تھے جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ اِس سے قبل کہ ارسٹوکریٹ اُن کی زمین پر قبضہ کریں وہ اپنی لمبی رائیفلوں سے ایک آدھ باتیں کریں گے۔

اس فساد میں سیلاس ڈین کا معاملہ چھوٹ گیا.....اُسے تقسیم کرنے کو۔ اُسے بہت کھلا کر کے کاٹنے کو۔

رابرڈیو نے پین کو ایک خط دکھایا جو رابرٹ مورس کو لکھا گیا تھا۔ جس نے حال میں وسطی علاقوں کا آٹا ذخیرہ کیا تھا۔ یہ خط رابرڈیو کے ہاتھ ایسے ذرائع سے لگا تھا جنہیں افشا کرنے کو وہ بے چین نہ تھا۔ اس نے جس سطر کو پڑھنے کا کہا وہ تھا: ''ملک کے شریف لوگوں کی بہبود کے لیے بہتر ہوگا اگر مسٹر تھامس پین زندہ نہ رہے.....''۔

''اگر وہ چاہتے ہیں تو وہ مجھے قتل کر سکتے ہیں''۔ پین نے کندھے اچکائے۔ ''وہ پہلے بھی کوشش کر چکے ہیں.....''۔

''احمق نہ بنو۔ وہ وقت ختم ہو گیا جب تم اکیلے اُس سے لڑ سکتے تھے''۔

''تو، تم کیا تجویز کرتے ہو؟''۔

رابرڈیو نے تجویز دی کہ وہ اپنی قوت دکھائیں۔ اس نے میٹنگ کے لیے اپنے گھر کی پیش کش کی۔ وہ کچھ کو جانتا تھا جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو، اور کچھ کو پین جانتا تھا۔ کل رات، اس نے کہا۔

''کل رات'' پین رضا مند ہوا۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا: ایک شخص بندوق اٹھا سکتا ہے، انقلاب کی تبلیغ کر سکتا ہے، اپنے ہم وطنوں سے جنگ کی مدد کرنے کی ترغیب کے لیے پمفلٹ لکھ سکتا ہے، سازشوں کو بے نقاب کر سکتا ہے، گروہ بندیوں کی مخالفت کر سکتا ہے، اپنا وقار اور

روزگار ترک کر سکتا ہے، خود سے نفرت کروا سکتا ہے اور اپنی حقارت کروا سکتا ہے، خود پہ قہقہے لگوا سکتا ہے۔ لوگ لڑتے اور مرتے تھے کہ فلیڈیلفیا خوراک، لباس، اشیائے ضرورت، اور لائیوسٹاک کی قیمتیں بڑھاتے رہنے کے واحد مقصد کے لیے وجود نہیں رکھتا بلکہ ایک انسان اپنے آخری حد تک پہنچ گیا تھا۔ مگر یہ جاننا آسان نہ تھا کہ لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں؛ اِس نے اُسے اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ میدانِ جنگ نے بھی نہیں کیا تھا۔ اِس نے اُسے تاریک گلیوں سے خوفزدہ کر دیا' بہت زیادہ پینے سے خوفزدہ کر دیا، اپنے تباہ حال دوشلنگ والے کمرے کی کنڈی چڑھائے بغیر سونے سے خوفزدہ کر دیا۔

آخری بار جب اُس نے آئینہ دیکھا تھا تو اُس میں اُسے اچانک احساس ہوا تھا کہ وہ بوڑھا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور گالوں کے بیچ پتلی لکیروں کا ایک جال ابھرتا نظر آیا۔ یہ تھا پین، بریزیئر ساز۔ آئرینی رابرڈیو کی شادی ہو چکی تھی اور وہ ایک بچہ اٹھائے ہوئے تھی۔ دنیا کا کام چل رہا تھا، مگر اپنے آئینے میں خود کا سامنا کرتا ہوا پین تھا، انقلاب کا گداگر۔

یہ اچھا گروپ تھا جو رابرڈیو کے گھر جمع تھا، پین نے خود کو بتایا۔ ایک ٹھوس گروپ، شامل کردہ ہر شخص پہ بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔

وہاں ڈیوڈ رٹن ہاؤس تھا، ایک سائنس دان اور مکینک، صلاحیتوں والا شخص، مگر پھر بھی ایسا شخص جو اپنے ہاتھ سے کام کرتا تھا۔ وہاں جیکس گارلینڈ تھا، جس نے برطانویوں کے ہاتھوں اپنے لوہے کو پگھلانے کی بھٹی کے تباہ کیے جانے سے قبل ہیری ناکس کے لیے 49 توپیں بنائی تھیں۔ گارلینڈ سکاچ تھا، دیکھنے میں پتلا اور ترش، مگر دماغ والا شخص تھا، ایسا شخص جس نے ہمیشہ پین کو آنے والی ٹریڈ یونینوں کے بارے میں اپنا نظریہ بیان کیا تھا۔ وہاں چارلس ولسن پیل تھا۔ جو کہ امریکی سپاہ آزادی کا کپتان تھا، وہ حیران کن مہارت کا پینٹر تھا اور واشنگٹن سے مکمل وفادار۔ وہاں کرنل مٹلاک تھا، ایک کوئیکر جس نے فیصلہ کیا تھا کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی خاطر لڑائی کی جا سکتی ہے، اس نے برسرِ عام کہہ رکھا تھا کہ اُس سے قبل کہ مورس گروہ پنسلوائیائی آئین کو تباہ کر دے وہ

اپنے بھائیوں سے لڑتے ہوئے مر جائے گا۔ اور وہاں نوجوان تھامس شینی اور فرینکلن پیئرس تھے جو دونوں کپتان تھے اور وائین کے پنسلوانیا لائن کے پختہ کار لوگ تھے۔ مزید برآں وہ لارنز اور جیفرسن دونوں کی سرگرم حمایت پہ بھروسہ کر سکتے تھے، جو دونوں یہاں موجود نہ تھے۔

رابرڈیو نے شراب اور کیک پیش کیا اور اس کے بعد میٹنگ کی باقاعدہ کاروائی شروع کی ۔گروپ خاموش، سنجیدہ اور کسی حد تک پریشان تھا۔ انہیں دھندلے انداز میں کانٹی نینٹل پارٹی میں ایک کھلے عام پھوٹ کے امکانات اور نتائج کا اندازہ تھا، اور اُس وجہ سے وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ بارود پہ پاؤں رکھ رہے ہیں۔ منظّم بغاوت ابھی تک دنیا میں بالکل ہی نئی چیز تھی، منظّم ریڈیکل ازم، انقلاب کے جسم کے اندر سے دائیں بازو سے تقسیم ہونا بالکل نئی بات تھی۔

رابرڈیو نے جس کا بھرا ہوا چہرہ سرخ اور جذباتی تھا، تجویز دی کہ پین آئے اور میٹنگ کے مقصد کو واضح کر دے جس پر پین نے بے چینی سے کہا:

''میں خود کو مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ یہ کہا جانا چاہیے کہ میں یہاں دوستوں کے ساتھ ہوں ۔میں محسوس کرتا ہوں.....''۔

''جہنم میں جائے ۔نہیں۔ یہ تکلف اور شائستگی کا موقع نہیں ہے''۔ میٹلاک بولا'' تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے، اور شروع کرو اور بولو، پین''۔

پین نے چاروں طرف دوسروں کو دیکھا؛ سر ہلے۔ پین نے آہستگی مگر تیزی سے کہا'' مجھے پس منظر میں جانے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ ایک وقت تھا جب انقلاب ہم سب کے لیے نیا تھا، مگر ہم اب اس کے ساتھ کافی سال گزار چکے ہیں.....شاید اتنا طویل عرصہ نہیں کہ اُسے مکمل طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ہم جس شور بے میں چمچے چلا رہے ہیں اس کے اندر کے سارے شیطان جان سکتے ہیں۔ یہ اس قدر لمبا عرصہ ہے کہ ہم اُس کے ڈھانچے کے بارے میں کچھ اندازہ لگا سکیں ۔انقلاب اقتدار میں نہ ہوتی ہوئی کسی پارٹی کی طرف سے طاقت کا ایک طریقہ ہے، جس طرح کہ ہم اس سے عوام کی پارٹی مراد لیتے ہیں، جو کہ اس زمین کی تاریخ میں کبھی بھی اقتدار میں نہ رہی۔ جب ہماری کنفیڈریشن کی تیرہ ریاستوں نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے خود کو ابھارا تو ساری

کنفیڈریشن برطانوی سلطنت کے خلاف بغاوت میں تھی۔ وہ ہم تسلیم کرتے ہیں اور کنفیڈریشن بحیثیت مجموعی اب برطانیہ عظمیٰ کی ریاست کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے۔

''یہ ایک بات ہے۔ مگر انقلاب کا یہی طریقہ کنفیڈریشن کی ہر ریاست میں الگ الگ استعمال کیا گیا، اور ہر ریاست میں عوام کی پارٹی اقتدار کے لیے لڑی۔ کچھ ریاستوں میں عوام جیت گئے، جبکہ دوسروں میں ہار گئے مگر کہیں بھی معاملہ صاف و واضح نہ تھا۔ انقلاب کا اقدام اس کانٹی نٹ پر تیرہ سرزمینوں میں چل رہا ہے؛ ہر جگہ خانہ جنگی ہے۔ نیو یارک میں اگر کوئی شخص ویسٹ چیسٹر کاؤنٹی میں سے اکیلا سفر کرنے کی جرات کرے تو وہ اپنی زندگی ہتھیلیوں پر رکھ رہا ہوتا ہے۔ میسا چوسٹ میں ٹوری اس قدر طاقتور ہیں کہ وہ اپنی انگیٹھیوں کو سرعام کا لا رنگ دیتے ہیں تا کہ خود کی شناخت کروائیں۔ جھیل کے علاقے میں ٹوریوں اور انڈینز نے اتحاد کر لیا ہے اتنی بڑی طاقت میں ، کہ ہماری فوجوں کو طاقت کے ذریعے روکے رکھیں۔ کیرولینا میں بھائی بھائی سے لڑ رہا ہے، اور اس خانہ جنگی سے پورے کے پورے خاندانوں کا صفایا ہو چکا ہے۔ کوئی بھی شخص جس نے 1776 کی پسپائی میں جرسی میں سے سفر کیا ہے، کبھی نہیں بھول سکے گا کہ کس طرح دیہی علاقہ ہمارے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، وہ کس طرح اپنی بند کھڑکیوں میں سے ہم پر گولیاں چلاتے تھے، ہمیں بھوکا رہنے دیتے تھے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ ایک سال بعد ہمیں وادیِ فورج میں انہوں نے بھوکا رہنے دیا۔

''صرف ایک جگہ انقلاب کامیاب ہوا، فی الفور، فیصلہ کن اور بغیر شک کے۔ اور وہ ہے یہاں پنسلوانیا جو کہ اس کانٹی نٹ میں امیر ترین سرزمین ہے، شاید سب سے زیادہ وفادار، اور یقیناً سب سے زیادہ طاقتور۔ اگر وسطی علاقہ قبضہ ہو جاتا ہے تو پھر انقلاب کا قبضہ ہو جاتا ہے اور اگر وسطی علاقہ دھوئیں میں اڑ جاتا ہے تو کون کہے گا کہ پنسلوانیا کا محاذ واشنگٹن سے بھاگ نہیں جائے گا اور اپنے گھروں کے دفاع کے لیے واپس مارچ نہیں کرے گا؟۔

''گو کہ مجھے آپ کو یاد دہانی کرانے کی ضرورت نہیں، مجھے پنسلوانیا کے انقلابی مثال پر مختصراً از سرِ نو غور کرنے دیجئے۔ آپ کو یاد ہے کہ کس طرح، حتیٰ کہ کنکارڈ اور لیگزنگٹن سے بھی قبل، فلیڈیلفیا کے محنت کشوں نے خود کو ایک مسلح شہری فوج میں تشکیل دیا تھا۔ اکیلے، کسی بھی جنگ کے

لیے غیر تربیت یافتہ ۔ وہ فتح مند نہیں ہو سکتے تھے مگر خوش قسمتی سے پیچھے دیہات سے ان کے ساتھ کئی ہزار شکاری اور عام لوگ آن ملے۔ یہ لمبی توپک اور توڑے دار بندقیں تھیں جن سے ہم نے آئین دشمنوں کا تختہ الٹ دیا۔ ارسٹوکریٹوں نے اُس وقت راستہ دے دیا جب ہم نے انہیں خانہ جنگی کی دھمکی دی اور جب انہوں نے ہماری بندوقیں دیکھیں۔ ہم نے ایک آئین حاصل کیا اور ایک جمہوری ریاستی آئین ساز اسمبلی بنائی۔ اور پھر، کنفیڈریشن سے وفادار ہم نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے آدمی جنرل واشنگٹن کے شانہ بشانہ لڑنے بھیجے۔ وہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ میں نیو یارک میں تھا جب پنسلوانیا ئیوں نے عقب کو سنبھالے رکھا، فورج وادی سنبھالے رکھا کو جب وہ برف میں پڑے تھے اور فاقوں میں تھے؛ مگر ڈٹے رہے۔ مان ماؤتھ میں ہمارے آدمیوں نے برطانویوں کی کمر توڑ دی۔ اور حضرات، میں دلاوئیر میں 1776 میں تھا جب واشنگٹن مغربی کنارے کی کمزور حفاظت کے پار فرار ہو گیا۔ جب اُس نے گنتی کا حکم دیا تو وہاں آٹھ سو آدمی تھے، آٹھ سو آدمی نیک ارادوں کے آدمیوں کے مستقبل کا دفاع کرنے اور ان مصائب میں سے ہماری ایک قوم بنانے۔ اور پھر میں نے وہ بات دیکھی جو میں کبھی نہ بھولوں گا خواہ میں سو سال تک کیوں نہ زندہ رہوں۔ میں نے فلیڈیلفیا کے محنت کشوں کو دیکھا، بارہ سو کی تعداد میں شہر سے مارچ کرتے ہوئے۔ اور وہ اُس وقت تک دلاوئیر محاذ کو سنبھالے رہے جب تک کہ سولیوان واشنگٹن سے مل گیا۔ چھ ماہ قبل، ایسوسی ایٹر بھاگ گئے، اور وہ کسی ایک کی شرمندگی نہ تھی، ایک شخص کی روح میں لوہا ڈالنے کے لیے چھ دوزخی ماہ لگتے ہیں، اور جب وہ دوبارہ فلیڈیلفیا سے باہر مارچ کر گئے، وہ کلرک، مستری، لوہار، جولاہے، کپڑا فروش ..... تو وہ مختلف تھے۔ پنسلوانیا نے آزاد فراواں قربانی دی، اور لہٰذا ہمارے صحرا ہمارے پاس ہیں۔

''کانگریس فرار ہو گئی اور ہمارا شہر برطانویوں اور ٹوریوں کے حوالے کر دیا۔ یہ دوبارہ ہمارے پاس ہے تا کہ یہ سٹے باز کا خواب بن سکے، تا کہ ڈین ہماری دولت لوٹ سکے، تا کہ مورس آٹے کی ذخیرہ اندوزی کر سکے، تا کہ گریوز تمباکو کی قیمت 22 ڈالر فی بیرل تک بڑھا سکے، تا کہ جیمسن اپنا پشم دریا کے سامنے انبار کر سکے جبکہ فوج سردی سے منجمد ہو رہی ہے، تا کہ مسٹر جیمی ولسن عقبی

علاقے کی ایک ملین ڈالر ملکیت کی زمین اپنے لیے الگ کر سکے (یہ کافی آسان ہے اس لیے کہ جنگلوں کے لوگ دور جنگ لڑ رہے ہیں) اور وہ اس پہ بھی بس نہ کر کے ہر اُس چیز پر حملہ کر سکے جس کی خاطر اس ریاست کے عوام اُس کے گلے سڑے اور مفسدانہ اخبار یعنی "دی پیکٹ" کے ذریعے لڑے ہیں۔ اور اُس کے پاس اُس کے اچھے اتحادی کے بطور، مساوی شریر و فسادی ''ایوننگ پوسٹ'' موجود ہے۔ حضرات، یہ سب کچھ اتفاقاً نہیں ہے بلکہ پنسلوانیا میں انقلاب کے خلاف ایک منظم و ہم آہنگ حملہ ہے۔ مسٹر رابرٹ مورس کی نام نہاد پبلکن سوسائٹی اتنی ہی ریپبلکن ہے جتنی کہ جارج سوئم کی۔ اس کا واحد مقصد جتنا کہ مجھے نظر آتا ہے، آئین تباہ کرنا ہے جس کے اندر کہ عوام کی طاقت موجود ہے۔

''حضرات میرا خیال ہے میں بہت بولا ہوں۔ یہ ہے وہ صورتحال جس سے میں اکیلا لڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور جس سے جنرل رابرڈیو کا خیال ہے ہم اکٹھے ہو کر بہتر لڑ سکتے ہیں۔ میں باقی آپ لوگوں پر چھوڑتا ہوں.....''۔

کوئی تالیاں نہ بجیں، وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ سب اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بہت تھکا ہوا تھا، اور اس کا سر درد کر رہا تھا۔ میٹلاک نے کسی اور چیز سے زیادہ مفکرانہ انداز میں سوچتے ہوئے بلند آواز میں کہا:

''ہم جو کچھ بھی کریں، ہمیں طاقت کے ذرائع چاہیے ہوں گے۔ واشنگٹن.....''

''میرا خیال ہے وہ ہمارے ساتھ ہو گا''۔ رٹن ہاؤس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا

''اچھا؟''۔

پین نے کہا ہاں۔ پیل نے کہا براہ راست اقدام: اگر کوئی ذخیرہ اندوزی کر رہا ہے تو اسے ایک ٹریبونل کے سامنے لایا جا سکتا ہے، فیصلہ سنایا جا سکتا ہے، سزا دی جا سکتی ہے۔ آئین کا طاقت کے ذریعے دفاع کیا جائے گا.....

''پھر تو یہ خانہ جنگی ہے''۔

''ہونے دو۔ انہوں نے یہ چاہا ہے''۔

''مدد؟''۔

''اسے باہر لا کر عام کر دو اور لوگ خود اعلان کریں گے۔ تب ہمیں معلوم ہوگا''۔

رابرڈیو نے گہری سانس لی۔ وہ بوڑھا ہو رہا تھا۔ امن اب ایک خواب تھا۔ پریشان، رِٹن ہاؤس نے کہا کہ انہیں احتیاط سے آگے بڑھنا چاہیے۔

''جہنم میں جائے احتیاط!''۔

''خون ریزی.....''۔

''انہوں نے چاہی ہے''۔ گارلینڈ نے سختی سے کہا۔ اُن کی اکثریت نے یہ موقف اپنایا۔ وہ فوج کے ساتھ رہے تھے۔ جب میدانِ کارزار شروع ہو جائے گا تو وہ پھر فوج کے ساتھ ہوں گے۔ مگر پین نے وضاحت کی کہ یہ چیز عوام کی طرف سے آنی چاہیے۔ پیل نے ایک جلسہِ عام کی تجویز دی، اور رابرڈیو نے کہا کہ وہ اس کا انتظام کرے گا۔ رائے شماری ہوئی، اور دوسرے اس طریقے پہ متفق ہوئے۔

انہوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے اور گھروں کو چل دیے۔ کوئی بھی نہیں مسکرایا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جو بہت عرصے سے آ رہی تھی، اور اب یہ یہاں تھی، وہ خوش نہ تھے۔

جلسہ سٹیٹ ہاؤس کے احاطے میں ہوا تھا۔ کئی سو لوگوں نے شرکت کی، اور پین اور رابرڈیو بولے۔ میٹلاک نے ایک معائنہ کمیٹی کے قیام کی قرارداد پیش کی، اور ایک عام ووٹ لیا گیا۔ پین پہلے پہلے منتخب ہوا، پھر آئین کاٹھوس حامی کرنل سمتھ جو کہ ملیشیا کا آدمی تھا اس لیے عوام میں سے۔ رٹن ہاؤس، میٹلاک اور پیل نے روسٹر ختم کیا۔ مجمع تلخ اور پر جوش تھا۔ ریپبلکن سوسائٹی نے گڑبڑ کی کوشش کی تھی، ہجوم اس کے لیے بہت تیار تھا اور یہ صرف رٹن ہاؤس اور رابرڈیو کی کوششیں ہی تھیں کہ تشدد سے بچا گیا۔

اگلے دن پیل اور پین نے کیپٹن ہارڈی کے ساتھ رات کا کھانا کھایا جو کہ پنسلوانیا ریگولرز کی ایک کمپنی کو کمان کر رہا تھا، جو کہ شہر میں عارضی طور پر پڑاؤ کر رہی تھی۔ پیل نے وضاحت کی کہ کیا

ہونے والا ہے ''مجھے ہجوم کا اندیشہ ہے'' اس نے کہا ''اگر آپ کے آدمی ہماری مدد کریں.....''۔

پہلے پہل ہارڈی نے انکار کیا۔ یہ اس کے اختیار میں نہ تھا۔ اگر وائین رضامند ہو جائے .....''۔

''مگر اس کے لیے وقت نہیں ہے''۔

وہ ایک گھنٹے تک دلائل دیتے رہے اور پھر ہارڈی اس بات کو اپنے آدمیوں پر چھوڑ دینے پہ راضی ہوا۔ پیل اور پین دونوں بولے، اور فوجی، آپس میں کچھ مشاورت کرنے کے بعد، اُن کی حمایت کرنے پر راضی ہو گئے۔

ایک لحاظ سے، فلیڈیلفیا میں جنگ کا اعلان کیا گیا تھا۔

شہر جانتا تھا۔ یہ ایک فوجی کیمپ کی طرح تھا۔ آدمی اپنی توڑے دار بندوقیں ہاتھ میں رکھتے؛ ہجوم گلیوں میں گھومتے۔ فوجیوں کی پیل والی کمپنی کے لیے کافی کام تھا۔ معائنہ کمپنی نے اپنے ٹریبونل قائم کیے اور تاجر کے بعد تاجر اس کے سامنے ہانک کر لایا جاتا، انہیں اپنے کاروبار کی وضاحت کرنے کا حکم دیا جاتا، رجسٹریں اور واؤچر پیش کرنے کا حکم دیا جاتا۔ مسٹر ڈونی نامی شخص کے پاس گودام میں جوتوں کے چھتیس ہزار جوڑے دیکھے گئے، قیمت خرید اوسطاً گیارہ ڈالر تھی، وہ مانگتا تھا ساٹھ ڈالر۔ پین نے احتیاط سے شہادت تیار کی۔ پتہ چلا کہ سولیکاف بالٹی مور کا ایک پر سرار شخص آٹا مارکیٹ میں ذخیرہ اندوزی کرنے میں مورس کا پارٹنر تھا' دعوے مرتب ہوئے۔

''فلیڈیلفیا پوسٹ'' کے پاس بہت جرات تھی اور وہ پہلے کی بہ نسبت پین پر زیادہ رقیق اور گندے حملے کر رہا تھا۔ پین اسے نظر انداز کرتا ''یہ پہلی بار نہیں ہے'' وہ وضاحت کرتا۔

مگر اب وہ حملے کھلے عام ہو گئے تھے۔ ''پوسٹ'' کی عمارت کو سپاہیوں نے گھیر لیا، پبلشر ٹاؤن سے کہا گیا کہ آیا وہ تھوڑی دیر کے لیے گردن سے ٹنگا جانا پسند کرے گا۔ یہ وارننگ کافی نکلی۔

''مجھے یہ پسند نہیں''۔ رِٹن ہاؤس نے کہا ''پریس کی آزادی.....''۔

مگر کمیٹی نے اسے یقین دلایا کہ ایک بار انقلاب فتح مند ہو جائے، تو پریس کی آزادی

کے لیے کافی وقت ہوگا۔

کمیٹی کے پاس سزا دینے کے اختیارات نہ تھے مگر اس کے پاس ڈرانے کا زبردست اختیار حاصل تھا، اور اسے فلیڈ یلفیا کے عام انسانوں کی ٹھوس مدد حاصل تھی۔ اس نے آنے والے الیکشن کے لیے اپنی شہادتیں اکٹھی کیں اور ایک بہت بڑے جلسے میں اس نے مورس کے خلاف کیس پیش کر دیا۔ اگلے دن مکمل طور پر خوفزدہ، مورس نے اپنے چھپائے ہوئے کوسب کے سامنے فاش ہونے دیا۔

ایک رات پین کمیٹی کی میٹنگ کے بعد گھر جا رہا تھا۔ اچانک ایک بچے کی طرح کمزور ہوا، وہ بہ مشکل اپنے کمرے کی بوسیدہ لکڑی کے زینے چڑھنے کے قابل تھا۔ وہ اپنے بستر پر پڑا تھا، باری باری گرم اور سرد ہوتے ہوئے۔ کپکپاتے ہوئے، ہذیان زدہ، اپنی یاداشت کو گڈمڈ دیکھتا ہوا، کبھی بچوں کی طرح روں روں کرتا، مگر اس قدر کمزور کہ انگیٹھی میں آگ جلانے کی قوت نہ تھی۔ اگلا سارا دن وہ اپنے بستر پر نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا۔ بہت سے واقعات ہو رہے تھے؛ اور وقتی طور پر پین کو فراموش کیا گیا تھا۔ فلیڈ یلفیا پہ ٹریبونل بیٹھا تھا، شہر خوفزدہ تھا، غصہ میں تھا، خود میں منقسم ہجوم گلیوں میں ٹارچ کی روشنی سے موجزن ہوتے تھے، اور پیل کے سپاہی جن کی تعداد بہت ہی کم تھی نظم وضبط قائم کرنے کی بے فائدہ کوشش کرتے۔

رابرڈیو کو غیر حاضر مصنف کی یاد آئی، اور اس وقت تک پین قریب المرگ ہو گیا تھا، ایک گندے اور بدبو بھرے کمرے میں ایک دبلا گنداڈھانچہ۔ جس وقت پین دوبارہ ہوش میں آیا تو اس نے جو پہلا شخص دیکھا وہ آئرینی رابرڈیو تھی، اور یہ ایک خواب تھا اور وہ ایک فرشتہ تھی۔ اس نے کہا ''میں مر رہا ہوں .....'' مگر یہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ اتنا کمزور تھا کہ کچھ بھی محسوس نہیں کر سکتا تھا سوائے ایک تنہا قسم کی مسرت کے، صرف اس قدر مضبوط کہ رابرڈیو کی' اس کو اس جگہ سے باہر نکالنے کی کوششوں کی مزاحمت کر سکے' جسے وہ اپنا گھر کہتا تھا۔

وہ نو دن تک اس کے ساتھ رہی، ایک مخنتی، اہل نرس، اور پھر پین نے جو مزید برداشت

نہ کر سکتا تھا، اس سے جانے کی التجا کی۔ وہ چلی گئی.....اور اب ہمیشہ سے زیادہ تنہائی تھی اور سنسانی تھی۔ جب وہ بستر سے باہر نکلا اور شیشے کے ٹکڑے میں دیکھا جسے وہ اپنا آئینہ کہتا تھا، تو یہ وہ پین نہ تھا جو اُس کے سامنے تھا، بلکہ یہ ابھری ہڈیوں پر کھڑا ایک پیلا حلیہ تھا، کھوکھلی آنکھیں، ایک وحشتناک اور لمبے سوکھے اور باریک ہوتے ہوئے بال۔

جب پین بیمار پڑا تھا، فلیڈ یلفیا میں خانہ جنگی عروج پہ تھی۔ اس نے ولسن کے گروپ اور آئین پسندوں کے درمیان گھمسان کی جنگ کی بندوقوں کی آوازیں سنیں۔ اس نے سنا، سب کچھ ایک رات میں، توڑے دار بندوقوں کی غصہ بھری آواز۔ اور وہ ایک بچے کی طرح رو دیا اس لیے کہ وہ ابھی تک بیمار تھا جب ریاستی الیکشن نے بغیر کسی شک کے اقتدار میں فائز کر دیا۔

پیل نے اسے اس کے بارے میں بتایا، اور پین نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرانے کی کوشش کی۔

''اب تک تو ہم جیتے ہیں''۔ اس نے کہا۔

ایک اور سیاہ زمستان گھسٹتا ہوا گزرا گیا۔ یہ 1780 تھا۔ پنسلوانیا لائن کا ایک حصہ خوراک، تنخواہ، اور کپڑے کی کمی سے فسادات کا شکار ہوا۔ وہ پانچ طویل سالوں تک لڑتے رہے، اور وہ اپنے گھر، اپنی بیویاں، اپنے بچوں کو دیکھنا چاہتے تھے۔ چارلسٹن قبضہ ہو گیا' فسادات کو فرو کیا گیا۔ واشنگٹن نے بھیک والے خطوط میں اپنا دل شامل کر دیا، اور پین نے انہیں پڑھا۔ وہ اب اسمبلی کا کلرک تھا۔ واشنگٹن نے لکھا۔ ''مائی ڈیئر پین، کیا کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا؟۔ کچھ بھی نہیں؟''۔

الیکشن بہت فیصلہ کن رہا تھا۔ آئین پسند اقتدار میں تھے، رد انقلاب کو روک دیا گیا تھا اور توڑ دیا گیا تھا، اور یہ اب کئی سال تک دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ تھا۔ پین کو بہر حال زندہ رہنا تھا؛ ''بحران'' کے کاغذات لکھنے اور شائع کرنے تھے، مگر جو لوگ انہیں پڑھتے تھے مصنف کو دینے کے لیے ان کے پاس ٹکہ تک نہ تھا۔ تب رابرڈیو اور پیل تھے جنہوں نے پین کو ریاستی اسمبلی میں کلرک کے عہدے کی پیشکش کی، اور پین نے اسے قبول کیا تھا۔ ''مجھے واپس فوج میں جانے کی امید تھی'' اس نے معذرت کی۔ اس کے پاس قوت نہ تھی۔ حیران کن طریقے سے خاموشی کے ساتھ عمر

نے اس پر قبضہ کرلیا تھا۔اس کے بال سفیدی مائل ہوگئے اور مڑی ہوئی پُرتجسس آنکھوں میں خوف کا ایک سایہ تھا۔

اسمبلی کے کلرک کی حیثیت سے اس نے واشنگٹن کی جانب سے ایک اپیل پڑھی: ''.....آپ ہماری بے چینی سے جو بھی خیال بنا سکیں گے وہ حقیقت سے کم ہوگا.....''۔ یہ پنسلوانیا کے لیے ایسا تھا، جب باقی سب کچھ ناکام ہوا؛ ان لوگوں کو جنہوں نے اقتدار لے لیا تھا اور پہلا انقلابی ٹریبونل قائم کیا تھا۔تھکا کر چور کرنے والے حالات کا ایسا اجتماع..... ہم آرمی کی ہر صف میں فساد اور سرکشی کے سنجیدہ ترین مظاہر دیکھتے ہیں.....''۔پین کے ہاں، یہ اُس سے بھی زیادہ تھا، لمبا اور جینائی وضاحتیں کرتے ہوئے ''تم، پین جس نے یہ کام اپنے قلم سے کیا.....تم جو سپاہیوں سے بات کرسکتے ہو''۔وہ بیمار تھا، اس کا ہاتھ کانپتا تھا۔اسمبلی مردہ وضع قطع کے ساتھ بیٹھی تھی، بعدازاں وہ پی کر مدہوش ہوا۔ بحث مایوس کن تھی، ایک مندوب کہہ رہا تھا: ''ہم کیا کرسکتے ہیں؟''۔دوسرے نے اسی مفہوم کو دوسرے لفظوں میں کہا۔

اس کے پاس کانٹی نینٹل پیسے میں ایک ہزار ڈالر تھے۔اس نے اس میں سے آدھا اٹھایا اور مالیات کی پارٹی کے ساتھ مفاہمت کا پہلا قدم اٹھایا۔اس نے تمباکو اور کپڑے کے ڈیلر بلیئر میک کلینا گھان کو (ایک سکاٹ باشندہ جو کہ پین کے لیے ایک حاسدانہ توصیف رکھتا تھا)، 500 ڈالر بھیجتے ہوئے واشنگٹن کی مدد کے لیے ایک متحرک فنڈ قائم کرنے کی تجویز کی۔سکاٹ نے اس کے آئیڈیا کا تذکرہ سلیمان سے کیا جو ایک پراسرار یہودی تھا جس نے فرنٹ سٹریٹ پر ایک کافی ہاؤس میں اپنے ہیڈ کوارٹرز قائم کیے۔سلمان آئین پسندوں کے ساتھ شامل تھا، جن کی بڑی مالیاتی امداد یہودیوں سے آتی تھی۔

''یہ کرلو''۔سلیمان نے سکاٹ کو بتایا۔''یہ واحد چیز ہے.....مگر میں ابھی تک تمہارا آدمی نہیں ہوں۔میں کچھ ہزار دے پاؤں گا، شاید پانچ، مگر تمہیں سرمایہ کی ضرورت ہوگی، بہت سے پیسے کی۔مورس کے پاس جاؤ، ریڈ کے پاس اور رش کے پاس۔میرا خیال ہے وہ اس میں پیسہ ڈالیں گے''۔

''جس طریقے سے پین اُن سے لڑا تھا، اُس کے باوجود بھی؟۔یہ خیال تو اُسی کا ہے''۔

''ہاں جس طریقے سے وہ اُن سے لڑا تھا، اُس کے باوجود بھی۔وہ اسے اپنا انقلاب چاہتے ہیں، مگر وہ جنگ ہارنا نہیں چاہتے''۔

میک کلینا تھان، مورس کے پاس گیا۔مورس نے تلخی سے کہا: ''میں اس شخص سے نفرت کرتا ہوں.....مگر وہ درست سوچ رہا ہے۔ہم یہ کام کریں گے۔کاش میں ولسن کو قائل کرسکوں.....''۔

''.....کاش آپ کرسکیں.....''۔سکاٹ مسکرایا۔

''بہرحال، ایک دن مسٹر پین بھگتے گا''۔مورس نے تلخی کہا۔''ہم نہیں بھولیں گے''۔

پین کی ابھاری ہوئی نفرت کے مجموعے کو مزید جمع ہونے کو چھوڑا گیا، اور اُس رات اس کے 500 ڈالر کانٹی نینٹل کی بنیاد پر بینک آف پین سلوانیا کو فوج کو خوراک، کپڑے اور اشیائے ضرورت سپلائی کرنے کے لیے منظّم کیا گیا۔

پین نے ''بحران کاغذات'' اُسی سفید گرمی میں لکھے، مگر اپنے قلم میں شعلہ ڈالنے کے لیے اُسے زیادہ سے زیادہ پینا پڑا۔وہ پھر آرمی کی طرف راغب ہوا۔پرانا ''کامن سنس'' ذرا لاغر تھا، کسی بھی وقت سے زیادہ پریشان حال، مگر فوجیوں نے اس کا خیر مقدم کیا ''میرے خدا، ٹام، یہ کسی طرح دماغ میں نہیں بیٹھتا''۔اس نے صبر کے ساتھ وضاحت کی، بار بار۔وہ اس کے بچے تھے، اُس کی طرح گندے، زبوں حال، بوسیدہ۔واشنگٹن نے اس سے کہا ''پین مجھے کبھی اندازہ لگانے نہ دینا کہ تمہاری اہمیت کتنی ہے''۔

''غیر معمولی بحران'' میں وہ اپنے خاموش غصے کے عروج میں تھا۔ایک مشترک محاذ کے لیے اپیلیں کرتا ہوا، انہیں یہ اعتبار کرنے کی دلیلیں دیتا رہا کہ صرف ایک جمہوریت میں ہی کام کا ایک شخص اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرسکتا ہے''۔عوامی بہبود پہ بحران'' میں اس نے کنفیڈریشن سے اکٹھے لڑنے کی استدعا کی، آپس میں نہ لڑنے کی بھیک مانگی، اُن سے علاقائی

اختلافات کو مشترکہ دشمن سے توجہ ہٹانے نہ دینے کی اپیل کی۔اس نے اب ایک قومی حکومت کے بارے میں سوچنا شروع کیا؛ جو کچھ پنسلوانیا میں ہوا تھا وہ ایک وارننگ تھی۔

جب اس کا دماغ شل ہوگیا تو وہ ایک ہفتے تک نشے میں دھت رہا۔جب محسوس کیا کہ وہ ختم ہوگیا اور مزید جاری نہیں رکھ سکتا، اور تو پھر وہ اس سے باہر آ گیا، پہلے سے زیادہ لاغر، لیکن زیادہ مصمم انقلاب کو شخصی طور پر انگلینڈ لے جانے کے ایک منصوبے کے ساتھ۔ وہ وہاں خود جائے گا۔ برطانوی شہری کو ایک ''کامن سنس'' دینے، برطانوی مزدور کو اور برطانوی کسان کو ایک ''کامن سینس ''دینے۔

تھینیل گرین نے بات کر کے اُسے اُس سے باہر کر دیا۔ بینیڈکٹ آرنلڈ معاملہ ابھی ابھی اپنی روانی ختم کر چکا تھا اور برطانوی، آندرے کی پھانسی سے جل رہے تھے۔

''اگر وہ پین کو پھانسی چڑھاتے'' ۔گرین نے کہا''تو اس سے بات برابر ہوجاتی ۔ میرا خیال ہے ہمیں ابھی تک تمھاری ضرورت ہے''۔

اچانک ایک دن یا ایک ہفتے میں نہیں، بلکہ، سارے برسوں کے بعد اچانک، جنگ جیتی جارہی تھی۔ابھی تک ختم تو نہ ہوئی، امن کا کوئی معاہدہ بھی دستخط نہ ہوا، مگر بھر بھی یہ جیتی گئی۔دل کا درد اور ناامیدی ختم ہوگئی ۔ایک برطانوی فوج یارک نامی قصبہ میں گھیرے میں آ گئی ، امریکہ میں برطانوی کاز پھاڑ کر ٹکڑے ہوگیا، کئی ملینوں کی ایک فرانسیسی امداد مالی مسئلے کو حل کر چکی ،ٹوری زمیں بوس ہوگئے ۔ پھر پین تنہا اور خوفزدہ تھا، اس سب کو دیکھتا اور حیران ہوتا ہوا۔''میں کہاں ہوں؟ کون ہوں میں؟''۔

اس کے پیروں کے نیچے سے سہارے اٹھ چکے تھے، ہمیشہ باہر، ہمیشہ پردوں کے پیچھے والا شخص ، ہمیشہ پروپیگنڈچی اب اُس کو وقت ملا جب وہاں پروپیگنڈے کی کوئی ضرورت نہ تھی، پردوں کے پیچھے آدمیوں کی ضرورت نہ رہی۔ ایک فتح مند فوج میں پین کی وضاحتیں کرتی ہوئی، نصیحتیں کرتی ہوئی صورت صرف قہقہے پیدا کر سکتی تھی ۔اس کا پیشہ انقلاب تھا، اور اب وہ کسی

پیشے کے بغیر رہ گیا۔

''تو پھر واپس بریزیئر سازی پہ جاؤ''۔اس نے خود کو ترشی سے کہا۔اس کے دوست، اس کے ساتھی اپنے ہاتھ ریاستی تعمیر کی ہنرمندی کی طرف موڑ رہے تھے۔ دوسرے چھینا جھپٹی کر رہے تھے اس لیے کہ فتح کا مطلب تھا مالِ غنیمت، لوٹ مار۔اور وہ جو اِس قدر یقین کے ساتھ ایک مدبر نہ تھا، لوٹ مار کے لیے اُس کی کوئی خواہش نہ تھی۔

فرانس کا ایک چکر تھا۔اس کا پرانا دوست اور ایک وقت کانکریس کے صدر ہنری لارنز کو برطانویوں نے اُس وقت گرفتار کیا جب وہ کشتی کے ذریعے ہالینڈ جارہا تھا۔پین نے جو کہ لارنز کے بیٹے کو جانتا تھا، اس چھوٹے لڑکے کو اس مصیبت سے نکالنے کی کوشش کی۔

''ایسا دائمی نہیں ہوگا''۔اس نے جون لارنز کو بتایا''جلد ہی قیدیوں کا تبادلہ ہوگا۔ جنگ ختم ہوجائے گی.....''۔

پین انسانوں کے ساتھ رویہ جانتا تھا، اور لڑکا اس کی پرستش کرنے لگا۔ پھر جب چھوٹا لارنز فرانسیسی قرضہ حل کرنے کے سلسلے میں مدد کے لیے پیرس گیا تو اس نے پین سے ساتھ چلنے کی التماس کی اور پین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ سمندر کے اِس پار اُس کا کام اختتام کو آ رہا تھا، ہاں کہہ دی۔ یہ ایک لحاظ سے ایک چھٹی تھی، اپنی پوری زندگی میں پہلی چھٹی۔ وہ فرانس میں ایک معزز مہمان تھا، ممتاز و معتبر لوگ اُس سے ''کامن سنس'' نامی اپنی کاپیوں پر آٹوگراف دینے کی بھیک مانگ رہے تھے، اُسے یہ سمجھا رہے تھے جیسے کہ اُس نے پہلے کبھی نہ سمجھا تھا، کہ وہ یعنی پین واقعتاً اہمیت رکھتا تھا۔

یہ سارا بہت جلد ختم ہوگیا۔مشن کامیاب ۔ہر چیز لگتا تھا اب کامیاب ہے ، اور پین چاندی کے ڈھائی ملین لیوروں سے بھرے بحری جہاز میں گھر آتے ہوئے نوآبادیوں کے اُس چھوٹے یونین میں تعجب انگیز تبدیلی پر غور کرنے سے خود کو نہ روک سکا جو خود کو امریکہ کہتا تھا۔جس طرح کہ مثلاً جب اُس نے فرانس کے چکر سے پہلے اپنے آخری ''بحران'' مسودہ لکھا۔اب پبلشرز کی کوئی دشواری نہ تھی ، اُسے چھاپنے کے اعزاز کے لیے درجن بھر پبلشرز لائن میں موجود ہوئے ۔''بحران'' مسودہ اب محفوظ سرمایہ کاری تھی جب کہ بحران گزر گیا۔

انہوں نے پین سے کہا تھا کہ جب وہ امریکہ واپس پہنچے تو جلد اُن کے ہاں کھانا کھائے، مسز جیکسن جو کہ آئرینی رابرڈیو ہوا کرتی تھی اور اس کے خاوند نے۔ فرینک جیکسن کو پین سے کوئی جلن نہ تھی۔ اس نے نرمی سے آئرینی کو کہا ''کیوں' وہ تقریباً ایک بوڑھا شخص ہے!''۔

آئرینی ابھی تک جوان اور دلکش تھی۔ وہ جب اپنے بچے کو اپنی گود میں لیے بیٹھ گئی تو اس نے پین کی بوڑھی ہوتی ہوئی بے کیفی کی تصدیق کی۔ وہ بوڑھا تھا، وہ ختم ہو چکا تھا۔ یہ محض ایک خواب تھا کہ اُس نے اس عورت سے محبت کرنے کی جرات کی تھی۔

''تم اب کیا کرو گے تھامس؟''۔ اس نے پوچھا۔

اور اس نے اس پہ مسکرانے کی کوشش کی، یہ دکھانے کی کہ کرنے کو بہت کچھ ہے۔ میں ایک مصروف شخص ہوں، اس نے کہا، اتنا کچھ لکھنا، اتنے سارے عشائیے۔

''انقلاب کیا جا چکا ہے''۔ فرینک جیکسن نے کہا' اور پین کے پاس متفق ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

''وہ آپ کو نہیں بھولیں گے''۔

اپنے لیے شوربے کا چمچ ڈالتے ہوئے ''وہ کیا معنے رکھے گا؟'' وہ بڑبڑایا۔

''آپ بہت تھکے ہوئے لگتے ہیں''۔ آئرینی نے کہا

وہ تھک گیا تھا، تھک کر چور ہو گیا تھا اور اس جگہ سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ وہ اچھا ہونا اور نشے میں دھت ہونا چاہتا تھا۔ یہ لوگ کون تھے، اور وہ کیسے یہاں اُن کے گھر میں بیٹھنے کو رضامند ہوا تھا؟۔ وہ ایک آوارہ بریز بیئر ساز کے علاوہ کیا تھا جو کہ ذرا دیر کے لیے کچھ اور بن چکا تھا؟۔

''آپ کو آرام کی ضرورت ہے''۔ آئرینی نے کہا۔

''میرا یہی خیال ہے''۔ اس نے اتفاق کیا۔ اس کے بعد وہ بہت جلد باہر نہیں جا سکا تھا۔

وہ اب اسمبلی کا کلرک تک نہ تھا..... کچھ بھی نہ تھا۔ ٹام پین' سابقہ انقلابی، ہمیشہ سے

ذرا زیادہ شکستہ حال، پیٹ ذرا زیادہ خالی۔ یارک ٹاؤن کے بعد ایک متوقع چیز ایک مئے نوشی کا دور تھا، اور وہ چار دنوں تک نشے میں دھت رہا؛ مگر وہ دَور جاری نہ رہا۔ کھانا بھی ہوتا ہے پینا بھی، آپ کو جوتے کا چمڑا پھٹا ہوا ملے گا، آپ کو ایک کمرے کی ضرورت تھی خواہ یہ کتنا ہی چھوٹا اور گندا اور بے شان کیوں نہ ہو۔

تنہائی کو کم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ رابرڈیو بوسٹن گیا ہوا تھا۔ گرین کیرولینا میں مہم چلا رہا تھا، اور جب اس نے لکھا کہ یہ بالکل پرانے دنوں کی طرح ہوگا اگر صرف پین اس کے پاس ہوتا، تو پین نے غمگینی سے سوچا ''پرانے دنوں کی طرح نہیں۔ اُس وقت، میری ضرورت تھی۔ میں فتح کا حصہ دار نہیں ہوں''۔

وائین اب مشہور پنسلوانیا محاذ کے ساتھ جارجیا میں موجود تھا۔ وہ دنیا کے بہترین سپاہی کہلائے جاتے تھے۔ برسوں نے فرق ڈالا تھا۔ پین اُن میں سے 500 کو نام سے جانتا تھا۔

واشنگٹن ایک فتح کے لیے فلیڈیلفیا آیا۔ مگر یہ ایک کھوکھلی فتح تھی۔ اس کا غیر حقیقی بیٹا ابھی ابھی مر چکا تھا۔ لمبا اور جینیائی لاغر اور خالی نظر آ رہا تھا، اور جب اس نے پین کو بلایا تو وہ دو بچھڑے آدمی لگتے تھے۔ پین کو اپنے گندے کپڑوں' اپنی وضع قطع، اور اپنے دھبے دار چہرے پر شرمندگی ہو رہی تھی۔

''میرے پرانے دوست''۔ واشنگٹن نے کہا۔

پین نے ڈینگیں مارنی شروع کیں؛ وہ انقلاب کی تاریخ لکھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کیا واشنگٹن کو پتہ تھا کہ ''کامن سنیس'' کی کتنی کاپیاں چھپ گئی تھیں؟۔

''مجھے اپنی قیمت معلوم ہے''۔ پین نے بڑائی میں کہا۔

یہ سوچتے ہوئے کہ کس طرح مناظر بدل گئے، یہ بدخط ایک تباہ حال مخلوق ہوا کرتا تھا۔ فوجی کیمپ میں آگ، اور غلط فہمیوں بھرے باغی لوگوں سے دور، واشنگٹن مسکرایا اور بولا: ''پین' میرے دوست۔ ہم میں سے کوئی بھی کبھی بھی تمہاری قدر و قیمت نہیں بھولے گا''۔ کیوں انقلاب نے اس طرح کے ایک سمندر کی طرف واپس جانے والی لہر چھوڑی؟۔ ہر شخص جزاؤں کی

تلاش میں تھا،مگر یہ امن اور نظم ونسق کی ایک دنیا میں کس طرح فٹ آتا تھا؟۔

''حتی کہ مورس بھی تسلیم کرتا ہے کہ تم نے کیا کچھ کیا ہے''۔واشنگٹن نے تیزی سے کہا'' دومحاذوں پر،گھر کے محاذ پر،اور جنگ کے محاذ پر، یہ پین تھا جس نے کاز کو اکٹھا رکھا..... میں یہ تمھیں عمیق ترین یقین سے بتا رہا ہوں،میرے اچھے دوست.....''

وہ جلد ہی جدا ہوئے ،اور واشنگٹن وہاں نہ تھا پین کو روتا دیکھنے۔

عام سپاہیوں کا ایک وفد اُس سے ملنے آیا۔اُن کے مہینوں کے مہینوں کی تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔کیا پین اُن کا ترجمان بنے گا؟۔کیا پین اُن کا مطالبہ منظّم کرے گا اور اُسے حکومت کو پیش کرے گا؟۔کوئی بھی پین سے زیادہ بہتر نہیں جانتا تھا کہ وہ جنگ کے سالوں میں کن مصیبتوں سے گزرے تھے،کوئی بھی اُن کے ساتھ پین سے زیادہ قریب نہ رہا تھا۔اس کے قلم نے انقلاب کے لیے آگ برسائی تھی،اور کیا اب اُس میں اُن لوگوں کے لیے ذرا سی آگ بچ گئی تھی جو انقلاب کے لیے لڑے تھے؟۔

''ہمارے مقاصد پورے ہو رہے ہیں''۔پین نے تھکے ماندے لہجے میں انہیں بتایا ۔''اب آپ کو انتظار کرنا چاہیے۔طاقت کے زور سے کسی طرح کے مطالبات بغاوت کے قریب ہوں گے''۔

سپاہی اُسے غم آلودگی سے دیکھ رہے تھے۔

وہ معاملہ رابرٹ مورس تک لے گیا، جو وزیر مالیات تھا ۔''یقیناً ان کے دعوے جائز ہیں''اس نے مورس پر واضح کیا۔کوئی بھی دوسری بات نہیں کہہ سکتا۔مگر کیا یہ وقت ہے؟۔کیا مورس کچھ کر سکے گا؟۔

''قدرتی طور پر، کچھ نہ کچھ''مورس نے کہا۔لگتا تھا کہ وہ بہت فاصلے سے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔''یہ لوگ حق دار ہیں،انہیں ادائیگی ہوگی''۔مورس نے پین کو یقین دلایا۔''آپ درست تھے بغاوت کی حوصلہ افزائی نہ کر کے۔اگر جنگ کو جیتا ہوا خیال کیا جائے تو کچھ قانونی باتوں

کا خیال ضرور رکھنا ہوگا۔''

سوچتے ہوئے مورس نے کہا'' آپ اپنی بہت قابل ذکر تحریر کی قابلیت کو ہمارے فائدے کے لیے موڑ سکتے ہیں پین۔حکومت کو احساس دلایا جا سکتا ہے.....۔''

''میں اس کے لیے نہیں آیا''۔

''نہیں۔محض ایک سوچ۔چلو اُسے ایک ایسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں جہاں ہم اُسے دوبارہ اٹھا سکیں''۔ایک لمحے کے بعد مورس بولا''کوئی وجہ نہیں کہ ہم دشمن رہیں''۔

پین نے اثبات میں سر ہلایا اور چلا گیا؛ بلاشبہ،کوئی وجہ نہیں۔انقلاب اور ردِ انقلاب اب ہو چکے تھے۔لوگوں نے اپنے ہاتھ مناسب چیزوں کی طرف موڑ دیے۔

کچھ تحریر،ایک ایسی حکومت سے تنخواہ لینا جسے مزید اس کی ضرورت نہ تھی۔کپڑوں کا ایک نیا جوڑا، یورپ کو انقلاب کی وضاحت کرتا ہوا ایک مضمون،ایک لاغر مضمون، پرانی آگ کی ایک چنگاری کے ساتھ ایک اور''بحران''.....کیوں امن باضابطہ نہیں ہے؟۔

چند ہفتے کرک برائیڈ کے ساتھ۔پرانے سپاہی آتے ہیں؛وہ ہزاروں سال پرانی باتیں کرتے ہیں، جب انہوں نے ہیکن سیک سے دلاویئر تک مارچ کیا تھا؛مگر گفتگو کا ایک اور رجحان تھا۔امریکہ میں مستقبل روشن اور وسیع نظر آتا تھا۔

مگر اس کے لیے کیسے؟۔

بے امیدی سے اُس نے خود کو امریکہ کے مستقبل میں دلچسپی لینے کی کوشش پر لگایا، مال غنیمت اور شان ،گھمنڈ اور یادیں، افواہیں، آنے والی تجارتی گرم بازاری، ایک عظیم ریپبلک میں ایک آزاد شہری ہونے کا افتخار۔

''جہاں آزادی نہ ہو، وہیں ہے میرا ملک''۔اس نے ایک بار کہا تھا۔امن آ گیا؛امریکہ ایک مور کی مانند اِترا رہا تھا،آزاد اور آزادی۔نہ ختم ہونے والی آتشبازیاں، پرچم کشائیاں،تقریریں ،ضیافتیں اور شان۔

ایک تھکا ہواانگریز جوایک زمانے میں دوسری چیزوں کے علاوہ ایک بریز یئر ساز تھا، نے لکھا:

''وہ زمانے جنہوں نے انسانوں کی ارواح کی آزمائش کی تھی، ختم ہوئے...........۔اور آج کی دنیا کا سب سے بڑااور مکمل ترین انقلاب مسرت اور شان سے مکمل ہو چکا......؟۔

اس نے اس پر دستخط کیا ہوگا: ٹام پین۔

حصه دوم

یورپ

11

مجھے سات برس دے دو

پینٹر اور شاعر بلیک نے اُس سے، پین سے کہا: ''وہ کسی کو پھانسی پر لٹکانے والے ہیں،
اور یہ تم بھی ہو سکتے ہو۔ اُن کا ارادہ تمھیں لٹکانے کا ہے۔ وہ 1776 سے تمھاری گردن پہ رسی

باندھنے کا انتظار کرتے رہے ہیں۔تم شیر کے کچھار میں بہت دیر تک بچ نہیں سکتے ، اور انگلینڈ امریکہ نہیں ہے.....''۔

''انگلینڈ امریکہ نہیں ہے''۔پین نے اتفاق کیا۔وہ اب تک یہ بات جان چکا تھا۔

''پھر لندن سے نکل جاؤ۔مر کر تم کسی کے کام کے نہ ہوگے''۔

''بھاگ''۔پین منمنایا،اور بلیک تلخی سے ہنسا۔

''میں ہنس نہیں سکتا''۔پین نے کہا۔یہ تاش کے پتوں سے بنے محل کی طرح نیچے آ گیا۔

یہ 1792 کا سال تھا،اور وہ تھامس پین تھا، کھلے بندوں انقلابی ،گرامی قدر،تیزی سے ایک پرانا تھیلا پیک کرتا ہوا،لندن سے بھاگنے اور پھانسی نہ چڑھنے کی تیاری کر رہا تھا۔۔۔۔۔ پھانسی ابھی نہیں چڑھنا چاہتا تھا۔وہ صرف 55 برس کا تھا۔اس نے کہا تھا''مجھے سات سال دو، اور میں یورپ کی ہر قوم کے لیے ایک''کامن سنیس''لکھوں گا''۔اور اب یہ کام انگلینڈ میں ہو چکا۔اس نے ''انسان کے حقوق'' نامی کتاب لکھی تھی ،مگر بہر طور وہاں وہ تلخ ،ضدی کا شتکار نہ تھے جنہوں نے کنکارڈ اور لگزنگٹن میں ہتھیار اٹھا لیے تھے۔اور وہ 55 برس کا تھا،تھکا ہوا تھا اور بھاگ رہا تھا۔

ابھی تک اندھیرا تھا،صبح صادق پھوٹنے سے تقریباً ایک گھنٹہ پیشتر ،فراسٹ اور آڈی برٹ اس کے دروازے کو کوٹنے لگے اور جاننے کا مطالبہ کیا کہ اسے کیا چیز روک رہی ہے۔

اب اس کے تھیلے میں یہ چیزیں تھیں:''انسان کے حقوق'' کی ایک کاپی ،ایک بنیان، اور ایک نیم مکمل مسودہ۔

''میں آ رہا ہوں.....''

''تانگے والا انتظار نہیں کرے گا.....اور جلاّد بھی''۔

''میں نے کہا میں آ رہا ہوں!''۔

پھر اب یہ ہو چکا تھا،اور انگلینڈ دوبارہ اُسی جگہ پھسل گیا جہاں یہ پہلے تھا۔عظمت کا تیز، روشن شعلہ ختم ہو چکا تھا،شراب خانوں اور تہہ خانوں میں پکنے والی سازشیں ختم ہو چکی تھیں۔تھیڈئیس ہالٹر کے تہہ خانے میں بیالیس توڑے دار توپیں وہیں پڑی رہیں گی جب تک کہ وہ زنگ لگنے سے

گر نہ جائیں۔بندوق کی بارود کا بیرل تھیمز میں بہہ چکا تھا،اور بحری جہاز کے مزدور اور کان کن اور جولاہے اور دکاندار ایک دوسرے کو گناہگار،شرمندہ لوگوں کی نظروں سے گھور رہے تھے جنہوں نے ایک لمحے کے لیے ناممکن کا خواب دیکھا تھا اور اُس پر اعتبار کرنے جرات کی تھی۔

''میں آ رہا ہوں''۔پین نے کہا۔

تانگے میں ڈوور کو جانے والی گڑھوں بھری سڑک پر لڑکھڑا کرتے ہوئے فراسٹ نے اُسے کہنی ماری اور کان میں کہا:''سامنے ، لیونارڈ جین''۔جین تاجِ شاہی کا ایک ایجنٹ تھا،کئی تیز چہروں والے لوگوں میں سے ایک جو یہاں وہاں پھرتے رہتے اور چیزیں دیکھتے: یہ سیکرٹ سروس سے ایک روز پہلے تھا۔

''اور میرا خیال تھا کسی کو خبر نہ ہوگی''۔پین نے چڑچڑے پن سے شکایت کی۔

''ہاں،وہ جانتے ہیں.....''۔

صبح صادق کے پہلے ہلکے دھندلکے میں ، اور پھر چمکدار سرخ سورج کی صبح سے سرخ کردہ اُسے بیٹھنا پڑا اور احساس کرنا پڑا کہ مرنے کے معنی کیا ہوتے ہیں ؛سٹریچر پر لٹانے کے، پھندے سے لٹکائے جانے کے،جب وہ اُسے پھانسی گھاٹ تک لے جائیں گے تو بدمعاش لڑکے ان بے وزن اشعار سے چیختے رہیں گے:

پین ،پین اس کا نام ملعون ہو
برباد ہو اُس کی شہرت ،دائم ہو اس کی بدنامی
خدا بربا د کر پین کو ، خدا بربا دکر پین کو !

اپنے خیالات کی روانی میں اس نے آڈی برٹ سے کھسر پھر میں کہا''اگر وہ مجھے پکڑ لیں ،تو امریکہ جاؤ،اور واشنگٹن کے پاس جاؤ جسے میں یاد ہوں ، اُسے بتاؤ کہ یہاں کیا صورتحال تھی۔ اُسے بتاؤ کہ کوئی فرق نہیں ہے، انگلینڈ ہو یا امریکہ،صرف اُس جیسے ایک آدمی کی ضرورت ہے .....''

انہوں نے اُسے نہیں پکڑا،مگر صرف اس لیے کہ انہیں خود پر یقین نہ تھا۔''حتیٰ کہ یہاں''

آڈی برٹ بولا ''آپ کسی کو وارنٹ کے بغیر گرفتار نہیں کر سکتے''۔ اور کچھ گڑ بڑ ہوگئی تھی۔ جب وہ ڈوور کے کسٹم پہنچے تو وارنٹ ابھی تک یہاں نہ پہنچے تھے۔

کسٹم والوں نے اُن کے سامان کی ہر چیز کی تلاشی لی، پین کی کتاب دیکھی، اسے دو میں پھاڑ ڈالا اور فرش پر پھینک دیا: ''یہ 'انسان کے حقوق' ہے اور خدا تمہیں غارت کرے!''۔

پین یہ بھول گیا کہ پھانسی چڑھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور بولا ''اپنا گندا منہ بند کر''۔ اس کی گرج دار آواز دس سال قبل والی آواز کی بازگشت تھی۔ پین ایک سپاہی رہ چکا تھا، اور اُس کی آنکھیں شعلہ بار تھیں۔ اس نے کہا ''اپنا گندا منہ بند کر''۔ پھر اس نے اپنی کتاب کے دونوں ٹکڑے اٹھا لیے۔

انہیں ایک کمرے میں بند کیا گیا، تینوں کو، اور بیرکوں سے چھ ''ریڈ کوٹوں'' کا ایک دستہ مارچ کرتا ہوا دروازے پر گارڈ کرنے آیا۔

''اگر پیکٹ ہمارے بغیر چلا جائے''۔ فراسٹ نے کہا۔ اور پھر ایک انگلی سے اپنی گردن پر ایک لکیر کھینچی۔

کسٹم ہاؤس کے گرد ایک مجمع جمع ہونا شروع ہوا، اور جلد ہی وہ چلا رہے تھے ''پین، پین برباد ہو اُس کا نام''۔

''تمھارے لوگ''۔ فراسٹ نے طنز سے کہا ''جو آزادی اور انصاف کا پرچم تھامنے کھڑے ہوں گے''۔

''بے چارے شیطان لوگ''۔

''ان پر ہمدردی ضائع نہ کر، اگر ہم جلد یہاں سے نہ نکلے تو ہمیں تمھاری ساری ہمدردی کی ضرورت ہوگی''۔

''وہ ہمیں کس بات پر روکے ہوئے ہیں؟''۔

''وارنٹ کے لیے، اور کس لیے؟''۔

پھر کسٹم کے کیپٹن نے دروازہ کھولا اور کہا ''پین صرف خدا کی مہربانی سے تم یہاں سے جا رہے ہو۔ دوبارہ انگلینڈ نہ آنے کے لیے''۔

پھر پین کی پارٹی چیختے چنگھاڑتے مجمع کے تضحیکی نعروں کے بیچ دھکیلتی ہوئی پیکٹ کو سختی سے دبائے اور دو کشتیوں نے چھوٹی سی چینل کشتی کو چھپانا شروع کیا۔ پین عرشے پر کھڑا تھا۔

''کیا تم واپس آؤ گے؟''۔ جونہی سفید چوٹیاں پیچھے رہ گئیں، آڈی برٹ نے اس سے پوچھا۔

''میں واپس آؤں گا۔ یہ فرانس ہوگا، انگلینڈ اور امریکہ.....اور پھر پوری دنیا۔ میں واپس آؤں گا''۔

کشتی پر محفوظ، انگلینڈ چھوڑ کر سرکاری جلاّد اور مجمع چھوڑ کر، پین سوچتا رہا کہ کس آسانی، اور کس عیار طریقے سے یہ سارا ہنگامہ شروع ہوا تھا۔ پیچھے امریکہ میں، جب جدوجہد ختم ہوگئی، تو اُس نے انقلاب اپنے پیچھے رکھ دیا تھا۔ اس نے، تھامس پین نے، معزز و معتبر بننا چاہا تھا، اپنے لیے کوئی ایسی چیز بننے کا خواب دیکھا تھا جس طرح واشنگٹن کو کوہِ ورنان پہ حاصل تھی۔ جب انقلاب ختم ہوا تو وہ ایک بوڑھا شخص نہ تھا؛ وہ صرف 46 سال کا تھا اور اُس وقت انسان کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ فرینکلن کو دیکھو۔

ایک وقت آ جاتا ہے جب انسان واپس بیٹھ جانا چاہتا ہے اور کہنا چاہتا ہے: ''میں نے کافی کچھ کیا ہے؛ میں کھانا چاہتا ہوں پینا چاہتا ہوں اور سونا اور بولنا اور سوچنا چاہتا ہوں''۔ ایک شاندار، ناقابلِ فراموش دوپہر تھی جب وہ گھنٹوں تک سورج کی گرم کرنوں میں فرینکلن کے ساتھ بیٹھا سائنسی اور فلسفیانہ موضوعات پر گفتگو کرتا رہا تھا۔ ''سائنس کے ساتھ کھیلو''۔ فرینکلن نے اس سے کہا ''سائنس ہے نیا زمانہ، طلوعِ سحر''۔

''میں کھیلنا چاہوں گا''۔ پین نے کہا، اس کی آنکھیں متجسس۔

اچھا، وہ اس کا مستحق تھا، ہیں ناں؟۔ یہ بات نہیں کہ اس نے اکیلے جنگ کی تھی مگر وہ تو

واشنگٹن نے بھی نہ کی تھی نہ ہی جیفرسن نے، نہ ہی ایڈمز نے۔اس کا حصہ اتنا ذرا سا تھا کہ وہ چھوٹا انعام مانگنے پہ لالچی تھا، کانگریس سے استدعا کرتا کہ اسے کوئی گزر بسر دے دے، اس لیے کہ اس کے پاس انقلاب کے سوا کچھ نہ تھا، اس لیے کہ وہ تبدیلی کا سپیشلسٹ تھا، اور تبدیلی ختم ہو چکی تھی۔

انہوں نے اُسے معمولی رقم اور بورڈن ٹاؤن میں ایک جگہ اور ایک جگہ نیوروچیلی میں ووٹ کر کے دی تھی۔ یہ کافی تھا۔ وہ سادگی میں رہتا تھا، کچھ مشروبات، سادہ غذا، ایک ورکشاپ .....ساری دنیا میں سائنسی دماغوں کی مطابقت میں جو مستقبل پر غور وفکر کر رہے تھے۔

''تھامس پین گرامی قدر''۔اس نے خود دستخط کر دیئے۔

توقع یہ کی جاتی تھی کہ ایک شخص تبدیل ہو جائے گا، وہ زمانے جو انسانی روحوں کی آزمائش کرتے تھے گزر گئے۔اس نے سیاست میں ہاتھ مارا تھا، مگر ایک جنٹلمینی طرز پر، ایسے طرز پر جس پہ مورس اور رش نے ہاتھ مارے تھے۔اور جب اس نے اب ایک بھکاری دیکھا، ایک بے چارہ دھت شرابی، ایک بوڑھا ہوتا ہوا جنگِ انقلاب کا سپاہی، پیچش اور آتشک میں غلطاں، کوئی ایک بازو والا باتونی سپاہی، ایک آرٹلری والا جس کی آنکھیں جلتے بارود نے جلا ڈالی تھیں، اس نے یہ نہیں کہا''وہ، خدا کے فضل وکرم سے تھامس پین جا رہا ہے''۔

مگر اس کی توقع بھی تھی۔

اور کبھی کبھی وہ ان گنوار دھقانی لوگوں سے تھوڑا شرمسار ہوتا جو اس کے گھر آتے اور چلاتے''ارے ٹام، ہیلو، پرانے کامن سینس، سلام پرانے کامریڈ''۔

پرانے وقتوں کی بات کرتے ہوئے، دیکھو انہوں نے خود کو کیا بنا لیا تھا۔ پرانے زمانے ختم ہوئے۔

اُس سے بہتر واشنگٹن کے ساتھ رات کا کھانا تھا، لمبا لومڑی کا شکاری جس کا نام اب اس قدر احترام سے لیا جاتا تھا، جس نے البتہ ابھی تک جرسی کے علاقے میں سرد مارچ فراموش نہیں کیا تھا۔

''ماڈیریا، پرتگالی شراب' تھامس؟''۔

''مجھے کلارٹ نامی شراب اچھا لگتا ہے''۔

''مگر ماڈیریا تھامس، پرتگال کے نیلے آسمان کے سورج کی ساری کرنوں کے ساتھ''۔

مورس، ریڈ، رش کے ساتھ کھانا کھانا، اب وہ پرانے جھگڑے صُلح ہو گئے تھے، پرانے اختلافات ایک طرف رکھے گئے، یہ تھے کوالٹی، یہ تھے وہ لوگ جو اہمیت رکھتے تھے۔ وہ اپنی برانڈی کے گھونٹ لیتے تھے اور وہ بڑے مالیاتی امور پر باتیں کرتے تھے، اور وہ اس نئے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پیچھے قوت تھے؛ اور پین کو اجازت تھی بیٹھنے اور دیکھنے کی، کہ کتنی نازک جوڑ توڑ دنیا کو چلا رہی تھی۔

ایک شخص بدل جاتا ہے، یا شاید وہ غلط ہو اور ایک شخص کبھی نہیں بدلتا۔ یہاں، سال 1792 میں کشتی کے کنارے پر جھکے ہوئے جو اُسے فرانس لے جا رہی تھی، انگلینڈ سے دور جس نے اُسے پھانسی چڑھا دیا ہوتا، ڈوور کی سفید چوٹیوں کو دیکھتے ہوئے، اس نے اپنی یادداشت میں جھانکا، اور واقعات کو ایک ایک کر کے گزرنے دیا، جس طرح کہ وہ رونما ہوئے تھے۔

وہاں لوہے کا پل تھا، ایک سائنسی تجربہ.....اور کیا بین فرینکلن نے نہیں کہا تھا کہ اس کی ایک آنکھ اور ایک دماغ سائنس کے لیے ہیں؟۔ بلاشبہ یہ پُل دنیا میں ایک نئی چیز تھی مگر ایک خواب دیکھنے والا دیکھ سکتا تھا کہ لوہا انسان کی تقدیر کا مالک بن رہا ہے۔اور ایک پل سے کیوں نہ ابتدا کی جائے، اس قدر مفید چیز، اس قدر مشترک چیز؟ اس لیے وہ اس تصور سے کھیلتا رہا، خاکے بناتا رہا، اور ماڈل میں لوہے کا ایک پل بنا لیا۔لوگ 40 میل سے اسے دیکھنے آئے۔کوئی بھی دیکھ سکتا تھا کہ پل محض''کامن سینس'' ہے، انہوں نے کہا، ایک عام ساذ ومعنی لفظ بنانا بھی ایک زمانے میں کس قدر قابلِ نفرت تھی۔''کامن سنس'' نامی کتاب کی کاپیاں اب زرد رنگت پکڑتی جا رہی تھیں، چوباروں اور صندوقوں میں گھسیڑی پڑی، مگر لوگ کہتے''عظیم سمارٹ آدمی پین۔ایک یانکی کی طرح سوچتا ہے''۔

وہ یہ ماڈل فلیڈ یلفیا لے گیا اور اُسے مارکیٹ سٹریٹ میں بین فرینکلن کے باغ میں

رکھ دیا۔ کیا وقت تھا وہ! ۔اس قدر سارے لوگ اسے ڈاکٹر پین کہہ کر پکارتے تھے کہ اس نے اس پر یقین کرنا شروع کیا۔ عشائیوں، ظہرانوں، پارٹیوں میں اس کا نام لے کر اس کی صحت کا جام پیا جاتا تھا؛ اس کے پاس چار سفید وِگ ہوا کرتے تھے، اور اسکی قمیصیں مایا لگی اور بے عیب طور پر صاف ہوتی تھیں۔

اور ایک بار رِش نے ذکر کیا ''پین' اب کامن سنس کا پڑھنا کیسا لگتا ہے؟''۔

''کامن سنیس؟''۔ جیسے یہ کوئی معمولی معاملہ ہو کہ آسانی سے یاد بھی نہیں آرہا تھا۔

''یہ وقت کے لیے اچھا تھا''۔ اس نے منصفانہ انداز میں کہا۔

''اور کیا وقت تھے، وہ پرانے دن''۔ رِش ہنسا۔

''ایک دوسرے کے گلے پڑے ہوئے تھے''۔

''مگر اب سب کچھ ٹھیک ہوگیا''

''ہاں، بلاشبہ''۔ پین نے اتفاق کیا۔

پھر وہ اپنا پُل کا ماڈل فرانس لے گیا۔ پانچ برس پہلے 1787 تھا۔ تھامس پین، گرامی قدر، فرانس کی طرف وسیع سمندر کو عبور کرتے ہوئے، ایک اجڈ بیمار ایک گندا، پیپ زدگی میں نہیں، بلکہ پرزوں کا ایک جنٹلمین، فلاسفر، سائنس دان، سیاستدان، آپ کہہ سکتے ہیں ماہر مالیات۔ وہ عرشے پر چلتا ہے اور مسافر ایک دوسرے کو اُس کی طرف اشارے کر کے بتاتے ہیں۔

اس کا امریکہ ترک کرنا بذات خود ماضی کی یاد دہانی تھی۔ اس کے ابھی بھی دشمن تھے، اتنے کافی کہ اس کے لوہے کے پل کو پنسلوانیا ریاست میں لگانے سے روک سکے تھے؛ اور گو کہ اس نے بہر حال فرانس جانے کی امید کی تھی؛ یہ زیادہ تر پل کا معاملہ تھا جس نے اُسے وہاں بھیجا۔ اُس نے فرانسیسی سائنسدانوں سے خط و کتابت کی تھی، اُن کے بارے میں فرینکلن سے بات کی تھی، اور اُسے پکا یقین تھا کہ وہ دنیا میں عقلمند ترین لوگ ہیں، سب سے زیادہ ظریف الطبع کا تو ذکر ہی نہیں۔ فرانس اس کا پُل لے لے گا، اور پھر دنیا، پھر شہرت ہوگی، پھر دولت۔ بحری جہاز پر اس نے

کافی جوانی محسوس کی، بالٹی مور کی ایک مسز گرینجر سے ذرا سی عشق بازی کرنے کی، ایک ایسی عشق بازی جس نے پین کو ایک وقار کے ساتھ ہم بستری پر مائل کیا اور ایک ایسی طرز پہ جس کے بارے میں ایک وقت اُس نے سوچا تھا کہ وہ قابل نہیں۔ مگر کیوں نہیں؟ وہ اپنی زندگی کے عروج میں تھا، ہمیشہ سے زیادہ صحت مند، مشہور۔ ایک بریزیئر ساز، موچی، ایکسائز والے کے بطور فراموش کردہ، بس پین، فلاسفر اور سائنسدان کے بطور مشہور۔

فرانس نے اُسے خوش آمدید کہا؛ پرانا شہنشاہی فرانس۔ شاہ لوئی ورسیلیز کے شاہی دربار میں جلوہ افروز۔ اگر کہیں کوئی بڑ بڑاہٹیں تھیں، تو پین کا ان سے کیا واسطہ؟۔ یہ فرانس تھا امریکہ نہیں۔ فرینکلن سے ایک اشارہ لے کر، اس نے ایک سادہ مگر عقلمند امریکی کا رول ادا کیا۔ صاف بھورا پینٹ، کوئی وگ نہیں، کوئی عطر نہیں، سفید قمیص، سیاہ کوٹ، سیاہ جوتے، کاٹن کی جرابیں، ایک دل جیتنے والی دوستانہ مسکراہٹ جس نے زبان سے اس کی ناواقفیت کی تلافی کی۔ وہ ان سب سے ملا، سیاستدانوں سے، فلاسفروں سے، فہمیدہ لوگوں سے بھی اور خود نما لوگوں سے بھی، سائنس دانوں سے اور بلند مرتبت لارڈ سے اور عاجز سکالروں سے۔ ایک باصلاحیت شخص کے لیے کوئی رکاوٹیں نہ تھیں.......اور فرانسیسی خوراک! وہ کہتا تھا:

''آہ، ہم امریکہ میں کھاتے ہیں، مگر ہم پکاتے نہیں ہیں............''

اور انگلینڈ کیوں نہیں؟۔ پھر واپس گھر نہ جایا جائے............ وہ اس قدر قریب تھا، اور بہت سے سال گزر گئے؟۔ پل فرانسیسیوں نے پسند کیا تھا، مگر زیادہ نہیں۔ اور انگلینڈ میں بھی پرانی نفرتیں بھلا دی گئیں۔ آپ ایک قوم سے ایک بار لڑ سکتے ہیں، مگر آپ اُن سے غیر معینہ مدت تک کاروبار کرتے ہیں۔ اور کیا یہ نہیں کہا گیا کہ انگلینڈ میں جارج واشنگٹن بڑا ہیرو تھا بمقابلہ اپنے گھر امریکہ کے؟۔

پین لندن کو عبور کر گیا۔

عشائیہ سر جوزف بینکس کے ساتھ، صدرِ رائل سوسائٹی، مارکوس ہاولے ماہرِ فلکیات

،ایسٹ انڈیا کمپنی کے سر جان ٹٹلٹن ..... ہر ایک پین کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے اس کے سامنے جھکتا، اپنے یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہ یہ ایک اعزاز ہے ''سر، یہ ایک اعزاز ہے.....''

اور ''کامن سینس'' کے بارے میں''۔

''بھرپور سر، بھرپور اور جامع طور پر برطانوی ، میگنا کارٹا کے قدیم وقار کی دوبارہ تجدید۔ امریکہ نے ہمیں دھتکارا، مگر اس دھتکار میں انگریز ضد کا ایک اچھا مادہ تھا، اور کون کہے گا کہ جب موقع آئے گا تو دونوں ممالک عقلمند تر نہیں ہیں اور ایک ہونے کی طرف زیادہ جھکاؤ میں نہیں ہیں''۔

''ایک؟''۔

''جنگ ایک غلطی تھی۔ ہم عقلمند لوگ ہیں، ہم اسے تسلیم کرتے ہیں''۔

وہ متفق نہ ہو کر کیا کرتا؟ کیا وہ ایک بار بھی یہ حقیقت لائے تھے کہ وہ ایک بریز بیئر ساز تھا، یا یہ کہ وہ ''جن راؤ'' کے گند میں لتھڑا ہوا تھا، یا یہ کہ اُس کے پاس ایک تمباکو کی دکان ہوا کرتی تھی؟۔ وہ اُس لحاظ سے بہت زیادہ اعلیٰ تھے۔ اُن کی برتری اظہار سے زیادہ زندہ تھی، مگر اس قدر ظاہر کہ پین، حیرت زدہ محض مسکرا سکتا تھا، زیادہ پیتا تھا زیادہ جو اس کے لیے اچھے سے زیادہ تھا، مسکراتا تھا اور متفق ہوتا تھا۔ آپ اُن کی طرح کے لوگوں کے ساتھ ایک شام گزارتے، اور آپ دیکھتے کہ وہ کیوں حکمران تھے .....عمدگی، پرکشش مزاح، شان ۔اور شاید آپ میسا چوسٹ کا شتکاروں کو یاد کرتے ، اپنی بڑی زنگ آلود توپ کی طرف جھکتے ہوئے، تھوکتے ہوئے، یا شاید آپ اس کے بارے میں سوچتے ہی نہ۔

اور جب وہ اپنا پل کا ماڈل باہر لایا تو تعریف کا ایک کورس ہوا تھا۔

''ایجاد میں باور کریں نو آبادیاں ہم سے سو سال آگے ہیں''۔

پین کے دماغ کے ایک حصے نے سوچا ''وہ ابھی تک ہمیں نو آبادیاں کہتے ہیں''۔

پھر تھیٹ فورڈ، اور اُسے صدمہ پہنچا کہ پرانی جگہ تبدیل نہیں ہوئی تھی، بالکل نہیں، ایک پتھر تک نہ ہلا تھا، ایک کوّا باڑھ کی چوٹی پر بیٹھا تھا جہاں اس نے سوچا کہ یہ اسے بہت عرصے قبل بیٹھا یاد آ رہا تھا۔ امریکہ کے بعد، یہ مکمل طور پر دنیا سے باہر تھا، اس لیے کہ امریکہ تبدیلی سے زندہ تھا،

مکان کو اکھاڑ پھینکو اور ایک بہتر مکان تعمیر کرو، باڑے کو اکھاڑ پھینکو اور ایک بہتر والا تعمیر کرو، گلیوں کو، گندے پانی کی نکاسی کرنا؟۔ کیوں نہیں؟۔ رومنوں نے یہ کیا تھا۔ ایک بلند تر چرچ اور اس پہ ایک بلند تر مینار، ایک عظیم تر ٹاؤن ہال۔

مگر تھیٹ فورڈ وہی تھا۔ بزرگ کاشتکار زمین پر بھورے ڈھیلے، لمبے نہیں، ڈھیلے ڈھالے، ہٹ دھرم دیہاتی ، مقامی نواب اپنے باپ کی طرح فربہ، پہلے ہی ایک ٹانگ میں گٹھیا کا مرض۔

انہیں پین یاد نہ تھا؛ کسی کو یاد نہ تھا۔ کسان کہتے ''اوو، سر، آپ پین نامی کوئی جگہ تلاش کر رہے ہیں؟''۔

اُس کی ماں زندہ تھی، برباد شدہ چھوٹی سی مخلوق ، 90 سالہ بوڑھی، جزوی طور پر اندھی، نیم بہرہ، اُسے وہ یاد نہ تھا۔

''آہ''۔ اس نے اس وقت کہا جب اس نے اُسے بتایا کہ وہ کون ہے ''تم میرے بیٹے ہو؟''۔

''تھامس۔ ماں، تھامس''۔ کراہت کا احساس، جدائی کا تکلیف دِہ احساس محسوس کرتے ہوئے، یہ کہ تنے طویل فاصلے تک جانے کا کہ واپس آنا بے حرمتی تھی۔

''تھامس.....وہ مر چکا ہوگا''۔

''میں، مجھے دیکھو، ماں!''۔

''تم تھامس ہوگے؟''۔ اپنے اجڑے ہوئے چہرے کو رگڑتے ہوئے، پھر بھی اس طرح جیسے حیران ہوئی ہو، تکلیف بھی نہیں۔

اس نے مقامی نواب کے ساتھ رات کا کھانا کھایا، وہ لڑکا جس نے اسے ٹانگوں سے لٹکایا تھا۔ روسٹ بیف، بھاری ابلا ہوا پڈنگ ، بیئر کے بڑے مگ۔ یہ زمیندارا شرافیہ تھا جو ایک زمانے میں ایک ہالہ سے یوں چمکتا تھا جو یسوع کی پیشانی سے زیادہ مختلف نہ تھا۔ مقامی نواب خوراک ٹھونسنے میں اس قدر مصروف تھا کہ وہ کبھی کبھار ایک لفظ ہی ادا کر سکتا تھا۔

''واپس ہمارے ساتھ، پین.....''۔

بیف کا ایک تراشا اٹھاتے ہوئے اور اس سارے کو اپنے منہ میں ڈالتے ہوئے، اپنی انگلیوں سے پڈنگ کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھاتے ہوئے اور اُسے بیف پر ڈالتے ہوئے، پھر بیئر کا آدھا مگ اتنی جلدنگل ڈالا کہ کچھ حصہ اس کے منہ کے کناروں سے بہہ نکلا، اور اُس نیپکن پر چھلک پڑا جو اس نے اپنی گردن میں اڑس رکھا تھا۔

''بیف؟''۔

ایک اور تراشا اس کے منہ میں چلا گیا، لمبا چاقو کانٹے، چمچے اور پلیٹ کا کام دے رہا تھا۔

''جگہ مختلف لگ رہی ہے؟۔ دنیا میں شہرت اور دولت۔ پین، تم نو آبادیوں کے بارے میں کیوں سوچتے ہو؟۔ میں خود کو وگ پہنا سکتا ہوں مگر، اکھڑ، امریکی بہت غیر مہذب ہیں، بہت ہی غیر مہذب''۔

اور پھر پڈنگ کا ایک اور بیلچہ بیئر سے بھرے منہ میں تیرتے ہوئے۔

جلد ہی پین رخصت ہوا۔ اس نے اپنی ماں کو جب تک وہ زندہ رہتی نوشلنگ فی ہفتہ ادا کرتے رہنے کا انتظام کر دیا۔

یہ زندگی تھی جسے بسر کرنا چاہئے؛ ایک مزاح کا شخص، فلسفے کا، ایک جگہ نہیں رہا۔ ایک بار اس نے کہا تھا ''دنیا میرا گاؤں ہے، جہاں آزادی نہ ہوگی وہی میرا ملک ہوگا''۔ اور اب پھر دنیا اس کا گاؤں تھی، اور جہاں کہیں ظرافت والے لوگ برانڈی اور کافی پر باتیں کرتے تھے وہ اس کا ملک ہوتا۔ اس نے فرانس واپسی کو خلیج عبور کیا، اور پیرس کی چمکدار زندگی نے اس کے لیے اپنی بانہیں کھول دیں۔ پین واقعی شوخ و بے فکرا بن گیا، چیزوں کو سرسری لیتا ہوا، اور پھر بھی آپ کو بریزیئر ساز نہیں ملے گا، موچی نہیں ملے گا اور بغاوت ابھارنے والا نہیں ملے گا جو منجمد کرنے والی ایک رات پیٹ کے بل لیٹا اور لکھا:

''ایسے زمانے ہوتے ہیں جو انسانوں کی روح کا امتحان لیتے ہیں.....''۔

پیرس میں، اتنے زیادہ سالوں کے بعد، وہ پھر ٹام جیفرسن سے ملا جو، اب اتنا جوان نہ تھا (مگر دونوں میں سے کوئی جوان نہ تھا، وہ بوڑھا گروپ جو کارپنٹرز ہال میں اکٹھے کھڑا ہوا تھا)۔ مگر اتنا مختلف نہ تھا، لمبا اور حساس چہرہ، مزید گہری جھریاں پڑی ہوئی، آواز ذرا سی گہری، ذرا زیادہ مذبذب ہو جاتا جب وہ دنیا پر بولتا تھا۔ وہ پین کو دیکھ کر واقعی خوش ہوا تھا، اور جب وہ مصافحہ کر رہے تھے، جیفرسن نے کہا:

''ٹام، ٹام، میرے دل کو اچھا لگتا ہے، یہ پرانے دنوں کی یادگیری ہوتی ہے، ہے ناں جب دو دوست ملتے ہیں؟۔ ایک شخص گھر سے اس قدر دور اکیلے پن میں بڑا ہوتا ہے، اُس وقت اور زیادہ جب وہ اپنی یادوں پر غور کرتا ہے اور اُن پر شک کرنے لگتا ہے''۔

پین نے اپنے پُل کے بارے میں باتیں کیں، فرانس کے اپنے پچھلے چکر کا ذکر کیا، اپنے پرانے گھر کا چکر لگانے کا تذکرہ کیا۔

''اور یہاں کیسا محسوس کر رہے ہو؟''۔ جیفرسن نے پوچھا۔

پین نے کندھے اچکائے ''لوئی اصلاحات کرے گا.....دنیا اسی طرح چلتی ہے''۔

''کیا واقعی؟''۔ جیفرسن حیران ہوا۔ ''کیا یہ ہمارے لیے چلی ہے یا ہم نے اسے چلایا؟۔ اُس وقت کچھ سرد زمستان تھے، پین''۔

پھر ہونے دو جو ہوتا ہے۔ وہ یاد کر سکتا تھا کہ وہ کس طرح دوبارہ انگلینڈ میں تھا، اپنے آئینے میں دیکھتے ہوئے، خود کو بتاتے ہوئے ''میں نے کافی کچھ کیا، کافی کیا''۔ 1788 کے اگست، ستمبر، اکتوبر میں لندن کی سماجی دنیا نے اس پر اپنی بانہیں وا کر دیں۔ پھر اٹھارویں صدی کے آخر میں لندن انگلینڈ تھا جس طرح فیشن چلتا تھا، اور فرانس میں مسلسل بولنے اور بڑبڑانے کے ساتھ، ایسا لگتا تھا کہ لندن پوری فیشن ایبل دنیا کا ہوگا۔ برطانوی حکمران طبقہ کی طرف سے چار سو سال کی جفاکش کوشش نے اُسے معزز بنایا تھا۔ سماج پیوست تھا اور سنگھار کیا ہوا تھا، اور وہ واحد وقت

جب کبھی بھی سلاخیں چھوڑ نے دی گئی تھیں وہ تھا جب ٹیلنٹ والا کوئی شخص اتنا ہی فیشن کا ٹکڑا بن گیا جیسے کہ تنگ پتلونیں یا ''بیو برومل'' ٹائی۔

اور وہ پین تھا۔ بُر کے نے اُسے اپنا لیا۔ برکے جس نے ایک بار امریکہ کے ساتھ مفاہمت پر ایک عظیم تقریر کی تھی، وہ ایک لبرل کو سہارا دینے کی شہرت رکھتا تھا۔ دراصل، برکے کے ساتھ لبرلزم اس کی جوانی والے ماضی کی ایک یاد تھی؛ اُس نے پین کے اندر ایک سوچنے والے شخص میں ایک تبدیلی کی شروعات دیکھیں، ایک ایسی تبدیلی جس سے وہ خود پہلے ہی گزر چکا تھا۔ یہ شریانوں کے سخت ہونے کی طرح بدشگون اور یقینی تھا، اور لہٰذا اس نے نتیجہ نکالا کہ پین ایک محفوظ تبدیلی تھا۔ وہ اُسے اپنے دیہی جگہ لے گیا، اسے عشائیے دیئے، اُسے مختلف آئرن ورکس لے گیا کہ شاید کوئی اس کے پل کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہو۔ اس نے پورٹ لینڈ کے ڈیوک پٹ فوکس جیسے عظیم اشخاص سے اُسے متعارف کیا، پورٹ کے دریاؤں سے، ایک چھوٹے سے کمرے میں روشن 500 موم بتیوں سے، عظیم اور خوبصورت بیگمات سے۔ پین کو بروکس کے ''استثنائی وِگ کلب'' سے متعارف کرایا گیا، وہی بروکس جس کے باہر وہ کئی سال پہلے کھڑا ہوا تھا، اس کا دل تلخی سے بھرا ہوا تھا۔ مگر، اس کا دل اب تلخی سے بھرا ہوا نہ تھا جب فاکس نے اُسے میزوں پر بیٹھنے کا التماس کیا تھا۔

اور جو کچھ گزرے اُسے ایک نظر دیکھنے۔

بروکس پہ میز کے آر پار دولت پھسلتی رہی۔ تاش کی ایک بازی پر دس ہزار پاؤنڈ، ایک ہینڈ کے ڈیل پر ایک پوری جاگیر۔ لندن میں کہیں پر غریب تباہ حال ابھی تک ہزاروں کی تعداد میں فاقہ کشی میں تھے، جن نامی گرم شراب سے اپنی آنتیں نکالتے تھے، بارہ بارہ ایک کمرے میں رہتے ہوئے، دن کے تین پنس پر کام کرتے تھے؛ مگر بروکس میں دس، اور بیس اور تیس ہزار پاؤنڈ تاش کی ایک بازی پر لگے تھے۔

اس نے کسی رقص پر ایک چیز کے پھسلنے کو یاد کیا..... کیا یہ لیڈی میری لیڈز یا لیڈی جین کارسن تھی؟..... جس نے اس سے کہا تھا:

''مسٹر پین، کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نو آبادیوں والوں کو امریکی جنگ میں کامیابی کا

سہرا میں کس چیز پر دیتی ہوں؟''۔

''بلاشک میں نہیں جانتا میڈم''۔

''تمہارے خوبصورت، خوبصورت، خوبصورت، خوبصورت بلیو اینڈ وہائٹ یونیفارموں کو۔ میں سرخ سے نفرت کرتی ہوں..... اور میں نے یہ بات جنرل آرنلڈ کو اُس اعلیٰ حضرت کے منہ پر کہہ دیا میں سرخ سے نفرت کرتی ہوں!''۔

پھر جنٹلمین ٹام پین کی زندگی پر ایک تکلیف دِہ عنصر گھس گیا۔ پیرس میں جیفرسن کی طرف سے خاموش جذبات سے عاری خطوط آنے لگے، پین کو بتاتے ہوئے کہ کس طرح انقلاب فرانس پہنچ چکا تھا۔ وہ ایک ناسور بن کر اس کی روح کو کھانے لگے، اسے تلخ بناتے ہوئے جب بالآخر اس نے اس کے سامنے ہار مان لی اور ایک بار پھر فرانس چلا گیا..... دیکھنے کے لیے، صرف دیکھنے کے لیے، صرف تجسس۔

ایک فائر فائیٹر کو ایک دھوئیں کی طرح، اُس صبح پیرس میں، جب وہ، یعنی ٹام پین، جو کہ فیشن ایبل لندن سے انقلابی فرانس آیا تھا، محض تجسس میں، جو کہ عالمی سفر کرنے والے اور فلاسفر کے لیے موزوں تھا، مزدوروں کے کوارٹروں میں سے نرم رفتاری سے چلتا گیا، خود پہ سیاہ نظریں پھینکتے اس لیے کہ وہ اس طرح نمایاں انگریز تھا، اس نے دکانوں میں تو پک دیکھے، سٹور کیپر کی گرفت پہ باستلی، آسانی سے برتا جانے والا باستلی، دیکھا جسے ابھی حال ہی میں ہجوم نے قبضہ کیا تھا۔

یہ پرانے دنوں میں فلیڈیلفیا کی طرح تھا۔ سٹیزن اپنے ذمہ داروں کو ہیبت ناک انداز میں آگاہ، سٹیزن اچانک ادراک کہ وہ انسان ہیں اور پیروں کے نیچے دھول نہیں۔ پین کو دھواں اور آگ، اور وہ اس میں سانس لیتا رہا۔

اور پھر انہوں نے اس کا استقبال کیا۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ وہ کون ہے، اس کا پرانا کامریڈ لافایٹ، جو کہ نیشنل گارڈ کا کمانڈر تھا، نے کہا ''ملیشیا، تھامس، مگر تم اور میں جانتے ہیں کہ وہ کیا کر سکتے ہیں''۔ کونڈورسیٹ ابھی تک ایک اہم شخص تھا۔

کونڈورسیٹ نے اس سے خراب انگریزی میں کہا: ''میں تمہیں بتاتا ہوں سٹیزن پین، کہ لکھا ہوا لفظ نہیں مرتا۔ میں گذشتہ شب '' کامن سینس'' کے ساتھ رہا، اور میں نے دوست پین کی شدید خواہش کی، میں نے شدید خواہش کی۔ ہم ایک اچھی قوم ہیں، ہم فرانسیسی، ہم ایک مضبوط قوم ہیں اور شکایت نہ کرنے والے۔ تہذیب کو ہم پہ شرمندگی نہیں ہوگی''۔

''تہذیب کو تم لوگوں پر فخر ہے''۔ پین نے سرگوشی میں کہا۔

لافایٹ نے پین کو باستلی کی عظیم، زنگ آلود چابی دی، اور ایک زمانے کا بریزیئر ساز اسے اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہا اور اپنے آنسو روکنے کے لیے لڑتا رہا۔ ایسا ہوا تھا، سنجیدہ غور وفکر کے انداز میں اور غیر محسوس طریقے سے۔

''روؤ، روؤ میرے دوست'' لافایٹ نے اضطراریت سے کہا''۔ ''ہم دوسرے وقتوں میں روئے؛ ہم نے دنیاؤں کو ہلایا اور سوئے ہوئے زمانوں کو جگایا۔ ہمیں کس بات کی شرمندگی ہوگی؟''۔

''کیا؟''۔ پین حیران ہوا۔

'' چابی امریکہ جائے گی'' لافایٹ مسکرایا۔ ''اُسے ہمارے جنرل کو دے دو''۔ اس کا مطلب ابھی تک واشنگٹن تھا کوئی اور نہیں جب وہ اپنے جنرل کی بات کرتے تھے۔

پین چابی کو اپنے ہاتھوں میں گھماتا رہا گھماتا رہا۔

اُس نے اپنے آپ کو بتایا ''میں بوڑھا اور تھکا ہوا ہوں، اور میں نے اس سب کچھ کے ساتھ کیا کرنا ہے؟''۔

وہ اپنی پرانی بے خوابی کے ساتھ لیٹا جاگتا رہا، اس کا دماغ 50 سالوں کی بہت کم مسرور یادوں کے ساتھ کھیلتا رہا، اپنے آپ سے لڑتا رہا، برانڈی کی ایک بوتل سے آرام تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا، ایک پنسلوانیا فارم کا خواب دیکھنے کو اک لمحہ آنکھ لگ گئی جہاں محبت اس قدر مختصر آئی تھی، پھر خود سے پوچھنے لگا۔ ''میں نے اس سب کچھ کے ساتھ کیا کرنا ہے؟''۔

اور پھر، بستر سے باہر نکلتے ہوئے اس نے چابی کو محسوس کیا؛ کس طرح انہوں نے باستلی پر دھاوا بولا تھا؟۔ چھوٹے لوگوں نے ایسی چیزیں کیں؛ وہ جانتا تھا۔ اُسے یاد آیا کہ کس طرح فلیڈیلفیا

کے لوگوں نے بے چین ہاتھوں میں بڑی توپکیں مضبوطی سے تھامے دلاویئر تک مارچ کیا تھا اس لیے کہ اُس نے، پین نے، اُن زمانوں کے لیے کچھ لکھا تھا جو انسانوں کی ارواح کی آزمائش کرتے ہیں۔

وہ اندھیرے میں بیٹھا رہا اور اس چابی کو اپنے ہاتھوں میں گھماتا رہا گھماتا رہا جس نے باستلی کو کھول دیا تھا۔ لافایٹ نے اسے واشنگٹن کو دینے کو دیا تھا؛ واشنگٹن بادلوں میں کھڑا تھا، اور لافایٹ فرانس کا ایک لیڈر تھا، اور وہ، یعنی پین، درمیان میں، کچھ نہ تھا۔ مگر درمیان میں تو انقلاب کی متحرک لہر تھی، ایک قوت خود اس میں مجتمع ہونی تھی، ایک پر جوش تبلیغ جس نے نہ شان حاصل کی تھی نہ امتیاز، مگر لکھے ہوئے لفظ کی قوت نے دنیاؤں کو ہلا دیا تھا۔

خود سے پوچھتے ہوئے ''کون ہو تم پین؟۔ اور کیا ہو؟''۔

ابھی تک وہاں لندن کی فیشن ایبل دنیا ایک خواب کی طرح چلتی جاتی تھی۔ برکے اور پٹ اور فوکس عظیم دماغ تھے، ذہین آدمی۔ کیوں پین کو سابقہ دنوں کی غربت اور گندگی، اور خلیق دنیا جو اس نے چکھی تھی، کے درمیان ایک فیصلہ کرنا پڑ رہا تھا؟۔ کیا ایک شخص واپس جاتا ہے اور گندگی کو پہنچ جاتا ہے؟۔ اگر وہ فرانس میں انقلاب کو اس نرم رفتار اور منظّم طور پر کُھلتے دیکھ سکتا تھا، ایک نئی دنیا کی روشن صبح کو، انسان کے ایک بھائی چارے کو، تو پھر کیا انگلینڈ کے عظیم دماغ بھی یہ نہیں دیکھ سکتے؟۔ تمدن تو استدلالی ہوتا ہے۔ اور فرانس، انگلینڈ اور امریکہ مل کر ایک نئے نظام کی نہ ہلا دیئے جا سکنے والی بنیاد بنا سکتے تھے۔ انگلینڈ میں وہ اُس کی تعریف کرتے تھے، اور وہ سنتے تھے۔ وہ دیکھ سکتے تھے کہ انقلاب کو آنا ہے اور وہ خون بہنے دیئے جانے کے بغیر تسلیم ہو جاتے۔

چنانچہ دلیل دیتا تھا پین۔ ایک شخص جو پچاس سال سے گزر چکا تھا جس نے بہت مختصر طور پر خاموشی اور آرام چکھ لیا تھا، انگلینڈ کے لوگوں کو لکھتے ہوئے، برکے اور پٹ کو شاندار اور چمکتے خطوط کہ فرانس میں کیا کچھ ہوا.....

''یہ ہم سب کے لیے ایک نئی امید لاتا ہے.....''۔

''نتیجہ اس کی بھرپوریت میں، انسانی روح کی اس کی سرفرازی میں' آپ حصے دار ہوں گے اور حقیر ترین چمنی صاف کرنے والے بھی.....''۔

''نڈر دل والے ہنو.....''۔

پھر اس نے سنا کہ برکے ہاؤس آف کامنز میں کھڑا ہوگیا اور فرانس میں انقلاب کے خلاف اتنی سنگین اور بے دردانہ دھماکہ دار تقریر کی کہ یہ غصے سے زیادہ پاگل پن تھی۔

''اور تم اُسے جواب دو گے؟''۔کونڈورسیٹ نے پین کو کہا۔

پین نے اثبات میں سر ہلایا۔

سو یہ تھا پین، ہاتھ میں پکڑے قلم کو غور سے دیکھ رہا ہے، ایک کے بعد دوسرے سرے کو تیز کرتا ہوا، ایک نرکل کو توڑتا ہوا، پختہ اور امیر اینگلو سیکسن حلفوں کو جو اس نے لندن کی جرائم کی دنیا میں سیکھ رکھے تھے بددعائیں کرتے ہوئے؛ الفاظ کے ساتھ دلیل بازی کرتے ہوئے۔ایک پھر شیو نہ کیا ہوا، ساتھ ہی برانڈی کی بوتل رکھی ہوئی۔پین ایک بار پھر ننگے پیروں والے لوگوں میں پہچانے جانے کے قابل ہوگا جنہوں نے اس کے ساتھ جرسی کے علاقے میں مارچ کر رکھا تھا۔اُس نے لندن سے باہر آئرلنگٹن کی ایک سرائے میں اینجل میں ایک کمرہ لیا ہوا تھا۔اس کے پاس ہی ایک کتاب رکھی ہوئی تھی جس کا نام تھا''فرانس میں انقلاب پر غور وفکر'' جو کہ ایڈمنڈ برکے کی لکھی ہوئی تھی۔ یہ ایسی کتاب تھی جو صرف انقلابِ فرانس پر حملہ نہیں کرتی تھی بلکہ سارے انقلاب پر، ساری ترقی پر، ساری امید پر، انسان کی اپنی اس قابلیت کے سارے بے چارے زخمی عقیدے پر کہ وہ اس بلندی پر چڑھ سکتا ہے جہاں دیوتا بیٹھے ہیں۔

برکے نے کہا تھا کہ انسان کے، بحیثیتِ انسان کوئی حقوق نہیں ہیں۔پین نے خود کو انسان کے حقوق کے بارے میں لکھنے کو تیار کیا، یہ بتانے کہ اس نے انقلابِ فرانس میں کیا دیکھا تھا اور اس کی تشریح کرنے کو..... جواز کی انقلابِ فرانس کو ضرورت نہ تھی۔ وہ غصے سے لکھ رہا تھا، گرمجوشی سے، ناراضگی سے، جس طرح کہ وہ جنگ سے پہلے لکھا کرتا تھا، بندوقیں چلنے سے پہلے لکھا کرتا تھا۔

اور وہ پھر نوجوان ہوگیا تھا۔

''وہ آزاد ہوگیا''۔انہوں نے نیچے شراب پینے والے کمرے میں کہا۔

''آزاد اور سیاہ''۔

''وہ کون ہے؟''۔

''نوآبادیوں کا بدمعاش''۔

''اس کی پریشانی کیا ہے؟''۔

''ساری بدبخت دنیا اس کی پریشانی ہے''۔

مگر جب وہ نیچے آیا، بار پہ دیکھنے، اس پہ جھکنے، اپنے بڑے کشادہ ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے، رم کا آرڈر دیا، اور رم، اور رم، انہوں نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

تھامس کلیوس کان کنوں کا ایک وفد لے کر اُس سے ملنے آیا، پستہ قد، عقلمند لوگ، اُن کے بالوں' ان کی آنکھوں، اور ان کی جلد میں میل۔ایک وسیع ویلز والے لہجے میں بولتے ہوئے کلیوس کہہ رہا تھا۔

''آپ پین ہیں؟''۔

''ہاں، میں پین ہوں''۔

''کہتے ہیں کہ آپ اس بدبخت گیدڑ برکے کا جواب تیار کر رہے ہیں؟''۔

''ہاں''۔

''ہم کان کن ہیں'' کلیوس نے کہا'' ہم ایک راستے کی تلاش میں ہیں، ایک لیڈر، اور ایک ذریعے کی تلاش میں۔ چیزیں خراب ہیں، اور یہ مجھے آپ کو بتانا نہیں پڑے گا کہ وہ کس قدر خراب ہیں۔آپ کیا لکھ رہے ہو؟''۔

''انقلاب کے لیے ایک مختصر ہینڈ بک''۔پین مسکرایا۔

''اور اُس میں ایسی کیا چیز ہے جو کسی شخص کو سوچنے پہ لگا دے؟''۔

پین نے پڑھنا شروع کیا:

''غیر ملکی فوجوں نے شہر کی طرف پیش قدمی شروع کی .....'' پیرس، اس نے وضاحت کی،''پرنس ڈی لامبسک، جو جرمن کیولری کے ایک دستے کی کمان کر رہا تھا، لوئی پانزدہ

کے محل کے قریب پہنچا۔ اپنے مارچ میں اُس نے اپنی تلوار سے ایک بوڑھے آدمی کو پیٹا اور توہین کی ۔فرانسیسی لوگ بوڑھی عمر کے لوگوں کی عزت کرنے میں بہت امتیازی ہوتے ہیں.....''۔

کان کنوں نے جو کہ اُسے غور سے دیکھ رہے تھے، معمولی سر ہلائے۔

''.....اور جو کچھ ہوا اس پر شوخی، اور عمومی جوش سے متحد ہوتے ہوئے، ان پر ایک زوردار اثر ڈالا، اور پورے شہر میں ایک لمحے کے اندر اندر ایک نعرہ پھیل گیا: ''ہتھیار اٹھالو، ہتھیار اٹھالو''۔

''اُن کے پاس ہتھیار تھے نہیں، نہ ہی بہت سے ایسے لوگ جنہیں ہتھیار استعمال کرنا آتا ہو؛ مگر بے خوف ارادہ، جب بھی امید داؤ پر ہو۔ ایک لمحے کے لیے ہتھیاروں کی طلب رسد کی طلب۔ جہاں پرنس ڈی لامبسک کا خاکہ بنا ہوا تھا وہاں نئے پل کی تعمیر کے لیے پتھروں کے بڑے بڑے ڈھیر تھے، اور اُن سے لوگوں نے کیولری پر حملہ کر دیا۔ فائرنگ کی آواز سن کر فرانسیسی گارڈوں کی ایک پارٹی اپنے کوارٹروں سے تیزی سے آئی اور عوام سے مل گئی اور رات پڑتے ہی کیولری پسپا ہوگئی۔

''پیرس کی گلیاں تنگ ہیں، دفاع کے لیے موزوں، اور گھروں کی بلندی نے' جن کی کئی منزلیں ہوتی ہیں، جہاں سے عظیم غصہ دلایا جاسکتا ہے، انہیں شب معرکوں کے خلاف بچاتی تھیں۔ اس رات انہوں نے خود کو ہر طرح کا اسلحہ جمع کرنے پر لگا دیا۔ جو کچھ بھی حاصل ہوسکتا تھا، بندوقیں، تلواریں، لوہار کے ہتھوڑے، ترکھان کی کلہاڑیاں، لوہے کے میخیں، دوشاخے، سلاخیں، ڈنڈے وغیرہ وغیرہ۔ جس نا قابلِ بیان تعداد میں وہ اگلی صبح جمع ہوئے، اور اس سے بھی نا قابلِ بیاں وہ جس عزم کا اظہار کر رہے تھے، اُس نے ان کے دشمنوں کو حیران کر دیا۔ نئی وزارت کو ایک ایسی سلیوٹ کی توقع بہت کم تھی۔ خود غلامی کے عادی، انہیں کوئی اندازہ نہ تھا کہ آزادی ایسے روحانی فیضان کے قابل تھی، یا یہ کہ نہتے شہریوں کا ایک گروہ تیس ہزار آدمیوں کی مسلح قوت کا سامنا کرنے کی جرات کر سکے گا۔ اُس دن کا ہر لمحہ اسلحہ جمع کرنے پر لگا دیا گیا، منصوبے بنانے میں اور خود کو ایسے بہترین نظم میں منظم کرنے میں جس کی کہ اس طرح کی فوری تحریک متحمل ہوسکتی تھی۔ بروگلیو نے شہر

کے گرد لیٹے رہنا جاری رکھا، مگر اِس روز کوئی مزید پیش قدمی نہ کی، اور اگلی رات ایسے سکون سے گزر گئی جس کی کہ اس طرح کا منظر ممکنہ طور پر اجازت دیتا ہے۔

''مگر شہریوں کا مقصد دفاع نہ تھا۔ ایک کا زداؤ پر تھا جس پر اُن کی آزادی یا اُن کی غلامی کا انحصار تھا۔ وہ ہر لمحہ ایک حملے کی توقع کر رہے تھے، یا نیشنل اسمبلی پر ایک حملہ کرنے کی خبر سننے کی توقع کر رہے تھے۔ اور اس طرح کی صورتحال میں فوری ترین اقدامات کبھی کبھی بہترین ثابت ہوتے ہیں۔ جو چیز اب خود کو ظاہر کر رہی تھی وہ باسٹلی تھا۔ اور ایک ایسی فوج کے سامنے اس طرح کے ایک قلعے کو حاصل کرنے کا دھوم دھام نئی کابینہ کے اندر (جسے اجلاس کرنے کا موقع ابھی تک نہ ملا تھا) ایک دہشت پیدا کرنے میں ناکام نہیں ہوتا۔ درمیان میں قبضہ کی گئی مراسلت سے یہ انکشاف ہوا کہ پیرس کا میئر ڈفل سیلز، جو کہ سٹیزنوں کے حق میں لگتا تھا، اُن سے بے وفائی کر رہا ہے ۔اس انکشاف سے کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ بروگلیو شام کو باسٹلی کو مزید کمک پہنچائے گا۔ اس لیے اُس پر اسی روز حملہ کرنا ضروری تھا: مگر اس سے قبل کہ ایسا کیا جاتا یہ ضروری تھا کہ میسر ہتھیاروں کی بہ نسبت ہتھیاروں کی ایک بہتر سپلائی حاصل ہو۔

''وہاں، شہر سے ملحقہ ہسپتال میں اسلحہ کا ایک وسیع ذخیرہ پڑا تھا، جس کے انچارج کو سٹیزنوں نے ہتھیار ڈالنے کا حکم دیا۔ اور چونکہ وہ جگہ ناقابلِ دفاع تھی، نہ ہی دفاع کی کوئی خاص کوشش کی گئی لہٰذا وہ جلد ہی کامیاب ہوگئے۔ اب مسلح ہو کر وہ باسٹلی پر حملہ کرنے روانہ ہوگئے؛ تمام عمروں اور تمام درجوں کی ایک وسیع مخلوط مخلوق، ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس۔ اس طرح کے کسی جلوس کے ظاہر ہونے کے بیان کو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی واقعات کے لیے اُس ہیجان کو' جسے چند گھنٹے یا چند منٹ پیدا کرتے۔ وزارت کیا منصوبے بنا رہی تھی شہر کے اندر لوگوں کو اس قدر نامعلوم تھا جتنا کہ جو کچھ سٹیزن کر رہے تھے ان کے بارے میں وزارت بے خبر تھی۔ اور یہ بات بھی سٹیزنوں کو معلوم نہ تھی کہ بروگلیو اس جگہ کی کمک کے لیے کیا کرے گا۔ سب کچھ پراسرار تھا.....''۔

پین نے اوپر، ویلز کا نکنوں کے بڑے اور سیاہ چہروں کی طرف دیکھا۔ اُسے اُن کی

آنکھوں میں ایک روشنی نظر آئی، تقریباً ایک جنگ نما چمک جسے وہ کافی عرصے سے جانتا تھا۔ اس نے جاری رکھی.....

''باسٹلی پر بہادری اور جوش کے ساتھ حملہ کیا گیا، اس طرح کا حملہ جسے صرف آزادی کی بلند ترین جان آفرینی تحریک دے سکتی ہے، اور جو کہ چند گھنٹوں تک جاری رہا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے دنیا جس کی مکمل طور پر گرفت میں رہی۔ میں حملہ کی تفصیل بیان نہیں کر رہا ہوں، لیکن قوم کے خلاف سازش کا منظر لا رہا ہوں جس نے اسے اشتعال دلایا، اور جو باسٹلی کے ساتھ گر گئی۔ وہ قید خانہ جس میں نئی وزارت نیشنل اسمبلی کو برباد کر رہی تھی، اُس کے اور استبداد کے قلعہ ہونے کے علاوہ، یہ وہ اصل جگہ بنی جس سے شروع کیا گیا۔ اس معرکے نے نئی وزارت کو توڑ دیا، جو کہ اب اس کھنڈر سے بھاگنا شروع ہوئی جو انہوں نے دوسروں کے لیے تیار کیا تھا۔ بروگلیو کی فوجیں منتشر ہوگئیں، اور وہ خود بھی بھاگ گیا.....''

پین نے پڑھنا بند کر دیا، اور کانکن خاموشی سے کھڑے تھے، اس سے بہت متاثر ..... ان کی آنکھوں میں آگ تھی..... جب انہوں نے اپنے دماغوں میں اُن باتوں کو دوبارہ الٹ پلٹ لیا جو اس نے ابھی ابھی پڑھی تھیں، وہ کہانیاں جو محض چند ماہ پہلے اخبارات میں تھیں ابھی تک حالات حاضرہ تھیں، مگر پین کا بیان برطانوی رپورٹروں کی نفرت انگیزیوں، نقل اتارنے اور مغرور متکبرانہ انداز سے کس قدر مختلف! ۔ پین نے دیکھا، اور اس نے سوچا کہ جب ہجوم، ایک ہجوم سے بڑھ کر کوئی چیز بن جاتا ہے تو وہ پیرس کی گلیوں میں شورش دیکھ سکیں گے، جس طرح کہ وہ مر گئے اور منظّم ہوئے اور اپنی توانائی ڈھونڈ نکالی۔

کلیوس نے آہستگی سے کہا: ''تو یہ ہوگی آپ کی تحریر مسٹر پین''۔

''یہ اور مزید۔ کیا یہ کسی شخص کو سوچنے پر لگا دیتا ہے؟''۔

''وہ اُسے اِس پر سوچنے پر لگا دیتا ہے اور اُس پر سوچنے پر لگا دیتا ہے'' کلیوس مسکرایا''۔ مگر ایک انسان کو کرنا کیا ہے؟''۔

''فی الحال انتظار۔ کیا تمہارے پاس ہتھیار ہیں؟''۔

''ہم مزدور لوگ ہیں، سپاہی نہیں۔ اور نہ ہی شکاری اشرافیہ۔ تو مسٹر پین ہم تُو پکیں کہاں چھپائیں گے؟''۔

''کیا تم میں سے کوئی لوہے کا کام نہیں کرتا؟''

''ہاں، ہمارے پاس ایک آدھ لوہار ہیں''۔

''کیا وہ اپنا ہاتھ گھوڑے کا نعل بنانے کے بجائے ایک توپ کی نالی پر موڑ سکے گا؟''۔

''وہ یہ کر سکے گا، مگر مسٹر پین۔ ہم پرامن، اور خاندان رکھنے والے لوگ ہیں۔ ہم ایک شکایت پالتے ہیں، اور یہ چھوٹا ہو سکتا ہے بڑا ہو سکتا ہے، انہی کے مطابق ہم فیصلے کرتے ہیں۔ جو کچھ فرانسیسیوں نے کیا وہ اُن کا اپنا معاملہ ہے اور میں اپنے ایک کزن کے بارے میں فیصلہ نہیں کروں گا جس نے آپ کے جنرل واشنگٹن کے ساتھ ہتھیار اٹھا لیے۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لیے یہ غلط ہے جو گائے کو فاقوں کے لیے بڑا کرے جبکہ جاگیردار جو اُسے کھاتا ہے موٹا ہے اور ایک لالٹین کے بٹ کی طرح سرخ۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ اچھی چیز نہیں ہے کہ تم اپنی بیوی کو ذرا سے گرم شوربے کی خواہش میں زچگی میں مرتا دیکھو، اپنے بچوں کے پیٹوں کو غبارے کی طرح پھولتے دیکھو، اور دوسرے کہتے ہیں کہ یہ ایسی چیز ہے جو ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ میرے خیال میں، ایک زمانے میں اِن جزیروں پر کچھ آزاد لوگ تھے اور دوبارہ ایسا ہو سکتا ہے''۔

''ہو سکتا ہے''۔ پین نے کہا۔

''پھر میں انتظار کروں گا، اور کون جانے کہ لوہار اپنا ہاتھ اِس اور اُس پہ نہ موڑیں''۔

چنانچہ وہ دوبارہ اس میں تھا، گردن گردن، اور دوبارہ جب وہ گلیوں میں پھرتا تھا..... اِس بار لندن کی گلیوں میں.....تو یہ اس علم کے ساتھ تھا کہ اگر ٹام پین مر جاتا تو بہت سے لوگ بہتر طور پر سو سکیں گے۔ کتاب مکمل ہوگئی اور چھپ گئی تھی، انتساب جارج واشنگٹن کے نام کیا گیا تھا، اس کا عنوان تھا'' انسان کے حقوق''۔ اصل میں یہ اشاعت بہت زیادہ مشکلات کے بغیر ہوگئی، اُن مشکلات سے کم جو'' کامن سنس'' میں پیش آئی تھیں، یہ سوچتے ہوئے کہ یہ لندن تھا فلیڈیلفیا نہیں۔

ایک مسٹر جانسن آف سینٹ پال، چرچ یارڈ کے تحت پہلی اشاعت، اچانک پین پر برہمی سے غرایا تھا، جانسن چیخ پڑا:

''میرے خدا، سر، یہ غداری ہے، سادہ اور خالص غداری!''۔

''اور آپ کو ابھی یہ معلوم ہوا ہے''۔ پین مسکرایا ''یہ کتاب تیار ہے اور پریس جا چکی ہے ،سب کچھ تیار، اور آپ نے اچانک دریافت کیا کہ یہ غداری ہے۔ کیا یہ آپ کی اشاعتی پالیسی ہے ،کسی مسودے کو نہ پڑھنا، نہ سمجھنا اُس وقت تک جب یہ تیار ہو اور چھپ چکی ہو..... یا آپ مسٹر برکے اور مسٹر والپول سے میری بدخطی سے متعلق ایک ذرا سی خط و کتابت سے محظوظ ہوتے رہے؟۔ میرا خیال ہے کہ تم ایک گندے چھوٹے آدمی ہو!''۔

''میں اپنی دکان میں بے عزت نہیں ہوں گا، سر''۔

''تمہاری بے عزتی نہیں کی جا سکتی''۔ پین نے کہا۔

پرنٹر رومنی نے سفارش کی کہ پین فلیٹ سٹریٹ جا کر جورڈان سے ملے، اور پین نے ایسا کیا، جورڈان کو اس پیشگی بات کے ساتھ کہ:

''یہ ممکنہ طور پر غداری ہے سر، اس لیے یہ نہ کرو کہ پہلے چھاپو اور بعد میں دریافت کرو''۔

''اچھا، تم ہو پین''۔ جورڈان ہنسا ''تمہاری نہ تو سینگیں ہیں اور نہ ہی بڑی بڑی مونچھیں ۔ مجھے تم سے مل کر خوشی ہوئی''۔ سیاہی سے ڈراؤنی صورت، لاغر اور تیز چہرے والا، اس نے پین کو سوچنے پر مجبور کیا۔ ''اپنے پیشے سے محبت میں اور درست لفظ کے لیے مرنے کے لیے تیار۔ اگر وہ اس پہ یقین رکھتا ہے تو وہ شیطان کے منشور کو چھاپے گا''۔

''ذرا غداری کو دیکھ تو لوں''۔ جورڈان نے کہا۔

انہوں نے سر جوڑے، اور ایک پوری سہ پہر وہ پڑھتے رہے۔ پین زور سے پڑھ رہا تھا اور جب وہ پڑھتے ہوئے مندرجہ ذیل تک پہنچے تو جورڈان نے اپنا نچلا ہونٹ چوسا اور بہت ہی دانشمند ہو کر پڑھنے لگا:

''القابات تو بس عرفی نام ہوتے ہیں، اور ہر عرفی نام ایک اعزاز ہوتا ہے ۔ یہ چیز

بذاتِ خود مکمل طور پر غیر ضرر رساں ہوتی ہے، مگر یہ انسانی کیریکٹر میں ایک طرح کی حماقت کو ظاہر کرتا ہے جو اسے کم رتبہ کرتا ہے۔ یہ انسان کو چھوٹا بناتا ہے، ایسی چیزوں میں جو عظیم ہیں، اور عورتوں کی نقل، ایسی چیزوں میں جو چھوٹی ہیں.....

''غداری؟''۔ جورڈان تلخی سے بولا۔

''اس بات پر منحصر ہے کہ آپ اسے کیسے دیکھتے ہیں''۔ پین نے پچھلے آٹھ سالوں میں کسی وقت سے زیادہ خود میں زیادہ زندگی محسوس کی۔ اُس نے یہ نہ سوچا کہ وہ سوچ میں بھی اور عمل میں بھی ایک پیشہ ور انقلابی ہو چکا تھا، اور اپنے پیشے میں مشغول رہنے سے زیادہ اس کے لیے کوئی حقیقی مسرت نہ تھی۔ وہ صرف یہ جانتا تھا کہ وہ لندن کے چوہے دانی میں تھا، اور یہ کہ وہ جلد ہی ایک شکار شدہ شخص ہوگا، اور یہ کہ وہ اس امکان کو بالکل بھی محسوس نہیں کرتا''۔

''مجھے یہ اچھا لگا''۔ جورڈان چھوٹی ہنستی ہنستے ہوئے بولا، اور پڑھنے لگا:

''رواداری عدم رواداری کی **متضاد** نہیں ہے، بلکہ اس کی نقل ہے۔ دونوں جبر ہیں۔ ایک ''ضمیر کی آزادی'' سے باز رکھنے کے حق کو خود تک فرض کرتی ہے، اور دوسری اُسے عطا کرنے کے حق کو۔ ایک آگ اور اینڈھن سے مسلح پوپ ہے اور دوسری معافیاں بیچنے یا عطا کرنے والا پوپ ہے۔ اول الذکر چرچ اور ریاست ہے اور دوسری چرچ اور ٹریفک ہے۔

''مگر برداشت و رواداری کو ایک قوی تر روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ انسان خود کی پرستش نہیں کرتا بلکہ اپنے بنانے والے کی؛ اور جس ضمیر کی آزادی کا وہ دعویٰ کرتا ہے وہ اس کی ذات کی عبادت کے لیے نہیں ہوتی بلکہ اپنے خدا کی۔ لہٰذا اس صورت میں، ہمارے پاس دو وجودوں کا مشترکہ تصور ہونا چاہیے: ''فانی'' جو عبادت کرتا ہے، اور ''غیر فانی ہستی'' جس کی عبادت کی جا رہی ہے۔ لہٰذا رواداری خود کو انسان اور انسان کے درمیان نہیں رکھتی نہ ہی چرچ اور چرچ کے درمیان، نہ ہی ایک یا دوسرے مذہب کی بالادستی کے درمیان، بلکہ خدا اور انسان کے درمیان، وہ وجود جو عبادت کرتا ہے اور وہ ''ہستی'' جس کی عبادت کی جا رہی ہے کے درمیان۔ اور اُس قبول کردہ اتھارٹی کے

اقدام کے ذریعے جس سے وہ آدمی کو اپنی عبادت پیش کرنے کو برداشت کرتی ہے۔ وہ شوخی و بے باکی سے اور کافرانہ طور پر اس عبادت کو وصول کرنے پر آتما کو برداشت کرنے تک خود کو ٹھیک رکھتی ہے۔

''اگر کسی پارلیمنٹ میں اس عنوان سے ایک بل پیش کیا جائے'' پرآتما کو ایک یہودی یا ایک ترک کی عبادت وصول کرنے'' کو برداشت کرنے یا آزادی عطا کرنے'' کا، بل، یا'' پرآتما کو اس عبادت کو وصول کرنے سے منع کرنے کا بل''۔'' تو سارے انسان چونک جائیں گے اور کفر کہیں گے۔ ایک شوروغوغا برپا ہوگا۔ پھر مذہبی معاملات میں برداشت و رواداری کا گمان خود کو بے نقاب انداز میں پیش کرے گا۔ مگر یہ گمان کم نہیں ہے اس لیے کہ'' انسان'' کا نام اُن قوانین پر نمودار ہوگا، اس لیے کہ'' معبود'' اور'' عابد'' کے مشترک تصور کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ تو پھر کون ہو تم، بے حقیقت گرد اور راکھ! تم جس بھی نام سے پکارے جاؤ، خواہ بادشاہ، بشپ، چرچ یا ریاست، پارلیمنٹ، یا کوئی اور چیز جو انسان کی روح اور اس کے بنانے والے کے درمیان اپنی ناچیزیت کو خواہ مخواہ مخل (کرتی ہے)؟''۔

''غداری، بہت حد تک''۔ جورڈان بولا'' مسٹر پین، کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی کتاب چھاپ دوں؟''۔

''ہاں''۔

''پھر میں کہتا ہوں جہنم میں جائے غداری اور اُس پر خدا کی مار۔ مجھے تمہارا مواد پسند ہے''۔ انہوں نے اس پر مصافحہ کیا، اور پھر جورڈان نے غور کرتے ہوئے تجویز کی'' مسٹر پین اگر آپ کو برا نہ لگے تو میں مشورہ دوں گا کہ ایک ایڈیشن تین شلنگ پر فروخت کی جائے، جو کہ برکے کی کتاب کی قیمت ہے.....''۔

پین اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا'' اسے تین شلنگ پر کون خریدے گا؟''۔

'' میں نے یہ ایک معمولی احتیاط سے کہا، تاکہ اخباروں کے سامنے غراتے ہوئے

بھیڑیوں کو ٹھنڈا کیا جاسکے۔ تم جانتے ہو وہ کس طرح دلیل دیں گے..... وہ ایک اچھی صورت وڈیزائن دیکھیں گے اور کہیں گے، خوب، جن لوگوں تک یہ کتاب پہنچے گی وہ معنےٰ نہیں رکھتے، اور اس سے کم از کم ہمیں وقت مل جائے گا۔ پھر اگر آپ چاہتے ہوں تو میں چھ پنس کے لیے 50 ہزار رکھوں گا اور خود کو پھانسی چڑھتے دیکھوں گا.....''۔

'' کاش میں تم پر اعتبار کرتا''۔ پین نے کہا۔

'' جہنم میں جائے۔ میں ہمیشہ کے لیے زندہ رہنے کا ارادہ نہیں رکھتا!۔ ہوسکتا ہے کہ تم صرف وہ کچھ کہہ سکتے ہو جو تم نے یہاں لکھا ہے مگر دوسروں نے ایسی چیزوں کے بارے میں سوچا ہے، اور اگر تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تو تم یہاں سے باہر جاسکتے ہو!''۔

پین مسکرایا، دوبارہ اس سے مصافحہ کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا'' میرا نہیں خیال مسٹر جورڈان، کہ ہم میں سے کوئی بھی ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا''۔

کتاب شائع کردی گئی تھی اور پین دو دن تک نشے میں دھت رہا مکمل نشے میں۔ اس کا چھوٹا پن، حقیر پن، اور بدحالی خود کو بہت اچھی طرح دکھا رہی تھی جب وہ ایک شراب خانے میں ایک میز پر لیٹا ہوا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ پین واقعتاً کیا تھا، وہ اس سے نفرت کرتا تھا۔ مگر جو کچھ اس نے کیا اس پر عظیم طور پر فتح مند و شاداں۔ کامن سنس، بحرانی **مسودات**، اور اب **انسان کے حقوق**۔ یہ وہ خود تھا، یہ لافانی چنگاری تھی؛ جس نے سلطنتوں کو تہہ و بالا کردیا اور انسان کو امید دی اور اسے پرماتما کے آمنے سامنے لا کھڑا کیا۔ دھت اور گندے گانے دردناک آواز میں چلاتے ہوئے، اسے شاعر بلیک نے تلاش کیا، پینٹر رومنی نے۔ اول الذکر نے اس سے پوچھا۔

''پین، اوہ خدا، تم میں کیا گھس گیا ہے؟''۔

''افتخار، افتخار!''۔

''پین، اِس بدبودار سوراخ سے باہر نکلو!''۔

''افتخار! افتخار! افتخار!''۔

بلیک اسے گھر لے گیا، اُسے نہلایا، اُسے سمجھایا اور رازداری سے کہا'' پین میں اور تم ایک

جیسے ہیں..... وہ طریقہ اچھا نہیں ہے، میں تمہیں بتا رہا ہوں اچھا نہیں ہے''۔ وہ کچھ ماہ پہلے بلیک سے ملا تھا، اس کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اور اسے امریکہ میں انقلاب کی کہانیاں سناتے ہوئے ایک شام گزاری تھی۔ بلیک اُسے پسند کرتا تھا اور اس کے بعد وہ بہت وقت ساتھ رہے تھے۔ بلیک، رومنی، نقاش شارپ، ہل، بارلاؤ، فراسٹ اور آڈیبرٹ، بلیک کے احباب، رومنی کے دوست، اٹھارویں صدی کے لندن کی فیشن ایبل دنیا میں عجیب، ناپسندیدہ لبرل لوگ۔ اب بلیک اپنی نرم، گہری آواز میں اُسے شاعری سنا رہا تھا جبکہ پین نے گہری آہ بھری''۔ افتخار، افتخار، افتخار .....''۔

وہ اگلے روز جورڈان کے پاس آیا اور کہا'' مجھے سیاہی سونگھنے دو..... مجھے چھاپہ مشینوں کو ہاتھ لگانے دو''۔

نئی کتابیں پہلے ہی بنڈلوں میں باندھی گئی تھیں، ایک ڈھیر میں سو کتابیں۔ ساری دنیا میں، انگلینڈ میں، فرانس میں، امریکہ میں چھاپے خانے کی سیاہی کی خوشبو ایک جیسی تھی۔ جورڈان نے فروخت کے بارے میں بتایا کہ خود اس کی اپنی دکان کے چبوتروں میں پہلے سست بکری تھی مگر اب یہ رفتار پکڑ رہی تھی .....ویلز کو تین سو کاپیاں، تین شلنگ پر۔'' ویلز میں تین سو لوگ ایک کتاب پر تین شلنگ خرچ کریں گے؟''۔ جورڈان نے پوچھا۔

سکاٹ لینڈ میں سستے ایڈیشن کے ہزار ایڈیشن رینگ گئے؛ کارلیسل سے باہر ایک شیرف (افسر) نے دو سو لیے۔ اور ایسا اسے قابلِ غداری قرار دینے سے پہلے ہوا۔ مگر ایسی چیزوں کے لیے شیرف کے پاس ایک ناک تھی، اور'' انسان کے حقوق'' جیسے عنوان والی چیز کے بارے میں اور کیا کہا جا سکتا ہے؟۔ مگر ایک ہزار چلی گئیں اور پھر دو سو اور، پھر یہ ایڈنبرگ میں تھیچر مکڈوویل کے ہتھے چڑھ گئی، اس نے چوری میں سستے کاغذ پر 30 ہزار چھاپیں.....تو یہ کیا کوئی حیرت کی بات تھی کہ گلاسگو کا میئر چیخ اٹھا کہ ہر پہاڑ میں ہر سردار کا ہر نوکر، ہر جولاہا، کارخانہ میں ہر ہاتھ، اور ہر لوہار کا شاگرد ایک قابلِ غداری گند پڑھ رہا ہے جس کا نام 'انسان کے حقوق' ہے؟''۔

کارڈِف میں انہوں نے تین ہزار الفاظ اٹھائے اور بے کار کاغذ اور ردی پہ چھاپے۔ ایک ہزار کاپیاں ایک شخص کی کمر پر معدنی کانوں میں جانی تھیں۔

لندن نے تین شلنگ کے ایڈیشن کو کھانا شروع کیا۔ ہر بے کار آدمی کے پاس یہ تھی .....زہر خندیاں اور، مزاح اور چٹ پٹا پن جو پین نامی اس شخص سے منسوب کیے جا سکتے تھے۔ "مقناطیسی خون" وہ کہتے۔'' درندے کو سنو!''۔ والپول کے پاس یہ تھی، پِٹ کے پاس تھی، برکے اور فوکس کے پاس۔ اور انہوں نے مذاق نہ اُڑایا۔ سفید فاموں کے پاس، ڈیوون شائر کے ڈیوک (جس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ کسی اور جگہ کی بہ نسبت جوئے کی میزوں پر زیادہ گزار دیا تھا) اپنے ساتھ پین کی کتاب کی ایک کھلی کاپی رکھتا تھا، اپنی پائپ جلانے کو۔ اسے جب بھی ضرورت پڑتی وہ اُس سے ایک ورقہ پھاڑ ڈالتا۔ وزیر خارجہ لارڈ گرین وائل نے یہ کتاب پڑھ لی، اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھاڑ دیا اور مصنف کو پھانسی چڑھانے کا ایک نوٹ لکھا۔ مگر ٹوری حکومت نے اجتماعی طور پر اپنے غصے کے پہلے ہیجان پر قابو پانے کے بعد، ایک میٹنگ منعقد کی جس میں پِٹ کھڑا ہو گیا اور اپنے باپ کا سوچتے ہوئے جو کہ امریکہ کو ہاتھ سے جانے کی خواہش نہیں رکھتا تھا، یا پھر شاید صرف ٹوری حکومت کا سوچتے ہوئے مضبوطی سے بولا:

''حضرات، وقتی طور پر ہم کچھ بھی نہیں کریں گے۔ ایک کتاب، حتیٰ کہ ایک فحش و بدزبان چیتھڑا، جس کی قیمت تین شلنگ ہے اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک کہ ہم اسے اس قدر زیادہ شہرت دیں گے کہ تین شلنگ کو ایک قیمت بنا دیں جسے ضرور ادا کرنا ہو.....''۔

اُس سلسلے میں وہ غلط تھے۔ جورڈان نے پین کو بتایا۔'' جس طرح سے مہنگا ایڈیشن جا رہا ہے اس کا کوئی حساب نہیں۔ میں نے یہاں فیشن ایبل پڑھنے والی پبلک کے حجم کو جاننے کے لیے کافی زمانے سے کتابیں چھاپی ہیں.....حتیٰ کہ اُن سیاستدانوں کا بھی جو اسے ایک فرض کے بطور پڑھتے ہیں۔ یہاں ایک نئے سامعین و قاری ہیں۔ ایسے قاری جو پہلے کبھی بھی کتاب نہیں پڑھتے تھے، ایک ایسے قاری جو جیبوں کو ہاتھ لگا رہے ہیں اور کسی طرح تین شلنگ ڈھونڈ نکال رہے ہیں.....''۔

اینگس گرے نامی ایک جولاہے نے پین کو ڈھونڈ نکالا اور کہا ''اور آپ جولاہوں کے بارے میں کیا سوچتے ہیں، مسٹر پین؟''۔

''میں نے ان کے بارے میں نہیں سوچا۔ تم کون ہو؟''۔

''کوئی قابل ذکر شخص نہیں''۔اس نے جواب دیا۔ بدحال لباس، دبلا پتلا، سیاہ آنکھیں، آہستگی اور جان بوجھ کر نچلے ہونٹ پر زبان پھیرتا ہوا۔ ''مگر ہم آپ کی کتابیں پڑھتے رہے ہیں اور ہمارا ارادہ چیزوں کو ٹھیک کرنے کا ہے، اگر ہمارے پاس ایک آدھ اسلحہ ہوتا، ایک توپک یا ایک چھوٹا سا پستول، تو کیا.....''۔

اس نے سوال ہوا میں لٹکتا چھوڑ دیا۔

''ایسا ہوگا''۔پین نے کہا۔

''کب، مسٹر پین؟''۔

''جب وقت آئے گا'' پین نے کہا۔ وہ اور کیا کہہ سکتا تھا؟ وہ اُن سب سے اور کیا کہہ سکتا تھا جو اُس کے پاس آتے، اُن پچکے ہوئے، فاقہ زدہ چہروں میں سے کسی سے جو کسی کتاب میں ملے یوٹوپیا کے لیے بھوکے رہے تھے، ایک یوٹوپیا جس کے لیے امریکہ ایک زندہ ثبوت تھا۔

اور پھر دس، بیس، پچاس ہزار سستے ایڈیشن لندن، مانچسٹر، شفلیڈ، لورپول کے بڑے دھانے میں غائب ہوگئے.....انگلینڈ کے نیچے ایک آگ جل رہی تھی اور مدہم بازگشت محسوس ہونا شروع ہوگئی۔

یہ تاش کے پتوں کی طرح نیچے آیا، اور پَو پھٹتے ہی وہ بھاگ گیا۔ یہ اس کے سر پر پھرتی سے قلابازیاں کرہوتا ہوا آیا اس لیے کہ وہ نہیں سمجھا تھا کہ کوئی ایک چیز، کوئی ایک شخص، کوئی ایک کاز دنیا کو ہلا نہیں سکتی۔ جب اس نے ''کامن سنس'' لکھی تھی، تو اس نے ایک ایسی قوم کو بتائی جو پہلے ہی جنگ کو ابھر چکی تھی، پہلے ہی شدت کے ساتھ غصے میں تھی، اپنے ہاتھوں میں ہتھیار لیے، کیوں انہوں نے اپنے قہر و غصے میں خود کو ابھار دیا تھا، انہیں کیوں لڑنے کے لیے جانا چاہیے، اور وہ کس چیز کے

لیے لڑ رہے تھے۔ ان کے پیچھے مسلح آزادی کے سو سال تھے، اگر سیاسی نہیں تو اصلی آزادی کے۔ وہ انڈینز کے ساتھ لڑے تھے اور وہ فرانسیسیوں کے ساتھ لڑے تھے، اور وہ اپنے ہتھیاروں سے زندہ تھے..... اور زیادہ تر، وہ مذہبی اختلاف رکھنے والے تھے، ان میں سے میتھوڈسٹ، پیورٹنز، کانگری گیشنلسٹ، حتیٰ کہ کیتھولک اور یہودی آزادی کے لیے امریکہ بھاگ گئے تھے۔

''انسان کے حقوق'' نامی کتاب کے سلسلے میں بات مختلف تھی، وہ ایک ایسی قوم کے سروں پر آگئی جو بالکل تیار نہ تھی، ایک ایسی قوم جو بہت سے معاملات میں خود کو ایک ایسی اساطیری آزادی کا مالک تصور کرتی تھی جو کسی صورت حقیقی نہ تھی، مگر جو موجود تھی۔ ہر انگریز کے قبضے میں گیتوں کی صورت میں اور کہانی کی صورت میں اور لی جنڈ کی صورت میں۔

وہ مسلح نہ تھے، وہ تیار نہ تھے، وہ مذہبی اختلاف رکھنے والے نہ تھے، وہ اس کی کتاب کو دیکھتے تھے، آزادی کے لیے شدید خواہش مند تھے، اور پھر واپس اپنے کام پر چلے گئے، اپنی خستہ حال کچی آبادیوں میں اور اپنے شراب خانوں میں..... اور وہ چند لوگ جن میں تنظیم کا جراثیم موجود ہوتا مثلاً، ویلز کے بڑے چہرے والے کان کن، شمالی علاقوں کے جولاہے، لوہے کے مزدور.....وہ چند لوگ پین کی کتاب پر غور کرتے، اپنی گولیاں گنتے، اور پھر، خوفزدہ ہوتے، اپنی توپیں دفن کرتے اور کچھ نہ کرتے.....اور جب انہوں نے سنا کہ پین انگلینڈ سے فرار ہوگیا، تو اُن کے خواب تک رک گئے۔

اُس کی ابتدائی غلطی (جس کا اُسے بعد میں احساس ہوا) اس کی پہلے فرانس واپسی تھی۔ پھر تصور، مبہم صورت، خیال اس قدر ضخیم تھا کہ اس نے ابھی حال تک اس کے بارے میں سوچنے کی جرات بھی نہ کی تھی، اس کے دماغ میں ایک حقیقت کی طرح خود کو فکس کیا ہوا؛ یونائٹڈ سٹیٹس آف یورپ، یونائٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کا اتحادی، انسان کا ایک بھائی چارہ جو زیادہ سے زیادہ سات سال تک مکمل ہوجائے گا، اور پھر یہ بھائی چارہ ممکنہ طور پر اٹھارویں صدی کے اختتام سے پہلے، پوری دنیا میں پھیل جائے گا۔ یہ عوام کے لیے ایک عوامی حکومت ہوگی۔ ایک ایسی حکومت جو اس بات کو یقینی بنائے گی کہ کوئی انسان فاقہ میں نہ ہو، کوئی انسان ضرورت میں نہ ہو۔ یہ بات یقینی بنائے

گی کہ تعلیم اور روشن خیالی کے ذریعے نفرت اور دکھ اور جرم غائب ہو جائیں۔ وہ یہ دیکھے گی کہ دھرم کی آہنی گرفت ڈھیلی پڑے، اور اس کی جگہ پر ایک ملوک، خدا پرست عقیدہ آجائے جس میں انسان کے بھائی چارہ نے اپنا چہرہ خدا کی وحدانیت اور اچھائی کی طرف موڑا ہو، نفرت یا تو اہمات سے پاک عقیدہ۔ جنگ کا خاتمہ ہوگا۔ بادشاہوں اور آمروں کا خاتمہ ہوگا۔ یسوع مسیح سارے انسانوں کی سادہ بھلائی میں زمین پر آئے گا ..... ایک ایسی بھلائی جس پر وہ اس قدر گرمجوش ایمان رکھتے تھے..... اور سارے انسان اپنا منہ خدا کی طرف موڑیں گے، کبھی بھی اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔

یہ تھا پین کا خواب، اور اس کا تصور..... اور یہ اپنے نتائج میں اس قدر وحشت وخوفناک اور حیران کن تھا کہ اسے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی پورا بیان کرنے کی مشکل سے جرات ہوتی تھی۔ یہ بہت زیادہ پر انحصار کرتا تھا، فرانس میں انقلاب کے آگے بڑھنے کی صورت حال پر، لکھے ہوئے لفظ کے ساتھ انسانوں کو ساتھ لینے کی اُس کی طاقت پر، امریکہ میں مابعد انقلابی دنیا کے حالات کے بہاؤ پر..... اور آخر میں انگلینڈ میں انقلاب پر۔

اُس نے یاد کیا کہ وہ دوبارہ فرانس کو پار ہو گیا تھا، ٹولیوں کے شکوک کو مزید ابھارتے ہوئے، جو یہ یقین کرنے لگے تھے کہ وہ فرانسیسیوں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ اس نے لافایٹ کے ساتھ ایک ریپبلکن سوسائٹی کی تنظیم پر بات کی تھی جس کی بالآخر عالمی پیمانے پر شاخیں ہوں گی۔ میڈم رولاں اور کونڈورسیٹ مرکزے میں شامل ہو گئے تھے، اور پین نے ریپبلکن ازم کا ایک شعلہ فشاں اعلان نامہ لکھا جو بادشاہ کے پیرس سے بھاگ جانے پر طیش میں تھا اور اُس کی دستبرداری کا مطالبہ کیا۔ برطانوی ٹوری ابھی تک خاموش تھے، اور پین یقین کرنے لگا کہ وہ ٹوری حکومت کو اُن کی سرد مہری سے کبھی بھی جگائے بغیر اپنے سارے منصوبوں کو ایک انجام تک پہنچا پائے گا۔ یہ پہلا قدم تھا ..... کہ امریکی ریپبلک کے ساتھ فرانس کی ریپبلک کو شامل کیا جا سکے گا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ حتیٰ کہ اُس لمحے بھی برطانوی ایجنٹ اس کی سرگرمیوں کی محتاط تحریری رپورٹیں تیار کر رہے تھے۔ وہ پھر انگلینڈ لوٹا اور دیکھا کہ پین، جسے کبھی جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا تھا، شیطان کا ایک خلیفہ بن چکا تھا۔

حکومتی فوجیں آہستہ آہستہ قریب آئیں۔ انگلینڈ گڑگڑا رہا تھا۔ مگر انہوں نے اُسے گڑگڑاتے ہوئے پہلے سنا تھا، اور انہوں نے لوگوں کا مزاج اچھی طرح دیکھ لیا۔ اگر تم نے ایک بغاوت کو کچل دیا، تو سمجھو تم نے ایک بغاوت کو تسلیم کر لیا، اور پھر یہ جن کبھی دوبارہ بوتل میں بند نہیں کیا جا سکے گا۔ دوسری طرف، اگر تم نے ڈرایا دھمکایا، نرمی سے دھمکی دی، رازداری سے گرفتار کیا، تو تم نے ایک بغاوت کو تباہ کر دیا اِس سے بھی قبل کہ وہ اپنی قوت کا خود اندازہ کر سکے۔ امریکہ نے انہیں ایک سبق پڑھا دیا تھا۔

پین کے دوستوں اور حامیوں نے کراؤن اینڈ اینکر نامی ایک ہوٹل میں ایک اجلاس کا منصوبہ بنایا جہاں انہوں نے فرانس میں فیوڈل نظام کے زوال کی دوسری برسی کا جشن منانا تھا۔ ایک سرکاری ایجنٹ اُس کے مالک سے ملا، اور اچانک یہ ہوٹل میسر نہ رہا۔ کلیوس غائب ہو گیا؛ لونیڈن نامی ایک شخص (جس نے فلیڈیلفیا کے ''ایسوسی ایٹرز'' کی طرح ایک غیر سرکاری ملیشیا گروپ بنانے کے تصور کے ساتھ پین سے ملاقات کی تھی) ڈوور کے قریب ایک کھڈے میں مردہ پایا گیا۔ لوہے کے مزدور ماسٹرسن کو ایک چھوٹے الزام پر گرفتار کیا گیا۔ دوسری طرف آئرلینڈ کے نوجوان لارڈ ایڈورڈ فٹز جیرالڈ نے پین کو بتایا:

''جب تمہیں لڑاکے آدمیوں کی ضرورت پڑے تو گرین آئرل پہ سوچو، اور ہو سکتا ہے کہ آپ کو ضرورت سے زیادہ میسر ہوں''۔

''کچھ بھی ہو جائے'' اُس نے خود کو بتایا ''مجھے لکھنا ہے، تشریح کرنی ہے، چیزوں کو واضح کرنا ہے''۔ اس نے ''انسان کے حقوق'' کا ایک دوسرا حصہ لکھا۔ اس کا پُل فراموش کیا گیا، سائنٹفک اور سماجی افتخار کے اُس کے خواب اس قدر ماضی ہو گئے کہ وہ حیران ہوا کہ اُس نے انہیں کس طرح پالا تھا۔ اب یہ پرانا والا پین تھا، بہت اچھی طرح ملبوس نہیں، اس کی مڑی ہوئی آنکھیں چمکتی ہوئی، جب بھی بات کرتا تیزی سے کرتا۔ اس کے چوڑے طاقتور کندھے پھر جھکے ہوئے، جیسے کہ وہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے تھا، وہ بھاری، خوفناک حد تک بھاری تھا۔

اب جبکہ اس کے سارے شکوک چلے گئے، وہ تیزی سے لکھ رہا تھا۔ پہلا حصہ انقلاب

کے لیے ایک ہینڈ بک رہا، اور یہ والا ایک منصوبہ ہوگا..... بنیادی اور کرخت..... البتہ منصوبہ اُس نئی دنیا کے لیے جس کا خواب اس نے دیکھا۔ جب وہ لکھ رہا تھا، تو جانتا تھا کہ اس کی نگرانی کی جارہی تھی، اور وہ حکومت کی طرف سے کسی مداخلت کی توقع کررہا تھا۔ جب ایسا کچھ نہ ہوا تو وہ حیران ہونے سے زیادہ چوکس تھا۔ پھر پبلشر چَیپ مین آیا اور پوچھا کہ آیا پین اس کو دوسری ''انسان کے حقوق'' جاری کرنے پر راضی تھا۔

''اناڑی''۔ پین نے سوچا'' اوہ میرے خدا، کس قدر اناڑی''۔ اور اس نے کہا'' میں جورڈان کے ہاں سے شائع کروں گا''۔

''جورڈان کچھ بھی نہیں ہے'' چَیپ مین نے جواب دیا۔'' جورڈان ایک چھوٹا چُوہا ہے جو پبلشنگ کپڑے کے کنارے کتر رہا ہے۔ مسٹر پین تمہاری جیسی توانا اور اہم تحریر کو تو بہترین چھپائی، عمدہ ترین کاغذ اور ایسی بائنڈنگ چاہیے جس پر ایک مصنف کو فخر ہو جائے۔ میں اور آپ'' مین آف دی ورلڈ'' ہیں، اور ہم جانتے ہیں کہ خریدار (پبلک جو بہت احمق ہے) کسی کتاب کو اس کی جلد دیکھ کر خریدنے نہ خریدنے کا فیصلہ کرتا ہے، عمدہ ترین نقش ونگار بھرا.....''۔

''میں جورڈان کے ہاں شائع کروں گا''۔ پین مسکرایا۔'' مسٹر چَیپ مین، کچھ لوگوں نے کہا ہے، اور بہت خاموشی سے نہیں، کہ میری تصنیف غداری کو چھوتی ہے۔ آپ کی شہرت جیسا کوئی پبلشر.....''۔

'' خطرات پبلشنگ کا حصہ ہوتے ہیں۔ ہم اشاعتی لفظ کی، پریس کی آزادی کی علمبرداری کرتے ہیں''۔

''اور، انتظامات؟''۔

''جملہ حقوق کے سونے کے سو سکے''۔

''سارے حقوق کے؟''۔ پین مسکرایا'' کوئی رائیلٹی نہیں؟..... کیا واقعی میری تحریر اتنی کم اہمیت ہے؟''۔

''میں نے خطرات کا ذکر کیا ہے۔ آپ مانیں گے کہ.....''۔

''میں جورڈان کے ہاں چھپوں گا''۔ پین نے کہا۔

''سونے کے دو سو سکے''۔

''تب میری تحریر قدر میں بڑھتی ہے۔ کیا جب ایک بار قیمت ادا ہو جائے تو آپ میرے مسودے کو مسٹر والیول کے حوالے کرنے کے حقوق بھی خریدیں گے؟''۔

مسٹر چَیپ مین نے قابلِ تعریف طور پر اپنے جذبات قابو میں رکھے:'' پانچ سو سونے کے سکے مسٹر پین؟''۔ اس نے کہا'' ایک مصنف کی زندگی کبھی غیر دلچسپ نہیں ہے''۔

پین ہنسا'' جہنم میں جایئے مسٹر چیمپ مین''۔

''احمق نہ بنو پین۔ میں تمہیں سونے کے ہزار سکے دوں گا، ایک ٹکہ بھی زیادہ نہیں''۔

''جہنم میں جاؤ''۔

'' میں تمہیں خبردار کرتا ہوں۔ پین، ہزار لے لو۔ گردن سے باندھ کر پھانسی ہونے والے کو پیسے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی''۔

''اس سے قبل کہ تمہیں باہر پھینکوں، نکل جاؤ''۔ پین نے کہا۔

اس سے چَیپ مین شانت ہوگیا، مگر باقی چیزیں نہیں۔ جب پین مسودہ جورڈان کے پاس لایا تو پرنٹر نے کہا'' میں آسانی سے خوفزدہ نہیں ہوتا مگر چیزیں سخت ہورہی ہیں۔ کیا تمہیں کارسٹیرز یاد ہے، وہ جو سستی ایڈیشن کی ہزار کاپیاں سکاٹ لینڈ لے گیا تھا؟۔ وہ ایک چٹان کے دامن میں ٹوٹی گردن کے ساتھ پایا گیا..... کوہ پیائی..... وہ کب کوہ پیما تھا؟''۔

'' تم نہیں سمجھتے کہ میں انہیں سخت ہوتا دیکھتا ہوں؟''۔ پین غرایا۔'' میں نہیں ڈرتا، سمجھے؟''۔

پین نے اسے ایک تحریری بیان دیا، جس میں مصنف نے خود پبلشر ہونے کا اعلان کیا .....اور کہا کہ'' انسان کے حقوق'' کے مندرجات کا وہ خود (اور دوسرا کوئی نہیں) ذمہ دار ہوگا۔

''تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں''۔ جورڈان نے احتجاج کیا۔

''میں ایسا کرنا چاہتا ہوں''۔

''اور رات کو گلیوں میں نہ گھومنا''۔

پین مسکرایا، اور دوسرے اوقات یاد کیے جب یہی وارننگ اس پر پھینک دی گئی تھی۔

پھر دہشت ناک غمگینی کے ساتھ، یہ ختم ہوا۔ سارے محتاط طور پر منظّم کردہ انقلابی سیلوں نے، ویلز میں کانکنوں، شفیلڈ میں مسلک پرستوں، لیور پول اور ٹائن میں گودی مزدوروں، کمہاروں اور پہیہ گروں.....اُن سب کو جنہوں نے راہنمائی کے لیے پین کی طرف دیکھا تھا اُن پر حکومت کی طرف سے وسیع پیمانے کا حملہ کیا گیا، اس سے پہلے کہ اُسے ایک کانگریس بلانے کا موقع ملتا، ملیشیا کے ایک ابھار کا حکم دینے کا موقع ملتا، قبل اس کے کہ انقلاب کے باریک دھاگے کشیدہ کاری کپڑے میں دھاگہ کی قطاریں کھینچ کر نکل جانے کی حالت میں ہوتیں۔ پھر ایک عروج سے اچانک زوال کی طرف مراجعت کے بطور، جورڈان کی طرف سے ایک پیغام آیا۔

پین جتنی تیزی سے ممکن تھا چلا گیا۔ اس نے ابھی ابھی چار سیلوں کے لیڈروں کی گرفتاری کا سنا تھا۔ وہ کسی بھی چیز کے لیے تیار تھا، مگر وہ مسکرانہ سکا جب لمبے پرنٹر نے اسے ایک آرڈر دکھایا جس میں اسے یعنی جورڈان کو کنگز بنچ کی عدالت میں پیش ہونے کو کہا گیا۔ الزام تاج و تخت کی غداری کا تھا، جو کہ ''انسان کے حقوق'' نامی مجرمانہ کتاب کی اشاعت سے کی گئی تھی۔

''میں اس کا جواب دوں گا''۔ پین نے کہا۔

''تم نہیں دو گے''۔ جورڈان نے سختی سے کہا ''اگر وہ تمہیں لٹکا دیں گے تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اگر وہ مجھے پھانسی دیں گے تو یہ کوئی خاص بات نہ ہوگی .....دیکھو پین۔ تم یہاں وہاں اور ہر جگہ ہو گئے ہو، دروازے کھٹکھٹاتے ہوئے۔ اور جیسا کہ تم کہتے ہو، دنیا تمہارا گاؤں ہے۔ مگر میں ایک انگلستانی ہوں۔ یہ ہے ساری بات، خالص اور سادہ۔ اور مجھے اس چھوٹے جزیرے اور اس پر بسنے والے لوگوں سے بے انتہا پیار ہے۔ میں انہیں بگھیوں میں بندھی گھوڑیوں کی طرح جاتے دیکھتا ہوں، اور میں یہ رسیاں کاٹنا چاہتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے تمہاری کتاب چھاپی .....اور یہی وجہ ہے کہ میں اس کے لیے مرنے جا رہا ہوں، سادہ اور صاف، اگر مجھے مرنا پڑے

۔تم انقلاب ہو، میں ایک پرنٹر ہوں، یہی بات ہے پین''۔

پین نے اصرار کیا، درخواست کی۔ مگر اس کا ایک ایسے شخص سے سامنا تھا جو اُس سے بھی زیادہ ضدی تھا۔ وہ درخواست کرنے اپنے وھگ پہنے لبرل دوستوں کے پاس گیا مگر جو چند دروازے اُس کے لیے بند نہ ہوئے تھے، انہوں نے اسے خوش خلق، طنزیہ چہرے دکھائے اور بتایا:

''کیا واقعی، پین، تم نے کبھی تصور کیا کہ ہم انقلاب کی طرفداری کریں گے۔ واقعی، ہم برطانوی ہیں۔ تم جانتے ہو.....'' اور نصیحت، ''اس سے قبل کہ تم پھانسی چڑھائے جاؤ برطانیہ سے نکل جاؤ''۔

رومنی نے اسے ایک پیغام بھیجا۔ ''پین خدا کے لیے، بھاگ جاؤ''۔

اس نے اُن سیلوں کو ایک منشور جاری کیا جو ابھی تک بچے ہوئے تھے، اور صرف ایک مردہ خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ ''یہ عمل کا وقت ہے''۔ اس نے لکھا، اور وہاں ایک مردہ خاموشی تھی۔

حکومت کا اگلا قدم ایک شاہی فرمان تھا جس نے ساری بلا اجازت میٹنگوں پر اور ساری شر انگیز تحریروں پر پابندی لگا دی۔ جو شخص ایسی چیزیں جانتا ہو اور اُن کی رپورٹ نہ کرتا ہو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

مگر کتاب بک رہی تھی، پاگلوں کی طرح، وحشیوں کی طرح، ہزاروں کی تعداد میں۔ اُس بچے ہوئے کم وقت میں جورڈان نے چھاپہ خانوں کو دن رات چلنے دیا۔ لکھا ہوا لفظ، ایک بار چھپ جائے تو دوبارہ اس میں اصلاح نہیں کی جا سکتی، تاج کی ساری طاقت سے بھی نہیں۔ اور پین مسلسل لکھتا رہا، خطوط، اعلانات، اپیلیں.....اگر سیلوں نے اسے دھوکہ دیا تو وہ عوام میں جائے گا۔ عوام نے اس کی اپیلیں پڑھیں، آپس میں سرگوشیاں کیں، اور کچھ نہیں کیا۔ وہ میسا چوسٹ کے مسلح کاشتکار نہ تھے، بلکہ غریب، خوفزدہ کسان اور دکاندار تھے۔

لہٰذا، یہ ختم ہوا۔ بلیک نے دلائل کے ایک گھنٹے میں اُسے قائل کر دیا کہ آخری احکامات

جاری ہوگئے: فراسٹ اس خبر کے ساتھ آیا کہ اس کے وارنٹ جاری ہوگئے ہیں۔ اور فرانس سے ایک پیغام رساں نے درخواست کی:

’’پین، دیکھو۔ فرانس کو تمہاری ضرورت ہے۔ انگلینڈ میں ہر چیز ہوگئی، اور اگر تم مر گئے تو انگلینڈ کے عوام کی امیدیں مر جائیں گی، اس قدر مر جائیں گی کہ دوبارہ نہیں اٹھیں گی، میں تمہیں بتا رہا ہوں پین۔ فرانس میں ابھی شروعات ہے، اور جب یورپ میں سے ریپلک آف فرانس کا نام سنائی دے گا، تو انگلینڈ کے عوام اپنی توانائی ڈھونڈ پائیں گے۔ مگر یہاں پھانسی چڑھنے مت رکو‘‘۔

’’بھاگ جانا‘‘۔ اس نے خود کو کہا ’’جبکہ میں رک سکتا ہو اور مر سکتا ہوں۔ مگر میں ایک بوڑھا شخص ہوں۔ 1776 میں، میں جوان تھا اور دوسرے نوجوان لوگ تھے اپنے ہاتھوں میں بندوقیں لیے............اور میں اُن سے بات کر سکتا تھا۔ اور اب وہ کہاں ہیں؟‘‘۔

اور اس نے خود کو بتایا کہ ’’میں لوٹ آؤں گا‘‘۔ اس نے خود سے قسم کھائی ’’میں لوٹ آؤں گا............ زیادہ سے زیادہ صرف سات سال بعد، مگر انسانوں کے درمیان بھائی چارہ ہوگا جنہوں نے نفرت اور خوف کے علاوہ کبھی کچھ نہ دیکھا۔ مردے کبھی واپس نہیں آتے مگر میں پلٹ آؤں گا............‘‘۔

یہ سب کچھ وہ اپنے دماغ میں گھماتا رہا گھماتا رہا، کشتی پر کھڑے اور ڈوور کی سفید برفانی چوٹیوں کو دور جاتے دیکھتے ہوئے، ایک خزاں کی صبح ستمبر 1792 کو۔

12

ریپلک آف فرانس

یہ ہمیشہ شروعات تھیں۔ خلیج کے آر پار کی سرد، تازہ ہوا ایک مقوی دوا تھی، نیلا آسمان

،سفید پرندے،اس کے پیروں کے نیچے کشتی کے جھونکے،اور وہ سانس رکی ہوئی فرحت جو کسی ایسے شخص کی طرف آتی ہو جو مرنے سے بال بال بچا ہو۔اس کا موڈ تبدیل ہوگیا اور سیاہ مایوسی اٹھ گئی۔ اور انگلینڈ میں اس کی ناکامی نے چیزوں کی فطری ترتیب میں اپنی جگہ سنبھالی؛ اس لیے کہ ریکارڈ کردہ تاریخ کے ہزاروں سالوں میں یہ دوسری طرح رہا ہے،اور انسان میں ایک بھائی چارہ گھنٹوں میں آتا ہے نہ کہ دنوں میں۔وہ اپنی پشت پہ ریاستہائے متحدہ یورپ کے ساتھ انگلینڈ لوٹے گا اور پھر لوگ اس کی آواز پر فتح مند اٹھیں گے۔کتنی دیر میں؟۔پانچ سال،دس سال؟۔وہ محض پچاس سال کا تھا۔اب تک یہ ہمیشہ ٹریننگ،ٹریننگ،اور مزید ٹریننگ رہا؛ وہ پین تھا،انسان کا چیمپین۔

اس نے فراسٹ سے کہا''کیا میں بوڑھا لگتا ہوں؟''۔

''تم کبھی بھی بہتر نہیں لگے''۔فراسٹ نے اب جبکہ اس کے بارے میں سوچا تو کسی حد تک حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''تھک گئے؟''۔

''ذرا سا.....''۔

''تم کس چیز سے خوفزدہ ہو فراسٹ؟''۔

''ایک شخص پھانسی چڑھنے سے بال بال نہیں بچتا،اور اس بات پر مسکراؤ''۔

''احمق نہ بنو۔تمہاری زندگی کچھ نہیں ہے،بس ذرا سا عارضی انتظام ہے جس سے تم لمحہ بھر کھیلتے ہو،ایک مشین جسے کم استعمال کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔اور اگر کوئی چیز اسے شگاف ڈالے،تب اس میں دراڑ پیدا ہو جاتی ہے،یہ ہے ساری بات''۔

''مجھے افسوس ہے میں چیزوں کو اُس طرح نہیں دیکھ سکتا''۔فراسٹ نے تلخی سے کہا۔

''وہ میرا گھر تھا''۔اس نے اپنے کندھے پر سے انگلینڈ کی طرف سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اب یہ چلا گیا،اب میں واپس نہیں آؤں گا''۔

نوجوان کو کندھے سے پکڑتے ہوئے پین نے ایک بازو یورپ پہ لہراتے ہوئے کہا:''وہ بڑا ہے..... وہ پوری دنیا ہے۔میرے پاس کچھ نہیں ہے،میری کتاب سے ایک شلنگ بھی

نہیں.....جو کچھ تھا وہ جورڈان کے پاس چھوڑ آیا ہوں'ایک ٹکہ بھی نہیں جیب میں،صرف ایک چیتھڑوں کا جوڑا ہے میرے تھیلے میں۔اور میں پچپن برس کا ہوں اور میں خوفزدہ نہیں ہوں''۔

جونہی وہ فرانس کے ساحل پہ پہنچے تو اُن تیز،سیاہ خلیجی طوفانوں میں سے ایک ابھر آیا،اور جب وہ لنگر انداز ہوئے تو بارش ہو رہی تھی۔مگر موسم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پورا کالائیس پین کے خیر مقدم کو اُمڈ آیا تھا،سپاہیوں کا ایک دستہ۔ڈھول اور فوجی بگل نے پہلے''مارسیلیز بجایا اور پھر''یانکی ڈوڈل''،بظاہر اس تاثر کے تحت کہ یہ امریکہ کا انقلابی ترانہ تھا۔شہری حیرت زدہ پین کی طرف مسکرا رہے تھے،سیٹیاں بجا رہے تھے اور بازو ہلا رہے تھے جسے اس طرح کی کسی چیز کی توقع نہ تھی۔

''پین زندہ باد!''۔

سپاہی آگے پیچھے آگے پیچھے مارچ کرتے رہے،اور پین کی جسامت کا نصف،کیپٹن ڈومونٹ بار بار اُسے گلے لگا رہا تھا۔پھر میئر آیا۔اُسے گلے لگایا۔اور پھر چار کونسل ممبر،پھر نیشنل گارڈ کے دو لیفٹیننٹ۔انہوں نے پین کو بتایا،پہلے فرانسیسی میں اور پھر بہت بری انگریزی میں،کہ وہ قومی اسمبلی کا ممبر ہے.....اور کالائیس سے،یہ بلاشبہ اُن کے لیے اعزاز ہے،بہت بڑا اعزاز''۔

''سب سے زیادہ میرے لیے اعزاز'' پین انگریزی میں بڑبڑایا۔فرانسیسی،جو وہ بہ مشکل سمجھ سکتا تھا اُس کے کانوں سے ٹکراتی رہی۔وہ اب بول نہیں سکتا تھا،اور اس کی آنکھیں نم تھیں؛وہ اُس کے ساتھ رو دیے،روئے اور ہنسے اور پھر روئے۔

''اگر آپ قبول کریں''۔انہوں نے کہا''ظاہر ہے،صرف اگر آپ قبول کریں۔تنخواہ اٹھارہ فرانک یومیہ۔یہ کچھ بھی نہیں ہے،آپ کے لیے کچھ بھی نہیں سے بھی کم۔مگر پین کی طرف سے کالائیس کی نمائندگی کرنے کے.....''۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا،اور وہ اسے اس ضیافت کی طرف لے گئے جس کا انتظام انہوں نے کر رکھا تھا۔

پہلے وہاں اتھاہ خاموشی چھائی جب پین اسمبلی میں اپنی نشست سنبھالنے جا رہا تھا۔ ساری آنکھیں اس پر مڑیں جب یہ خبر پھیلی کہ وہ کون تھا۔ وہ ایک نرم بھنبھناہٹ تھی، ٹوپیاں اتاری گئیں اور سر جھکے، تعظیم کے مکمل فرانسیسی انداز میں، حتیٰ کہ عبادت کے، اور پھر آوازیں ابھریں ،شاباشی کے نعرے۔ یہ تھا پین اور یہ تھا پیرس اور یہ تھا انقلاب.....اور وہ گھر آ چکا تھا۔

وہ بیٹھ گیا اور رو دیا، اور پورے ہال میں وہ اس کے ساتھ رو دیے۔ وہ اٹھا، اور انہوں نے ایک اور آواز کے دھماکے میں اس کی آواز کو ڈبو دیا.....اور پھر پورا نظم وضبط ختم ہو گیا جب وہ اُسے گلے لگانے دوڑ پڑے۔

یہ ایک چیز تھی، وہ پین تھا، انقلاب کا سوتیلا بچہ بیٹھک میں بیٹھنے والا نہیں، بلکہ ایک ایسا شخص جس نے اپنا پراپیگنڈہ سیدھا انقلابی سپاہیوں کو دیا تھا، اُن کے ساتھ مارچ کیا تھا، ان کے ساتھ شانہ بشانہ لڑا تھا، فلیڈیلفیا میں ایک مزدوروں کا انقلاب انجینئر کیا تھا، اور ایک جنونی کی طرح اُن آزادیوں کی چوکیداری کی تھی جس کے لیے امریکہ لڑا تھا۔ وہ ایک چیز تھی؛ پین، جو کہ پوری دنیا کو بنائے گا، دوسری چیز تھی۔

پین جو پوری دنیا کو بنائے گا، فرانسیسی نہیں بول سکتا تھا..... ہاں، بس چند الفاظ : کافی کے ایک کپ کا کہنا، روٹی کے ایک ٹکڑے کا کہنا، ایک رات کی رہائش کا، مگر تیز رفتار سیاسی بات سے نمٹنے کے لیے پیرس کی ہذیانی تیز رفتار فرانسیسی بالکل بھی نہیں، اور کیا آزادی کی زبان عالمگیر ہے؟۔

اس کے بعد آنے والے دنوں میں اُسے اس بات کی بار بار یاددہانی ہوتی جو بہت عرصہ نہ گزرا تھا کہ لافایٹ نے اسے بتایا تھا۔

'' دوست پین، میرا خیال ہے کہ میں اور تم دونوں وقت سے بہت پہلے پیدا ہوئے .....اور یہ کہ اس کی قیمت ہمیں ادا کرنی پڑے گی''۔

مگر ایک انسان وقت سے پہلے پیدا نہیں ہوتا، پین مسکرایا تھا۔ دنیا انسانوں اور خواب

دیکھنے والوں کے لیے انتظار کرتی ہے، اس لیے کیسے ایک انسان بہت پہلے پیدا ہوتا ہے؟۔

پھر بھی وہ اکثر لافایٹ کی ان باتوں پر غور کرتا تھا۔ پین کے انقلاب کا ہینڈ بک امریکی ساختہ تھا، لمبے بے ڈھنگے کاشتکاروں کے درمیان جو تقریر میں سست رفتار تھے، عمل میں سست رفتار تھے، مگر جب ایک بار روانہ ہوئے تو اپنے راستے سے نہ ہٹے۔ تم نے ایک آزادی کا اعلان کیا اور تم اس کے لیے لڑے۔ لوگ مرے اور لوگ مصیبت میں پڑے، مگر دنیا ایک بہتر دنیا ہو گئی.....یا اس طرح آپ نے امید کی۔ تمہارے کامریڈ واشنگٹن اور جیفرسن تھے، اور پیلے اور انتھونی وائین تھے اور تھینیل گرین اور ٹموتھی میٹ لیک تھے، اور حتیٰ کہ ایک شہر میں اٹھے مزدور بھی ایک ہجوم نہ تھے ۔ اور پھر تم نے ایک خواب بنا، پوری دنیا کے ایک ریپبلک کا خواب، اور تم نے انگلینڈ میں ایک انقلاب کی کوشش کی.....اور اپنی زندگی بچانے فرار ہو گئے مگر فرانس میں استقبال سے نوازے گئے جہاں ایک انقلاب بنایا جا رہا تھا۔ یہ ابھی شروعات تھی۔

مگر کیا ایسا ہی تھا؟۔ آئین ساز اسمبلی تحلیل۔ وہ ایک نیشنل کنونشن میں بیٹھا تھا۔ اس کے دوست گرونڈن، لبرل کہلاتے تھے جن کی سربراہی کونڈورسیٹ اور مادام رولاں کر رہے تھے۔ وہ اُن کے ساتھ تھا۔ وہ اُس کے پرانے دوست تھے۔ انہوں نے اس کے خیالات سنے تھے، امریکہ میں انقلاب کے اس کے منظم پریذنٹیشن۔ پھر بھی جونہی دیہی علاقوں پر شہر کی ڈکٹیٹرشپ کے لیے چلّانے والے جیکو بنوں (پہاڑ کی پارٹی کہلائے جاتے تھے) نے پیرس کے غریبوں پر مضبوط گرفت حاصل کی تو اُن کے ذخائر نیچے ہی نیچے گر رہے تھے۔ پین کے لیے یہ کنفیوژن تھی۔ جہاں نظم وضبط ہونا چاہئے تھا، وہاں منحوس کنفیوژن تھی۔ ایک نمائندہ کانگریس ہونی چاہیے، قطع نظر اُس کانگرس کی کرپشن یا بانجھ پن کے۔ وہ لامتناہی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھتا تھا؛ آزادی آزادی تھی۔ اور ایک بار جب آپ نے اقتدار حاصل کر لیا تو یہ سادہ چیز تھی جس تک پہنچا جا سکتا تھا۔ اور یہاں فرانس تھا بیرونی فوجوں سے حملہ ہوتا ہوا، باہر کے غداروں اور اندر کے غداروں کے خطرے میں فاقے کا خطرہ، خود سے لڑتا ہوا، میدان کی پارٹی، پہاڑ کی پارٹی، گرونڈن، بایاں بازو، دایاں بازو اور مرکز۔ اور وہ پوچھتا رہا کیوں؟ ۔کیوں؟۔ ان سب کا صرف ایک دشمن تھا ..... اقتدار، اعزاز،

ارسٹوکریسی۔اُسے کچل ڈالنا چاہیے،اورصرف آزادی کی ایک پارٹی ہونی چاہئے۔

ڈینٹن نے اُس سے کہا''میں تمہیں بتاتا ہوں پین،عوام کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے، جیکو بنوں کے ساتھ ہے۔بایاں بازو اکثریت میں ہے''۔

''میرا اکثریت سے کوئی جھگڑا نہیں ہے''۔پین نے اُسے جواب دیا۔''میں دنیا کی اکثریت کے لیے زندہ ہوں۔اور جب فرانس آزاد ہے تو یہ بھائی چارے کے لیے ایک اور ملک ہوگا؟۔

جب وہ کنونشن میں بیٹھا تھا تو اُس نے خود کو بتایا''مجھے یاد رکھنا ہے کہ آزادی کا امتحان ہے''۔گیلریوں کو فرانس کے عوام سے بھرا دیکھنا پہلے اچھا تھا؛وہ بات کرنے کا پیاسا تھا،جلد ہی اچھی فرانسیسی میں بات کرنے کے خواب دیکھتا تا کہ براہ راست اُن سے بات کر سکے،عوام سے۔

مگر جب پہلا فیصلہ آیا،تو وہ اکثریت سے شرما گیا۔وہ ڈینٹن کے ساتھ تھے،جس نے فرانس کے ازمنہ وسطی والے ایذا رساں عدالتی نظام کو مکمل طور پر اصلاح کرنے کی تجویز دی،اور پین اُس میں صرف نہ ختم ہونے والی پیچیدگیاں دیکھ سکتا تھا۔''آئینی اصلاح،نہ کہ عدالتی اصلاح''۔وہ بار بار ایک ہی بات دوہراتا رہا۔''ایک آزاد آئین ساز اسمبلی منصفانہ قوانین بنا سکتی تھی .....''

ڈینٹن مسکرایا اور متفق ہوگیا،مگر پھر بھی قرارداد گیلریوں کی تالیوں کے زیرِ اثر منظور ہوگیا۔پین یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ قرارداد کی کوئی خاص اہمیت ہے.....۔بلاشبہ پیچیدگیاں تھیں مگر کام ہوگیا تھا۔اور اگلے دن وہ دہشت زدہ ہوگیا جب ایک گرنڈون اسمبلی ممبر بوزوٹ نے خوف اور جذبات سے کانپتے ہوئے پیرس کے شہریوں (اس نے انہیں''ہجوم'' کہا) کے خلاف ایک مسلح گارڈ کا مطالبہ کیا.....یوں پین انقلابی فرانس کے عجیب ، پیچیدہ، بہت منحوس صورتحال میں فائز کیا گیا۔ایک طرف سے اس قدر شاندار اور امید بھرا،جبکہ دوسری طرف سے اس قدر مہلک اور ڈراؤنے خواب جیسا۔وہ اپنے دوستوں سے بحث کرتا:

''مگر عوام ، وہ ہیں ہر چیز کی بنیاد۔نظم وضبط ،دلیل واستدلال، بلاشبہ میں وہ چاہتا

ہوں۔.....مجھ سے زیادہ اور کون چاہتا ہوگا؟۔مگر آپ کو عوام پر انحصار کرنا ہوگا،وہ ہر چیز ہیں، وہی ہیں جو بندوقیں ہاتھ میں لیتے اور لڑتے ہیں،وہی ہیں جو کام کرتے ہیں اور پیداوار کرتے ہیں ۔اگر آپ عوام پر اعتماد نہیں کریں گے تو.....''

''بس بہت ہوگیا''۔انہوں نے اُسے چپ کرایا۔''آپ امریکی کاشتکاروں کو جانتے ہیں،مگر پیرس کے اِس گند کو نہیں''۔

''پیرس کا گند''۔اس نے سوچا۔''یہ اُن کے لیے بس یہی کچھ ہیں؟''۔

وہ بہر حال پین تھا۔وہ انقلاب کی آواز تھا اور وہ کسی آدمی کو اپنا لیڈر نہیں کہتا تھا۔اور زبان کی کیا اہمیت تھی؟ سچ تو سچ ہوتا ہے۔اور وہ اپنی روح کے اندر جانتا تھا،یا اُسے جاننے پہ مجبور کیا گیا.....کہ یہ پیرسی''گند'' اُس چھوٹے ،خوفزدہ عوام سے بالکل مختلف نہ تھا جن کے ساتھ اُس نے دنیا میں کہیں اور کام کیا تھا اور لڑا تھا۔اگر وہ اُن سے اپیل کرے تو وہ سنیں گے۔کیا ایسا نہیں ہے کہ وہ انقلاب کے سچے دل اور مرکز ے کو جاننے لگا ہے؟۔.....طاقت عوام میں ہے،غصہ اُن میں ہے؟۔ مگر اس کی سمت کے لیے ایک منصوبہ ہونا ضروری ہے،ایک ضبط اور ایک حتمی منزل۔یہی وہ چیز تھی جس کی اب تک چھوٹے لوگوں کی بے صبرانہ بغاوتوں میں کمی تھی۔اور اس طرح کی ایک حتمی منزل بنا کر دینا اُس کا مقصد تھا۔

چنانچہ اس نے''فرانس کے عوام سے خطاب'' لکھا اور شائع کیا۔اس نے کہا کہ فرانس صرف فرانس کے لیے نہیں لڑ رہا ہے بلکہ آنے والے ریپبلک آف دی ورلڈ کے لیے لڑ رہا ہے، انسانیت کے لیے لڑ رہا ہے۔فرانس کو متحد ہونا ہے،فرانس کو بے باک ہونا ہے،مگر پر سکون اور جراتمند۔دنیا فرانس کے انتظار میں ہے.....''۔

کیا لوگوں نے اس کی بات سنی؟۔جب وہ دوبار کنونشن میں بیٹھا ہوا تھا تو اُسے احساس ہوگیا کہ اگر انہوں نے اُس کی بات سنی بھی ،تب بھی ممبر لوگ اپنی ذاتی لڑائیوں میں مکمل طور پر ڈوبے ہوئے تھے۔پین کون تھا؟۔وہ تو فرانسیسی بول تک نہ سکتا تھا۔وہ بے بس بیٹھا ہوا تھا جبکہ کانوں کے پردے پھاڑ ڈالنے والے دلائل اُس کے کانوں میں برس رہے تھے۔گرونڈن ایک ایسی

حکومت کا مطالبہ کر رہے تھے جس میں سارے فرانسیسی شامل ہوں، ماؤنٹین پیرسی پر ولتاریہ کی قوت اور استقلال جتا رہے تھے، گرم دماغ ممبران بار بار ضرب لگانے آتے تھے، گیلریاں تالیاں بجا رہی تھیں، بیزار ہو رہی تھیں، تھوک رہی تھیں، اُن لوگوں کی آوازیں ڈبو رہی تھیں جنہیں وہ پسند نہیں کرتی تھیں، پورے کا پورا تاثر ایک بدنظمی کا تھا۔ جب کوئی اُس سے اچھائی کر کے اُس کے پاس بیٹھ جاتا اور ترجمہ کرتا، اور جب پین نے ایک ایسی جگہ دیکھی جہاں وہ کوئی ایسی بات کر سکتا ہے جس کا کچھ اثر ہو، پانیوں پر ذرا سا تیل پھینک سکتا ہو اور انہیں اس حقیقت پر دوبارہ لا سکتا ہو کہ فرانس کی آزادی داؤ پر لگی ہوئی ہے، اور جب وہ کھڑا ہوتا تو اسے عموماً نظر انداز کیا جاتا..... یا اگر توجہ دی جاتی تو وہ زبان کو ایک مایوس کن رکاوٹ پاتا۔ اگر وہ کچھ تیار کرتا اور اسے فرانسیسی میں پڑھواتا، تو اس پر دلائل اور بحث اس قدر دور تک جاتی کہ جو کچھ اُس نے کہا ہوتا وہ بے معنی ہو جاتا۔

اس کی جبلت نے اُسے بار بار بتایا کہ اس کا تعلق کہاں سے تھا، جیکوبنز کے ساتھ، اُن کی ساری تشدد اور انتہا پسندی کے لیے۔ مگر جس طرح سے ڈینٹن اور سینٹ جسٹ اور رابس پائرے انقلاب کے بارے میں اس کی منظّم تھیوریوں پر، اس کے ترتیب وار قدم بہ قدم طریقوں پر (جن کی تان ہمیشہ امریکہ میں جدوجہد پر ٹوٹتی تھی) مسکراتے تھے، وہ اُس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ پین ایک بڑا شخص تھا، ایک آئیڈیل شخص، مگر ایسا شخص نہیں جسے سنا جائے، اعتبار کیا جائے۔ شاید وہ بوڑھا ہو رہا تھا۔

اس نے خود سے پوچھا ''کیا میں خوفزدہ ہوں؟''۔

اس کی آرزو تھی کہ اس کے امریکی کامریڈ ایک بار پھر اُس کے اردگرد ہوں، اور پھر وہ مادام رولاں کی بیٹھک کی طرف واپس ہوا جہاں وہ کم از کم اس کی عزت کرتے تھے۔ گو کہ ایک کُل فرنچ مڈل کلاس حکومت کی اپنی شاندار باتوں میں وہ خود اپنا انجام دیکھتے تھے۔

امید اُس وقت دوبارہ لوٹ آئی جب کنونشن نے نو افراد کی اُس کمیٹی میں اُس کو نامزد کیا جس نے ریپبلک آف فرانس کا نیا آئین بنانا تھا۔ اس کے ساتھ کونڈورسیٹ، ڈینٹن، سی ینیر، باریر ے، ورگنیاد، پیشن، برساٹ اور جینسونے تھے۔ مگر سوائے سی ینیر اور ڈینٹن کے باقی سب دائیں

بازو کے گرونڈن تھے۔ ڈینٹن، کمیٹی میں ایک مقام قبول کر سکتا تھا لیفٹ کے ساتھ رہ سکتا تھا مگر جب پین نے قبول کیا تو اس نے اپنے رفقا کے ساتھ ہمیشہ کے لیے خود کو گرونڈن سے دور کر دیا۔

پہلی دفعہ، اُس نے خود سے کہا ''مجھے پتہ نہیں''۔

مگر کچھ اوقات ایسے آتے تھے جب اُس کے شکوک اسے چھوڑ جاتے تھے۔ پیرس ایک ایسا مقام نہ تھا جس میں مسلسل شک کیا جائے۔ پین کے لیے یہ دم خم، طاقت اور حسن کا شہر تھا۔ اُس نے نہ صرف عوام کا میل کچیل دیکھا، پیوند لگے کپڑے دیکھے، جس طرح وہ گیلریوں میں سی سی کی آوازیں نکالتے اور آوازے کستے تھے، اُن میں آداب اور رکھ رکھاؤ کی کمی دیکھی۔ وہ جانتا تھا کہ راتوں رات ہزار سال کو دفن نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے ان کی طاقت دیکھی، اُن کا از حد اشتیاق دیکھا جو ایک زندگی نے ابھی ابھی اُن پر منکشف کیا تھا، اور جب ریپبلکن فوجوں نے حملہ آوروں کو سرحدوں کی طرف پیچھے پھینک دیا تو اس نے خود کو جشن کی عمومی لہر میں بہنے دیا۔ برطانوی غیر ملکیوں، باغیوں، ریڈیکلوں، شاعروں اور فلاسفروں جنہیں ٹوری حکومت نے فرانس میں دھکیل دیا تھا، نے اپنے ہیڈکوارٹر وائٹس ہوٹل میں ایک بڑی پارٹی منعقد کرنے کا پروگرام بنایا۔ پین مہمانانِ خصوصی میں سے ایک تھا اور وہاں جانا اور پرانے دوستوں سے گھل مل جانا خوشگوار احساس تھا جو اُس کی اپنی زبان بولتے تھے، فراسٹ، ایڈورڈ فٹز جیرالڈ، کیری کلیویلن، والشمین، ایلی سن .....۔

''خدا کی قسم، یہ کامن سنس ہے!''۔ وہ غرائے جب وہ داخل ہوا۔

اُس نے خود کو ڈھیلا ڈھالا جانے دیا، مگر اس کے 18 فرانک یومیہ سے اس نے ایک نیا کوٹ خریدنے کے لیے کافی بچا رکھا تھا، فرانس میں اب وگ نہیں پہنا جاتا تھا، اس کے اپنے بال پیچھے پھینکے اور بندھے تھے، اور جونہی فٹز جیرالڈ نے اسے پکارا تو اس کی مڑی ہوئی آنکھوں میں وہی پرانی چمک پیدا ہوئی:

''تھامس کیا ہم جلد ہی خلیج کو دوسری طرف عبور کریں گے؟''۔

''کون کہہ سکتا ہے؟''۔ فٹز جیرالڈ نے تھوڑی سی پی لی تھی۔ اس کی ہلکی نیلی آنکھیں رقص

کر رہی تھیں جب اس نے شمار کیا ''امریکہ، انگلینڈ، فرانس۔ خدا کی قسم اور ننھے جیزس کی قسم تھامس کہو کہ تم اگلی بار آئرلینڈ میں ہوگے!۔ میں تمہیں بتاؤں اس کی سبز پہاڑیاں خون سے بہتی ہیں۔ تھامس وہیں اترو، اور جب تم بحری جہاز سے باہر قدم رکھو گے تو ایک لاکھ اچھے لوگ تمہارے ساتھ مارچ کرنے کے منتظر ہوں گے!''۔

ملٹری بینڈ شروع ہوا اور وہ ''مارسیلز'' کے لیے ننگے سر کھڑے ہوگئے اور جب انہوں نے پین کو اعزاز بخشنے کے لیے ''یانکی ڈوڈل'' اٹھایا تو اس نے اپنا بڑا سر پیچھے پھینکا اور غرایا:

باپ اور میں نیچے کیمپ گئے کپتان گوڈن کے ساتھ
اور وہاں ہم نے آدمی اور لڑکے دیکھے اتنا گاڑھا جتنا پڑنگ!۔

پنچ نامی مشروب اچھا تھا، رَم بہتر، فرانسیسی برانڈی اس کے گلے میں آگ کی طرح گرم تھی۔ پین دھت ہوگیا، فٹز جیرالڈ دھت ہوگیا، فراسٹ بھی، اور جب پیشن اُن میں شامل ہونے آیا تو وہ اس کی گردن اور اس کے دونوں گال اس وقت تک چومتے رہے جب تک کہ اس نے خود کو اپنے پانچ فٹ چار انچ کی لمبائی میں کھڑا کر دیا اور کہا:

''جنٹلمین! ریپبلک کے وقار کے لیے!''۔

انہوں نے ریپبلک کے نام کا ایک جام پیا، فرانس کی ریپبلک کے نام کا، امریکہ کی ریپبلک کے نام کا۔.....ساری دنیا کی ریپبلک کے نام کا، پین ایک کرسی کے سہارے کھڑا ہوا اور چیخنے لگا:

''میری بات سنو، میرے دوستو، میرے اچھے ساتھیو، میں دھت ہوں۔ دھت مگر متاثر ہوں۔ میں نے، اتنا زیادہ عرصہ نہ گزرا، ایک بار کہا تھا کہ مجھے سات سال دو اور ہم انسان کے بھائی چارے میں چلیں گے!۔ میرے دوستو، میں کہتا ہوں پانچ برس، اور فرانس کی شاندار فوجیں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی شاندار فوجوں کے ساتھ روئے زمین پر ہر قوم تک آزادی کا پرچم لے جائیں گی۔ ہم نے پہلے ہی پروشیائی کتوں کو سوئروں کی طرح، جو کہ وہ ہیں، بھاگتے دیکھا۔ ہم موٹے، جارج آف انگلینڈ کو اپنے تخت پر نووارد دیکھتے ہیں، تمہارے اپنے لوئی کو عوام کے آگے دستبردار ہوتے دیکھتے ہیں! ساتھیو۔ کون کہتا ہے کہ معجزے نہیں ہوسکتے؟۔ میرے ساتھ ہو جاؤ۔

میں اپنے اچھے دوست، اپنے پرانے ساتھی کے نام کا جام پیتا ہوں جو کہ انسانوں میں بہترین اور دوستوں میں مخلص ہے، ورجینیا کا جارج واشنگٹن!''۔

انہوں نے اُس کا ساتھ دیا، مگر پین پہلے ہی اس قدر دھت تھا کہ آدھی برانڈی اس کی ٹھوڑی سے نیچے بہہ گئی۔ اور جب بینڈ پھر ''یانکی ڈوڈل'' بجانے لگا تو وہ کمرے سے آر پار اکڑ کر، پہلو بہ پہلو جھومتا ہوا چل رہا تھا.....مگر پھر بھی اتنا تعجب خیز نہیں، اتنا مضحکہ خیز نہیں۔ حتی کہ نشے میں ٹُن لوگوں سے بھی قہقہہ نہ لگوا سکتے ہوئے۔ بلکہ وہ اُن سے ایک ایسے شخص کے لیے یک دم ترسناک توصیف پیدا کروا رہا تھا جو اس قدر توصیف کردہ اور اس قدر تن تنہا تھا۔ وہ خود سے خوفزدہ تھا، اور اس نے اپنے آپ سے کہا: ''وہ ٹام پین جو کبھی انسان سے، یا درندے سے نہیں ڈرا، خوفزدہ ہے''۔

وہ خوفزدہ تھا اس لیے کہ اس کا بدن بوڑھا ہو رہا تھا اور ناخواہشمند ہو رہا تھا اور تھک رہا تھا۔ اس لیے کہ عالمی بھائی چارے کا اس کا اپنا خواب حقیقت سے زیادہ قیمتی اور زیادہ حقیقی ہو رہا تھا۔ خود کو پیرس کی تنگ اور بھدی گلیوں میں چلنے پر مجبور کرتے ہوئے وہ دکانوں میں جاتا، لیکن اس کے باوجود وہ طبقۂ شہریان کے ساتھ ایک قریبی تعلق پیدا نہیں کر سکا۔ وہ اُن سے کہتا ''تھامس پین'' اور وہ مسرت سے مسکرا دیتے۔ شراب انڈیلتے، اس کے لیے گوشت کا ٹکڑا کاٹتے اور اس کے لیے روٹی لانے جاتے۔ ایک عظیم رویہ اس لیے کہ وہ فاقوں سے بہت قریب تھے اور اُسے تھوڑا سا کھانا پڑتا جبکہ وہ اس پر اپنی پیرسی فرانسیسی بولی انڈیلتے رہتے، اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ کہ وہ دس میں سے ایک لفظ سے زیادہ نہ سمجھ سکتا۔

وہ اچھے لوگ تھے، سادہ لوگ خود اپنی طاقت سے سوجھے ہوئے۔ اس لیے کہ دنیا میں چھوٹے لوگوں کی طاقت ایک نئی چیز تھی، مگر ایک اچھی، مضبوط مستحکم قوم .....اور اسے بغیر کسی تحفظات کے دیکھتے ہوئے پہچانتے ہوئے وہ ابھی تک اُن پر اپنا اعتبار نہیں ڈال سکتا تھا۔ جیسا کہ ایک بار اُس نے اپنا سارا بھروسہ، زندگی اور خواب امریکی تباہ حال ملیشیا والوں پر رکھ دیے تھے۔ فرق اور تبدیلی خود اس کے اپنے اندر تھی۔ وہ لوگوں کی انارکی سے ڈرتا تھا۔ اور مڈل کلاس کے طرز کو

ترجیح دیتا تھا۔ یہ وہ جانتا تھا اور وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ اُسے نظم وضبط چاہیے تھا۔ اس کے پاس بڑھاپے کا احساس تھا جو وقت کو تیز رفتار کرتا ہے۔ وہ رپبلکنز کا ایک سبک رفتار، نظم وضبط والا تانا بانا چاہتا تھا جس کے ساتھ ایک کے بعد دوسرے ملک کا اضافہ کیا جاسکے۔

وہ ایک ایسا شخص کبھی نہ رہا جس نے پرماتما کو زیادہ تکلیف دی ہو یا عبادتوں پر زیادہ دھیان دیا ہو۔ مذہب کی طرف اس کا رویہ جذباتی تھا، ایک غیر متعین الوہیت پر ایک گرم جوش عقیدہ۔ انسان کے لیے اور ساری زندہ مخلوق کے لیے محبت اس قدر بھری ہوئی کہ اس نے کبھی بھی الوہیت کی فطرت سے خود کو تکلیف نہ دی۔ اس کا معاملہ اِس دنیا کے ساتھ تھا، اور دہریوں اور اگناسٹکوں کے ایک دائرے میں گھومنے سے، یہاں بھی اور امریکہ میں بھی، وہ اُس وقت مسکرا دینے کا متحمل ہوسکتا تھا جب مذہب کے موضوع پر سخت الفاظ بولے جاتے۔ اُس کا عقیدہ عبادات کے ساتھ مشروط نہ تھا۔ نہ ہی یہ بحث سے مشروط تھا۔

مگر اب وہ چرچ جاتا تھا۔ اس حقیقت سے باخبر ہونے کے ساتھ خود کو معاف کرتا ہوا کہ وہ بوڑھا ہو رہا تھا۔ مرگ واضح ہوتی جا رہی تھی، اور وہ مرنا نہیں چاہتا تھا۔ اور اُس نے ابھی مرنا شروع کیا تھا، اور یہ اس سے سخت تر تھا، ہزار گنا سخت تر تھا جتنا کہ اُس نے سوچا تھا کہ یہ ہوگا۔

کانائیس، ماراٹ کا نوجوان شاگرد، پین کی رہائشی جگہ پر آیا اور ایک بہت اچھی انگریزی میں کہا:

''مسٹر پین کیا میرے لیے ایسی چیزوں کے بارے میں باتیں کرنا گستاخی ہوگی جن سے میرا واسطہ نہ ہو؟''۔

پین اس لڑکے کو پسند کرتا تھا۔ اس نے کچھ برانڈی ڈالی اور اُسے بات جاری رکھنے کے لیے سر ہلایا۔

''میں نے آپ کی لکھی ہوئی ہر سطر پڑھی''۔ کانائیس نے کہا۔

''اچھا.....''۔

''اور میں کل ہی مرجاتا، مطمئن، اگر میں اُس کا چھوٹا حصہ بھی لکھتا یا پڑھتا جو کچھ آپ نے کیا''۔ پین شکر گزاری میں بھونڈے طریقے سے ٹامک ٹوئیاں مار رہا تھا، لڑکے کی آنکھیں مکمل طور پر اس پہ مرکوز تھیں۔

''چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ میں آپ کی عزت کرتا ہوں۔ اتنی جتنی میں امریکہ سے محبت کرتا ہوں۔ مسٹر پین کیا آپ کہیں گے کہ ہم سٹیزن والی صدی میں جی رہے ہیں؟۔ میں ایسا سوچتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ فرانس امریکہ کا قرض کبھی واپس نہیں کرسکتا، اور میں امید کرتا ہوں کہ اب اِس طرف سے ایک قرض ہوگا۔ اور مسٹر پین میں یہ بھی کہتا ہوں کہ دنیا کبھی بھی تھامس پین کا قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوسکے گی''۔

''بس یہی کچھ؟''۔ پین مسکرایا

''نہیں ایک شخص کو کیا ہوسکتا ہے.....؟''۔ لڑکا اُن خیالات سے جھجکا اور پریشان ہوا جو اُس کے دماغ پر برس رہے تھے۔ ''ٹام پین کو کیا ہوگیا ہے.....۔ اگر میں آپ کو ناراض کردوں تو مجھے روک لیجئے گا، مجھے باہر پھینک دیجئے اور مجھے بتا دیجئے کہ میرا کچھ لینا دینا نہیں''۔

''جاری رکھو''۔ پین نے کہا۔ وہ جوانی سے تکلیف دہ انداز میں باخبر تھا۔ بھرپور اور گرم جوانی جو اُس سے ہمیشہ کے لیے گئی تھی۔ ایک لڑکا ٹام پین کو وہ کچھ بتا رہا تھا جو ٹام پین اچھی طرح جانتا تھا، پھر بھی اُسے خود تسلیم کرنے خوفزدہ تھا۔

''آپ کو کیا ہوگیا ہے؟۔ فلیڈیلفیا میں آپ عوام کے ساتھ تھے، امریکہ میں.....۔ اور عوام کے علاوہ بھلا کس نے آپ کی ملیشیا تشکیل دی تھی۔ وہی عوام فورج وادی میں فاقے کاٹ گئی اور مرگئی۔ بنکر ہل پہ ایمپائر کے ایک خواب کو ٹکڑوں میں کاٹ پہاڑ دیا اور معمولی انسانوں کو سبق دیا کہ کونکورڈ اور لگزنگٹن کے درمیان سرسبز میدانوں میں کس طرح لڑا جاتا ہے؟۔ کیا آپ بھول گئے؟۔ کیا کونکورڈ کے پتھر کی دیواروں کے پیچھے کوئی بنک مالکان تھے؟۔ کیا مون ماؤتھ کورٹ ہاؤس کے مقام پہ امیر سوداگر مرے تھے؟۔ جب واشنگٹن نے دلاویئر عبور کیا تو کیا عمدہ مینوفیکچررز اور بحری جہاز مالکان نے اُسے بچانے کے لیے فلیڈیلفیا سے مارچ کیا تھا؟۔ یا وہ عام لوگ تھے، کسان اور

مزدور اور کلرک اور چھوٹے دکاندار؟''۔

''مجھے یاد ہے''۔ پین نے سختی سے کہا۔''اُس موضوع پہ آؤ جس پہ تمہیں بات کرنی ہے''۔

''تو پھر کیا ہم اس قدر مختلف ہیں؟۔کیا اس لیے کہ ہم فرانسیسی ہیں؟۔کیا یہ اس لیے ہے کہ آپ کی ملیشیا نے جرمن سوئر کو نیم برہنہ پیچھے دھکیلا اور ہماری ملیشیا نے نیلے کُرتے اور لکڑی کے کھڑاویں پہن کر انہیں پیچھے دھکیلا، اس لیے وہ مختلف ہیں؟۔کیا آپ کے بوسٹن قتلِ عام کی تعریفیں ہوں اور باسٹلی پر ہماری یلغار، حقیر بنانے کے لیے ہے؟۔ ہر چیز کا واسطہ مسٹر پین............ ہمارے ساتھ آیئے، عوام کے پاس آیئے۔وہ آپ کو کھلے بازوؤں کے ساتھ گلے لگائیں گے، اور ہم یا تو دنیا کو بنائیں گے یا پھر بنانے کو کوئی دنیا ہوگی ہی نہیں، ایک سو سال تک!''۔

اُس کے مکے بھنچے ہوئے تھے۔اس کا چوڑا، طاقتور بدن خمیدہ ہوا۔پین لڑکے پہ گھور رہا تھا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہیں ناں؟''۔لڑکے نے ایک لمحے بعد کہا۔''آپ اپنے دوستوں، یعنی گرونڈنوں سے مضبوط طور پر پیوستہ ہیں، بینکروں کے ساتھ، سوداگروں کے ساتھ اور نیم راہ کے سارے مذہبی پیشواؤں کے ساتھ، لبرلزم کے ساتھ جو عوام سے خوف کھاتا ہے''۔

''میں اُس عمر سے گزر چکا ہوں جہاں میں انارکی سے لطف اندوز ہوتا''۔پین نے اُسے بتایا۔''ہم ایک منظّم دشمن سے لڑ رہے ہیں.......... اور عوام ایک تنظیم نہیں ہوتے، وہ ایک ہجوم ہوتے ہیں۔اور ایک ہجوم جمہوریت نہیں بناتا۔ایک ہجوم اپنی راہنمائی کے لیے کسی کی طرف نہیں دیکھتا، اور اگر کوئی کافی چالاک ہو تو اس ہجوم کو شیطان کے منہ تک لے جایا جا سکتا ہے''۔

''اور بس؟''۔

''ہاں بس''۔پین نے اثبات میں سر ہلایا۔

چلو، یہ ہو گیا۔اور اسے پتہ تھا کہ وہ کہاں کھڑا تھا۔وہ بوڑھا ہو رہا تھا۔وہ لڑتا رہے گا۔

چیزوں کی اب کوئی اہمیت نہ رہی تھی۔وہ تقریباً پشیمان تھا کہ وہ انگلینڈ میں نہیں رکا رہا اس لیے کہ جورڈان نے کہا تھا۔جورڈان کو شہید کیا گیا، مقدمہ چلایا گیا، سزا دی گئی، جبکہ جس شخص کی کتاب اُس نے چھاپی تھی وہ بھاگ گیا تھا۔

پین جب دوبارہ کنونشن میں کھڑا ہوا تو وہ ایک غمگین تر، معمر تر شخص تھا۔ہاؤس کے سامنے یہ معاملہ تھا کہ آیا بادشاہ کو گلوٹین کے ذریعے سزائے موت دی جائے، یا اسے جنگ کے خاتمے تک قید رکھا جائے اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے فرانس بدر کیا جائے۔

پین کے لیے صورتحال پیچیدہ اور کثیر اطرافی تھا۔اور وہ پیرس کے عوام الناس کی سادہ دلیل سے متفق نہ تھا کہ بادشاہ ایک غدار ہے اور اس لیے بادشاہ کو مرنا ہوگا۔اور اگر وہ بادشاہ کو غدار قرار بھی دیتا (اور بادشاہ کا بالخصوص اور ارسٹوکریسی کا بالعموم اِن گذشتہ اٹھارہ برسوں میں ٹام پین سے کوئی دوسرا بڑا اور تلخ تر دشمن نہ تھا)، اگر وہ اس الزام کو مان بھی لیتا تب بھی وہ اس کی سزا، موت میں نہیں دیکھتا تھا۔وہ جانتا تھا کہ اُس کے اندر کوئی چیز سخت تر اور سست رفتار ہو گئی تھی، کہ پرانی آگ چلی گئی تھی۔وہ جو، ہر ٹوری کو پھانسی چڑھتے دیکھنا چاہتا تھا آج دلیل کے تنکے کو سختی سے تھامے ہوئے تھا۔بادشاہ جس چیز پر قائم تھا اُس سے اُس نے غداری نہیں کی۔ایک بار اس نے کہا تھا''ہم، لوئی، فرانس ہیں''، اور اُس بیان سے اس نے کبھی بھی غداری نہ کی۔

مارات نے کہا''اسے ایک بدبودار پھوڑے کی طرح کاٹ ڈالنا چاہیے''۔

اور پین نے انصاف کے لیے کہا، اب قید، بعد میں مقدمہ۔اُس نے بتا دیا کہ جارج واشنگٹن، جس کی امریکہ میں گہری عزت کی جاتی ہے، اس قرض کو کبھی فراموش نہیں کرتا جو کالونیوں پر فرانس کے بادشاہ کا تھا۔

''اور امریکہ کے بغیر''پین نے پریشانی سے کہا''ہم کتنی دور جا سکتے ہیں؟۔اگر لوگ ایک بھائی چارہ ڈھونڈتے ہیں، تو کیا وہ خون سے مطمئن ہوں گے؟''۔

کنونشن کے ہال میں اس معاملے پر 36 گھنٹے بحث ہوئی۔پوری فرانسیسی تاریخ میں اس کی طرح کا بلند، کشیدہ اور خوفناک ڈرامہ نہ ہوا تھا۔اس لیے کہ آخری ووٹ پر نہ صرف بادشاہ کی

زندگی انحصار کرتی تھی بلکہ انقلاب کا پورا راستہ بھی۔ اول سے ہی یہ ظاہر تھا کہ گرونڈون پسپا نہ ہوں گے، کہ اس مسئلے پر، انقلاب کے کنٹرول کے لیے انہیں لڑنا ہوگا۔ کرسٹیانی نے، جو کہ پارٹی کا ایک طرح سے ایک شائستہ ممبر تھا، ایک نرم شخص، عورت کی طرح نرم، پین سے غمگین انداز میں کہا:

''کسی ایسی چیز پر مرنا سخت ہے جس پر کوئی بہ مشکل عقیدہ رکھے۔ مگر اُس سے بھی سخت تر ہے آخری ذرے کو باہر پھینکنا۔ لوئی کی طرح کا ایک کمینہ، جس کا مرنا بہتر ہے، انسان کی تقدیر کو اپنی موٹی گردن پر اٹھائے رکھتا ہے، اور ایسی زندگی پر ہنسی آتی ہے''۔

''آپ پر مقدمہ نہیں چل رہا''۔ پین نے احتجاج کیا۔

''آہ۔ مگر ہم پر.....ہم سب پر چل رہا ہے''۔

اور پین کے نام ایک بلا دستخط شدہ خط میں، جو اسے کنونشن ہال میں موصول ہوا، لکھا تھا:

''سٹیزن۔ تمہیں اُن سب کا واسطہ جو ایک زمانے میں تمہیں عزیز ہوا کرتے تھے، فرانس کے عوام کے ساتھ ہو جاؤ''۔

ایک تنہا، ہارے ہوئے آدمی کی طرح وہ بحث کی تند و تیز لہروں کو سن رہا تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آتی، وہ بیٹھا ہے، گھٹنوں پر کہنیاں رکھے، اس کا ہاتھ اس کی ٹھوڑی کو گود میں لیے۔ وہ تنہا ہے اور اس کے پاس جو کچھ ہے وہ یادیں ہیں۔ وہ آئرینی رابرڈیو سے کہتا ہے، جہاں آزادی نہیں ہوگی وہی میرا ملک ہوگا۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ پیل اور میٹلاک کے ساتھ چلتا ہے.....اچھے کامریڈ ہیں اور پھر جوانی تھی اور آگ اور امید، اور شک کی کوئی مداخلت نہیں۔ وہ یاد کرتا ہے اور خواب دیکھتا ہے، اور پھر، خوابوں سے جاگتے ہوئے وہ انقلابی پیرس میں کنونش ہال میں واپس آتا ہے۔

اور ایک خارجی زبان کی ساری موسیقی بھری، بہت تیز رفتاری میں اپنا نام سن کر اس نے بانکل کو پکڑ لیا جو اُس کے قریب بیٹھا تھا اور پوچھا۔

''وہ کیا بول رہے ہیں؟''۔

ڈوول ابھی ابھی تقریر کر چکا تھا۔ بانکل نے ترجمہ کیا'' کہ تھامس پین شک سے بالاتر شخص ہے۔ اِس شخص کی مثال پر، جو کہ عوام میں سے ہے، بادشاہوں اور ارسٹوکریسی کا طویل عرصے

سے اور مہلک دشمن ہے، ریپبلکن آزادی کا دفاع کرنے والا ہے.....اس کی مثال پر چلتے ہوئے میں جنگ کے دوران پہلے قید اور پھر امن کے بعد جلاوطنی کے لیے ووٹ دیتا ہوں''۔

ڈوول کے بیان کے بعد جو شور اٹھا اُس سے پین کو بانکل کی آواز مشکل سے سنائی دے رہی تھی مگر اُس نے اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے اور دیکھا کہ ہنگامہ کے بیچ ڈوول کس فخر اور سکون سے کھڑا تھا۔

جب ووٹ ہوا تو لوئی کی موت کا فیصلہ ہوا۔

لافایٹ کے دوست جن کے امریکہ میں روابط تھے، جن کو اُس پہ دعویٰ تھا، پین کے پاس آئے اور اُسے بتایا:

''تم ایسا کر سکتے ہو.....اس لیے کہ تم پین ہو''۔

''اس لیے کہ جب ہم گر جاتے ہیں تو وہاں صرف کنفیوژن ہوگی''۔

''اس لیے کہ جب کوئی مرتا ہے تو اس کا مطلب انگلینڈ سے جنگ ہوتی ہے''۔

''اس لیے کہ کوئی ضرورت کے وقت امریکہ کی مدد کو آیا''۔

اُن (کونڈورسیٹ، رولانڈ، برسٹ) کا منصوبہ یہ تھا کہ پین کنونشن میں اٹھے اور بادشاہ کی زندگی کے لیے ایک درخواست کرے۔ ٹام پین ہی اُس دن کچھ کر سکے گا' کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔

اُن کے سارے دلائل سے پین نے دیکھا کہ بادشاہ کی زندگی کوئی معنے نہیں رکھتی۔ انقلاب فرانس گرونڈنوں اور جیکو بنز میں بٹ چکا تھا۔ دائیں اور بائیں میں، درمیان میں ایک بوڑھا ہوتا ہوا بریز یئر ساز تھا جس کا نام تھا افتخار۔

''میں فرانسیسی نہیں بول سکتا''۔ پین نے تکلیف دِہ انداز میں کہا۔

''بانکل ترجمہ کرے گا۔ لوگ بانکل کو سنیں گے۔ اور وہ پین کو سنیں گے''۔

''صرف یہ یاد رکھو کہ لوئی نے امریکہ کے لیے کیا کیا''۔ اور جانتے ہوئے کہ وہ اپنے مقصد کی خاطر سفید جھوٹ بولتے تھے، پھر بھی جانتے ہوئے کہ جو وہ کہہ رہے تھے اس میں سچائی تھی

.....کہ اُن کی ضرورت کی گھڑی فرانس کا بادشاہ امریکہ کی مدد کو آیا تھا۔.....پین نے اتفاق کیا۔

جب اگلے دن پین سٹیج پر کھڑا ہو گیا تو ہاؤس میں خاموشی تھی۔ ہر آنکھ اُس شخص پر ٹکی ہوئی تھی۔ جس کا نام آزادی اور بھائی چارے سے جڑا ہوا تھا۔ وہ کم از کم، اُن کا تھا، بغیر کسی حیل و حجت کے۔ وہ علامت تھا اُس سب کا جس کے لیے وہ لڑ رہے تھے: وہ ٹام پین تھا۔

اور پھر وہ بانکل کے ذریعے بولا، خاموش کھڑا، مگر ایک غمزدہ وقار کے ساتھ جو ماراٹ کی غضبناک مداخلتوں پر بڑھ گیا تھا۔ حتیٰ کہ جو کچھ وہ کہہ رہا تھا بہت واضح ہو گیا، گیلری نے اس پر آوازے نہ کسے، وہ ٹام پین تھا۔ اس نے یوں ختم کیا:

''آہ، سیٹزنو! اُس شخص کو پھانسی پر ختم ہوتا دیکھ کر انگلینڈ کے استبدادیوں کو فتح مت دو جس نے میرے محبوب امریکہ کو اپنی زنجیریں توڑنے میں مدد دی!''۔

اس سے کوئی فرق نہ پڑا، ووٹ موت کے لیے تھا، اور 21 جنوری 1793 کو لوئی آف فرانس گلوٹین کر دیا گیا۔

پھر دنیا بدل گئی اور انقلاب اُس کے پاس سے اُڑ کر چلا گیا۔ بادشاہ کی موت کے چند دنوں کے اندر اندر، تقریباً یورپ کا ہر ملک بشمول انگلینڈ فرانس کے ساتھ جنگ میں تھا۔ اور جبکہ دشمن افواج سرحدوں کے پار تیاریاں کر رہی تھیں، پیرس شہر کے اندر گرونڈن اور جیکوبنز خود اپنی آپسی مہلک جنگ لڑ رہے تھے۔

پین نے تجویز دی کہ وہ افواج کے ساتھ سرحدوں پر جائے گا۔ فوجی لیڈر اس پر مسکرا دیے۔

''آپ سپاہی بننے کے لیے بہت بوڑھے ہیں موسیو''۔ انہوں نے اُسے یقین دلایا، جان بوجھ کر نہ سمجھتے ہوئے۔ اور جب اس نے بہادری سے کہا ''ایک فوج بندوقوں کے علاوہ بھی بہت سی چیزوں سے لڑتی ہے''۔ تو ان کے ابرو اٹھے اور وہ مسکرائے۔

پھر، دوسروں کے ساتھ، اُسے انگلینڈ کے عوام کے نام ایک پیغام تیار کرنے

کو مقرر کیا گیا۔

''محض ایک پیغام؟''۔ اس نے کہا۔ ''اور کیا وہ پیغام وہ کچھ کر دے گا جو میرے سارے منصوبے اور کام نہ کر سکے؟''۔

''آپ اسی کام کے لیے موزوں ہیں''۔

''محض اس.....''۔

مگر اس نے اس قدر بھرپور لکھا جیسے وہ کبھی بھی لکھ سکتا تھا، پیغام کو یوں موڑ دیا کہ اسے برطانوی عوام کے 99 فیصد کبھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس نے اُس کی مدد کی.....۔ اُس کی تحریر نے ؛ اُس نے اسے مصروف رکھا، مگر اس نے ان شکوک میں سے ایک کا بھی جواب نہ دیا جو اُسے اندر اندر سے کھائے جا رہے تھے۔

''فرانس چھوڑ دو؟''۔ اس نے خود سے کہا۔ مگر پھر؟۔ پھر زندہ رہنے کا مقصد؟۔ وہ اپنی بریزیئر سازی کا کام بھول چکا تھا۔ وہ ایک انقلابی تھا۔ وہ صرف یہی کرنا جانتا تھا۔ صرف اس کے لیے موزوں۔

نہیں، وہ فرانس نہیں چھوڑ سکتا، ابھی نہیں، نہیں جب تک انقلاب کی امید باقی تھی، جب کہ گرونڈن اور جیکوبنز ایک دوسرے کے لیے اپنی نفرتیں اس دیر تک بھول پائیں کہ فرانس اور ریپبلک کو زندہ رہنے کی اجازت ہو۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ یہ دراڑ مندمل ہونے کے بجائے بڑھتی گئی۔ ایک نئی صورتحال پیدا ہو گئی تھی، مڈل کلاس کے لیے عوام کی نفرت، مڈل کلاس میں عوام کا خوف۔

پیرس کے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ توپکیں بانٹی گئیں۔ اور ماراٹ اور اس کی پارٹی کے خلاف پین کی بڑھتی ہوئی نفرت کے ساتھ رفتار قائم رکھتے ہوئے، اُس کے اندر گرونڈنوں کے لیے ایک بڑی ہوتی ہوئی کراہت پیدا ہوئی جو ذرا سی گنجائش دینے سے پہلے انقلاب کو تباہ کر دیتے۔

وہ سیاہ دن تھے، اور ٹام پین اکیلا تھا۔

اکیلا وہ ماراٹ اور ڈینٹن کو لکھتا رہا، دلیلیں دیتا رہا۔ ڈینٹن اس کے خطوط نظر انداز کرتا تھا۔ پیرس کے اوپر خوف کا ایک بادل چھانے لگا تھا، اور ڈینٹن، جو کہ وقتاً فوقتاً ہجوم کی ڈکٹیٹرشپ پہ شبہ میں دِکھتا تھا، خود اپنی گردن پہ چوکسی محسوس کرنے لگا تھا۔ ماراٹ نے سینٹ جسٹ پہ دھاوا بولا:

''کوئی شخص نہیں جانتا کہ کب مرنا ہے!۔ میں پین سے تنگ آچکا ہوں، اس کی موت کی حد تک۔ کیا وہ سوچتا ہے کہ ایک انقلاب گلابوں سے کشید ہوتا ہے، عطر کی طرح؟''۔

''مجھے شک ہے کہ پین سوچتا ہے''۔ سینٹ جسٹ مسکرایا۔

''میں تو اس سے تنگ آچکا ہوں''۔

تنہا۔ پین خدا سے دعا کر رہا تھا۔ پین کی طرح کا شخص آسانی سے دعا نہیں کرتا، جب وہ مضبوط ہو اور اس کے ہاتھ چوڑے ہوں، جب اس کا ایک دماغ ہو اور ایک دل ہو اور اُن لوگوں کے لیے حقارت اور نفرت ہو جنہوں نے خدا کے نام کو صدیوں کی توہین بنا دیا۔ ایک شخص خدا کو تنہا چھوڑتا ہے اور انسانوں کی طرف آتا ہے اور وہ کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو راست ہو۔ مگر پین بوڑھا تھا اور تھک چکا تھا، اور وہ دعا مانگ رہا تھا ''انہیں فہم دے دے''۔

تنہا۔ اس نے گرونڈنوں کو کہا ''اپنی دیانت دکھا دو، فرانس اور بنی نوع انسان کے لیے اپنی محبت دکھا دو، اور میں عوام کو تمہاری طرف لانے میں راہنمائی کروں گا''۔

اور گرونڈنوں نے اپنی دیانت فراڈ کی بہت عمدہ صورت میں دکھائی۔

ایک نوجوان، نیلی آنکھوں والا، نیند بھرا انگریز، نام جس کا تھا جانسن، جو ہفتوں سے ہر جگہ پین کے پیچھے پیچھے چلتا تھا، اس کا Boswell (بایوگرافر) بننے کے خواب دیکھتا ہوا۔ جانس بہت مستقل مزاج نہ تھا، وہ خود کو جہادی نواب کے بطور دیکھتا تھا، وہ خود کو ایک انقلابی کے بطور بھی دیکھتا تھا، اور یہ دونوں باتیں اچھی طرح ساتھ نہیں چل رہی تھیں۔ وہ بری شاعری لکھتا تھا، اور وہ ایک فرانسیسی لڑکی کی محبت میں گرفتار تھا۔

اُس کی عاشقی اُس کی شاعری کی طرح بری تھی، اور پین کو صبر سے دونوں سننے پڑے۔ لڑکی اس قدر صابر نہ تھی، اور کبھی کبھی وہ جانسن پر ہنستی تھی، عموماً اُس وقت جب وہ اُسے بتاتا تھا کہ وہ اس کے لیے مرتا ہے، یا جو بھی اُن دونوں کے بیچ آئے گا وہ اسے مار ڈالے گا۔

''تم میرے لیے نہیں مرو گے، میرے ننھے احمق''۔ اس نے سکون سے کہا۔ ''اور اگر کوئی اور ہے تو وہ میرا معاملہ ہے''۔

وہاں ایک اور بھی تھا، ایک جیکوبن، اور اس کی وجہ سے جانسن نے لیفٹ کی اس پارٹی کے خلاف ایک بالکل ہی ابنارمل خوف اور نفرت بنا ڈالی۔ جب لڑکی نے اُسے بتایا، اتنی نرم دلی سے جتنی وہ کر سکتی تھی، کہ وہ اُس دوسرے سے محبت کرتی ہے تو وہ پین کے پاس آیا اور ماراٹ اور اس کی ساری پارٹی کو برائی کی جڑ کے بطور بددعائیں دینے لگا۔

پین نے معاملے کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا، یہ سوچتے ہوئے کہ اس سے کچھ برآمد نہ ہوگا، مگر جانسن نے، کئی دن تک خودکشی کے خیال سے کھیلنے کے بعد، بالآخر کوشش کر ہی ڈالی۔ اس نے ایک چاقو استعمال کیا، یہ نہ جانتے ہوئے کہ اس قدر فرسودہ طریقے سے اپنی جان کو ختم کرنے کے لیے ہمت کی ضرورت ہوتی ہے، اور نتیجتاً محض خود کو خون آلود کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

مگر غوطہ مارنے سے قبل اس نے پین کو ایک خط لکھا، ماراٹ کو الزام دیتے ہوئے۔

وہ بہت چوکنا ہوا جب تک کہ اُسے معلوم ہوا کہ کس جانسن نے کس طرح کوشش کو بھونڈے طریقے سے کیا تھا، پین نے خط یہ کہتے ہوئے برسوٹ کو دکھایا، کہ ''ماراٹ ایک اچھا سودا کر چکا ہے، مگر میں جانسن کے خود کو زخمی کرنے کے لیے اسے الزام نہیں دیتا''۔

''پھر بھی اگر وہ مر جاتا ہے۔.....'' برسوٹ نے غور و فکر کے انداز میں کہا۔

گرونڈن اُس کمزور الزام کے ساتھ ماراٹ کو انقلابی ٹریبونل کے سامنے کھینچ لائے۔ یہ اقتدار کا اُن کا آخری مختصر موقع تھا.....اور بالکل وہی موقع تھا جس کی ماراٹ کو تلاش تھی۔ ٹریبونل کے سامنے ماراٹ نے الزامات کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ایسے وقار کے ساتھ کھڑا ہو گیا جو اس نے اس سے قبل کبھی نہ دکھائی تھی، اور پرسکون انداز میں خود کو ایک منصفانہ عوام کے منصفانہ

غصے میں پیش کیا۔

گرونڈن اپنی حد سے تجاوز کر چکے تھے.....اور اس طرح خاتمہ شروع ہوا۔اور پین تھکن سے صرف آہ بھر سکتا تھا''احمق لوگ.....اوہ، بے چارے بے وقوف احمق لوگ''۔

گرونڈنوں کا خاتمہ مہیب غمگینی کے ساتھ آیا۔ایک روز پین بریسوٹ کو بتا رہا تھا،''آخر میں، ریپبلکن فرانس کو تباہ کرنے والے جیکو بنز نہ ہوں گے، بلکہ وہ تم ہو گے۔تمہیں اُن سب باتوں کی قسم جن کی خاطر ہم زندہ رہے، اُن کے ساتھ صُلح کر لو۔کیا تم ماراٹ سے مجھ سے زیادہ نفرت کرتے ہو؟۔میں تمہیں بتاتا ہوں ریپبلک مر رہا ہے''۔اور اگلے روز یہ ختم ہو چکا تھا۔

گرونڈن ڈانگ گھما گھما کر مار رہے تھے، اُن کی ضربیں ہر جگہ لگ رہی تھیں۔اور کچھ بھی حاصل نہ کر رہے تھے۔انہوں نے جیکو بنوں کو گرفتار کر لیا، اجتماعوں پر پابندی لگائی۔اور وہ الزامات اگل رہے تھے۔اور پھر پیرس کے عوام نے اپنی توپکیں اٹھالیں اور جمع ہونا شروع ہوئے۔ایک زیادہ بڑے پیمانے پر۔پھر ہر جگہ فلیڈیلفیا تھا، مگر اِس بار پین درمیانی جگہ میں تھا۔اس بار عوام نے نہ تو پین کو یاد رکھا نہ اُس کی طرف رخ کیا۔اُن کا قہر وغصہ گرونڈنوں کے خلاف تھا، اور اگر کسی نے بتایا کہ پین اُس پارٹی کا اصلی ذہن تھا، تو انہوں نے محض اپنے شانے اچکائے۔بتیس ہزار رضا کار پورے شہر میں اپنی بندوقوں کے ساتھ موجود تھے اور سارا دن وفود گرونڈنوں کی گرفتاری کے لیے چیختے چلاتے کنونشن ہال پہ یلغار کرتے رہے، جنہوں نے انقلاب کے ساتھ دغا کی تھی۔آخر کار، پریشان اور خوفزدہ کنونشن اُس دن کے لیے ملتوی کی گئی، اور ایک ایک کر کے دل شکستگی میں جھکے کاندھوں کے ساتھ گرونڈن اسمبلی ممبران ہال سے نکل گئے، چیختا ہوا ہجوم اُن کو راستہ دینے بہ مشکل ایک طرف ہو رہا تھا۔مگر جب پین نکلا، تو وہاں ایک لمحے کی خاموشی تھی.....

اُس رات کوئی نیند نہ تھی۔وہ بانکل کے گھر گئے، ڈووال، کونڈورسیٹ، بریسوٹ اور گواڈٹ، اور وہ صبح صادق تک بیٹھے رہے اس پہ غور کرتے ہوئے کہ کیا ہو گیا۔اُن کے ساتھ کیا ہو گا، کچھ نے تو خودکشی کی تجویز دی۔

''بہر صورت''پین نے اداسی کے ساتھ کہا''ریپبلک مر گیا ہے۔کل ہجوم کی آمریت

اور اس کے بعد انارکی ہو گی.....اور اس کے بعد خدا جانے کیا ہو گا''۔

اس دن کے سورج نے ان کے خوفوں کو سچ ثابت کیا۔پیرسیوں کی مسلح اور جمع شدہ تعداد ایک لاکھ تک بڑھ چکی تھی۔انہوں نے کنونشن ہال کے گرد ایک تاریک، غصیلا گھیرا بنایا، اور اندر ممبروں نے، درست نادرست نہ جانتے ہوئے کہ کلہاڑی گرے گی کہاں، عوام کی امنگوں کے مطابق فرمان جاری کیا۔گرونڈن لیڈروں کو کنونشن سے خارج کیا گیا اور حراست میں لیا گیا۔فرنچ ریپبلک مر گئی، پیرس کے بھوکے اور ناراض غریبوں نے درمیانے طبقے کا تختہ الٹ دیا اور انقلاب کا دھارا ایک ایسے خطرناک اور عجیب سمت میں موڑ دیا گیا جس کی پہلے کبھی بھی کھوج نہ لگائی گئی تھی۔

انہوں نے پین کو کچھ نہ کہا، پین جو کہ ایک گرونڈن تھا.....یا کم از کم گرونڈنوں کا ایک دوست اور ہمکار تھا۔وہ ابھی ٹام پین تھا جو دلدل میں رہا تھا جہاں عالمِ انسانیت صدیوں سے پڑا تھا، اور آزادی کی منادی کی تھی۔حتیٰ کہ پیرس والے بھی، دکانوں اور فیکٹریوں اور لومز کے چھوٹے لوگ، حتیٰ کہ وہ بھی جو گرونڈنوں سے سخت نفرت کرتے تھے، پین کے خلاف ایک انگلی تک نہ اٹھاتے تھے۔

خاموش اور تنہائی میں وہ گلیوں میں تن کر چلتا رہا۔وہ سب اُسے جانتے تھے، اس کی تیز نوکدار ناک، اس کی مڑی ہوئی آنکھیں، اس کے چوڑے جھکے کندھے اور اس کے گوشت بھرے کسانوں والے ہاتھوں کو فوری طور پر پہچانا جاتا تھا۔وہ انقلاب کا باپ تھا۔یہ وہ شخص تھا جس نے پانی کے تین ہزار میل پار، امریکی جنگل میں کہیں، سوئے ہوئے بنی نوع انسان کو جگایا تھا.....اور چونکہ وہ یہ جانتے تھے، وہ اُس کے ساتھ ظالم نہ تھے، وہ اُسے گالیاں نہ دیتے تھے جس طرح کہ وہ گرونڈنوں کو گالیاں دیتے تھے، اور کبھی کبھار اُسے ایک مہربان لفظ بھی کہا جاتا تھا، جیسے کہ''سلام، سٹیزن''، اور''یہ مختلف نظر آ رہا ہے سٹیزن، نہیں؟''، یا''تم ہمارے ساتھ ہو سٹیزن۔ہم نے غداروں کو نکال باہر کر دیا ہے، اور اب تم ہمارے ساتھ ہو.....''۔

وہ کب اُن میں سے نہ تھا؟۔اس نے خود سے پوچھا۔اُن کا بے چارہ چھوٹا اقتدار انارکی

میں تارتار ہو چکا تھا، اور ر پبلک مر چکا تھا۔ اس کے خواب مر گئے تھے۔

وہ بے خوابی سے برانڈی کی بوتل کے ساتھ لڑا، اور وہ جاگتے رہنے سے لڑا۔ اس نے اپنا ذہن بنالیا کہ جب وہ اُسے گرفتار کرنے آئیں گے، وہ تن کر کھڑا ہوگا اور کہے گا: ''میں سٹیزن ٹام پین ہوں''، اور بس انہیں دیکھتا رہے گا۔ مگر وہ اسے گرفتار کرنے نہ آئے۔ اُس نے سنا کہ انگلینڈ میں لوگوں نے اپنے جوتوں کے تلوؤں میں کاپر کے سکے پین کی تصویر کے ساتھ چسپاں کر دیے تھے، تا کہ وہ اُسے مٹی میں ڈال سکیں۔ وہ خبر بھی ایک بوتل میں حل ہوگئی۔ وہ خود سے بے خبر دس روز تک پیتا رہا، محض خود پہ اس قدر کنٹرول کہ شراب کی دکان تک مزید برانڈی کے لیے رینگ کر جا سکے۔ وہاں ویٹر نے اُس سے کہا:

''شراب میں تم پر بیچوں گا مگر میں اپنے ضمیر پر پین کی موت نہیں چھوڑوں گا''۔

ایک دن کے لیے وہ ہوش میں رہا تھا، وہ رات کو جاگ گیا؛ چیختے ہوئے، اور جب ہوٹل میں انگریزوں میں سے ایک، جیکسن نے اسے بتایا ''یسوع کے لیے، پین، تم خود کو مار رہے ہو'' تو اُس نے جواب دیا ''یہی وقت ہے، ہیں نا؟ ۔ جہنم میں جائے، یہی وقت ہے!''۔

اور پھر وہ دوبارہ دھت ہوگیا، دن کے بعد دن، دن کے بعد دن، الٹیاں کرتا ہوا، بیمار، ایسی چیزیں دیکھتا ہوا جو نہ تھیں اور ایسی چیزیں جو تھیں، شیون کیا ہوا، گندا، خود کو اپنے کمرے سے گھسیٹتا ہوا اور بڑبڑاتا ہوا:

''وہ بدبخت بوتل کہاں گئی؟''۔

اُس طرح، تقریباً تیس دن تک ..... جب تک غصہ آیا، اس قدر شدید اور خوفناک غصہ کہ جب اس نے قے کر دی اور کانپا تو اس سے وہ ہوش میں آیا۔ برانڈی کی دو بوتلیں بچی ہوئی تھیں اور اس نے انہیں فرش پر دے مارا۔ وہ کمرے میں آگے پیچھے، ایک بھنچی ہوئی مٹھی اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتا ہوا، بار بار خود کو ایک پرسکون، سرد آواز میں بتاتا رہا:

''تم احمق، تم بدبخت ملزم احمق، یہ تو محض ابتدا ہے، تم نے سات سال کہے اور وہ بھی ستر میں، یہ تو محض ابتدا ہوگی۔ تم گندے، بدبخت، نشئی، بدمست احمق!''۔

150

13

پرماتما اور انسان کے بیچ دلیل

انقلاب چلتا جاتا ہے۔ایک شخص انقلاب نہیں بناتا، نہ کہ ایک ہزار آدمی، نہ ایک فوج اور نہ ایک پارٹی۔انقلاب عوام سے آتا ہے جب وہ خدا کی طرف پہنچ جاتے ہیں،اور خدا کا ذرا ذرا حصہ ہر شخص میں ہوتا ہے اور ہر شخص اِس کو نہیں بھولتا۔لہذا یہ انقلاب ہے جب غلام اپنی زنجیریں ہلا ڈالتے ہیں،اور انقلاب ہے جب ایک مضبوط آدمی ایک کمزور کی طرف جھک جاتا ہے اور کہتا ہے ''یہ ہے کامریڈ، میرا بازو''۔

انقلاب چلتا جاتا ہے اور کوئی چیز اسے نہیں روکتی!۔لیکن چونکہ عوام وہ تلاش کر رہے ہیں جو اچھا ہے، نہ کہ وہ جو عیار ہے یا طاقتور ہے یا ظالم ہے یا امیر ہے یا ضمیر فروش ہے، بلکہ صرف وہی جو اچھا ہے۔اُسی کی وجہ سے عوام ایک سیاہ راستے کے بعد دوسرے پہ ٹھوکر کھاتے اور محسوس کرتے ہیں۔عوام سب کچھ دیکھنے والے نہیں ہیں بہ نسبت اُس کے جو اُن کے حکمران ہوا کرتے تھے۔یہ ارادے میں ہے کہ وہ مختلف ہیں۔

اُس کا کچھ، یا اس کا سارے کا سارا، پین جان گیا۔اور وہ یہ جان گیا کہ وہ یعنی پین انقلاب نہ تھا، بلکہ صرف ایک آدمی تھا۔زمین پر کوئی دیوتا نہیں ہوتے، صرف انسان ہوتے ہیں۔اور یہ بات سیکھنے میں اسے بہت وقت لگ گیا تھا۔

اس کا چہرہ تناؤ میں تھا، اس کا بدن لاغر تر۔جب وہ ایک بار پھر کنونشن کے ہال میں داخل ہوا تو اس کے چوڑے کندھے ہمیشہ سے زیادہ جھکے ہوئے تھے۔انہوں نے اُسے گرفتار کرنے کی کوئی حرکت نہ کی۔''اسے دوڑ جانے دو'' ماراٹ نے کہا۔'' اُسے شیطان کی طرف جانے دو!''۔ لیکن پین بھاگ نہیں گیا، اور اب وہ واپس آ گیا۔اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے جب وہ خود پر ایک ہزار ٹکی ہوئی آنکھوں کے درمیان چلتا ہوا اپنی سیٹ کی طرف جا رہا تھا۔

اور جب پین واپس آ رہا تھا تو وہاں ایک سرسراہٹ تھی، ایک بھنبھناہٹ تھی اور کئی لوگوں کے کھڑے ہونے کی آواز تھی۔گیلریاں اور ممبر اُسے دیکھنا چاہتے تھے، وہ احمق جو واپس شیر کے منہ میں چلتا آ رہا تھا۔پین نے اپنی نشست ڈھونڈ لی، ایک لمحہ کے لیے ایک ایک شخص کو کھڑا دیکھتا رہا اور پھر بیٹھ گیا۔

''سٹیزن پین''۔سپیکر نے اُسے پہچاننے کا اعتراف کیا۔

تالیوں کی ایک لہر تھی، پین نے اپنے آنسو پونچھے اور فرش پر دیکھنے لگا۔

سینٹ جسٹ نے اس پر حملہ کیا، تقریباً چیختے ہوئے: ''میں تم پہ الزام لگاتا ہوں!''۔

سٹیزن پین کھڑا ہوا اور آگے جھکا اور پوچھا ''کس بات کا سر.....آپ مجھ پہ کس بات کا الزام لگاتے ہیں؟''۔

''فرانس سے غداری کرنے کا!''۔

''میں نے فرانس سے کوئی غداری نہیں کی''۔پین نے سکون سے جواب دیا۔

سینٹ جسٹ نے پین پر ملکی سرحدوں سے باہر شاہی خاندان کے ساتھ ناجائز روابط رکھنے کا الزام لگایا، جس پر پین نے اپنا سر ہلایا اور کہا:

''آپ ٹام پین سے بات کر رہے ہیں سر''۔

حتیٰ کہ گیلریاں تک اس بات پر تالیوں سے غرا اٹھیں۔''مجھ پر بہت چیزوں کا الزام لگائیے'' پین نے کہا ''مجھ پر ایک ریپبلکن ہونے کا الزام لگائیے، اپنے دوستوں کے ساتھ وفادار رہنے کا الزام لگائیے، ایک انگریز یا ایک فرانسیسی نیز ایک امریکی سے محبت کرنے کا الزام لگائیے .....مگر غداری کا نہیں، سر، بادشاہوں سے ہمنوائی کا نہیں۔میں ایک نوجوان شخص نہیں ہوں۔میرے پاس پیچھے دیکھنے کے لیے کافی کچھ ہے، اور میں اپنا دفاع نہیں کروں گا''۔

سینٹ جسٹ نے مزید کچھ نہ کہا۔

یوں پین کنونشن میں بیٹھا مگر بولا کچھ نہیں ۔ تاریخ بہت تیز چل رہی تھی ، اور اُسے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ اجلاسوں میں شرکت کر رہا تھا اس لیے کہ وہ ایک مندوب تھا اور اس لیے کہ وہ وہ واحد کام کر رہا تھا جو وہ جانتا تھا۔ مگر وہاں اُس کے لیے کچھ نہ تھا۔ اور وہ خوفناک حد تک تنہا تھا۔ اُس کے دوست جیل میں تھے ۔ دوسرے اُس کے دوست رہے ہوں گے مگر اب اُس سے کنی کترا رہے تھے اس لیے کہ وہ مشکوک تھا۔ ایک پورا عہد ایک ہفتے یا ایک ماہ میں اکٹھا ہو گیا تھا۔ ماراٹ شارلٹ ' کورڈے کے خنجر سے مر گیا ، اور رابس پائرے نے اُس کی جگہ لے لی ، ایک دل موہ لینے والا شخص ، بہت شائستہ اور بہت فرانسیسی ، مگر مضبوط جیسے لوہا اور نہ مڑنے والا جس طرح چٹان ۔ خود کو ایک انسان دوست ، کہتا تھا۔ اس نے پین کو بتایا:

''میں عوام میں سے ہوں اس لیے کہ میں اُن کی ساری ضروریات محسوس کرتا ہوں ۔ اُن کی تکالیف ، اُن کے دکھ ، اُن کے درد ۔ تم ایک زمانے میں عوام میں سے تھے ، ہیں نا ، سٹیزن پین ؟''۔ یہ اس کا طرز تھا ، جہاں سب سے زیادہ درد ہوتا وہ وہیں گہرا دبا دیتا۔

''میں ایک بریزیئر ساز تھا'' پین نے کہا۔ ''اور ایک موچی ، اور میں ایک جولاہے کی دکان پہ جھاڑو دیا کرتا تھا اور میں ہفتے میں ایک پینس کے لیے گند میں کھدائی کرتا تھا۔ میں عوام میں سے ہونے کا دعوی نہیں کرتا.....''

اور یہ ایک ایسی بات تھی جسے رابس پائیرے کبھی فراموش نہ کرتا۔

فرانس کا نیا حکمران فولاد کا بنا ہوا شخص تھا۔ اُسے ہونا ہی تھا۔ قوم کے چاروں اطراف سے دشمن فوجیں قریب آ رہی تھیں ۔ صوبے مکمل بغاوت میں تھے ، اور یہاں وہاں ردانقلاب نے مقامی سطح پہ مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔

انقلابی ٹریبونل کام کرنے لگا ، اور وہ عرصہ شروع ہوا جسے دوبارہ منظم کردہ ''دہشت'' کہا جاتا ہے ۔ نہ مصالحت تھی اور نہ رحم ۔ یا تو آپ انقلاب کے وفادار ہیں یا انقلاب کے دشمن ۔ اور جس پہ شک ہو جاتا اُسے دشمن ہی سمجھا جاتا تھا۔ روز بہ روز ناشائستہ چھکڑے پیرس کی گلیوں میں سے لڑھکتے تھے ، اُن کے لکڑی کے بڑے پہیے کراہتے اور چوں چوں کرتے ، اُن کے پیٹ گلوٹین کے

نئے شکار لوگوں سے پھولے ہوتے ۔ اور روز بروز بڑا چاقو خود کو بلند کرتا اور ایک اور گردن پہ گرنے کے لیے چھوٹ جاتا۔ بادشاہ کی بیوی سے لے کر ایک شراب خانے کے مالک تک ، ایک مسکراتے رئیس تک ، ایک دائی تک جس نے اُسے پناہ دے رکھی تھی ۔ یہ انقلاب کا ایک طرز تھا جس کا پین نے کبھی خواب نہ دیکھا تھا۔ نہ ہی دراز قامت کسانوں نے جنہوں نے ہمیشہ یہ جانا کہ آزادی اُن کی زندگیوں کا ایک حصہ تھی ، مگر خوفزدہ چھوٹے لوگ جنہوں نے ہزار سال میں پہلی بار آزادی دیکھی تھی ۔ اور قتل پہ قتل کیے جاتے تھے جو کچھ بھی اس کی تعمیل کے راستے میں آ جاتا۔ 94-1793 کی سردیوں کے بطور پیرس پہ ایک سیاہ بادل چھا گیا ، ایک خون آلود بادل ۔ رابس پائیرے کو ایک مضبوط شخص ہونا تھا۔

اور جیسے جیسے سر لڑھکتے رہے پین کے وہ دوست مرتے جا رہے تھے جنہوں نے میدانوں کی پارٹی یا گرونڈنز قائم کی تھی ۔ غدارانہ یا دھوکے سے ، یا کمزور ، یا سمجھ کے بغیر ، یا خوفزدہ ، یا بہادر ، یا بزدلی سے ، یا اُس واحد طرز پہ حق پہ ہوتے ہوئے جسے وہ جانتے تھے ، وہ سب مر گئے ۔ رولاں اور اس کی بیوی کونڈورسیٹ ، بریسوٹ ، پیشن ، لیبرن ، ورگنیاڈ ، بوزوٹ .....سب کے سب ، سب اُس چاقو کے نیچے ۔ اور جو کہ ایک تاریک راہ کے آخر پہ سیاہ دروازہ تھا جس میں کہ آزادی آوارہ آئی تھی ۔ ریپبلک زندہ باد.....اور ریپبلک بھی مر گیا۔ پین ایک شہرِ موت تھا۔

اس عرصے کے دوران پین ابھی تک منطق نکالتا کنونشن میں شریک ہوتا تھا۔ اُسے ہونا تھا ، اُسے جو اِس وقوع پذیر تاریک چیز میں سے تھا۔ یا پھر بصورت دیگر وہ زندہ نہ رہتا۔ اچھے سادہ لوگوں کو کیا ہو گیا؟۔ انہیں کس چیز نے متحرک کیا؟۔ انہیں کس چیز نے حرکت دی ؟۔ کیا انہیں رحم ، شائستگی ، اچھائی بھول چکی تھی یا پادریوں بادشاہوں نے اِن الفاظ کو اس قدر گندا بنا دیا تھا کہ اب دوبارہ اُن کے معانی نہیں ہو سکتے تھے؟۔ پین کو یہ معلوم کرنا تھا۔

اس نے وہائٹس ہوٹل سے اپنی رہائش ، ترک کر کے پیرس کے نواح میں ایک فارم ہاؤس میں بنائی تھی ۔ یہ ایک بڑی ، چونا کی ہوئی ، پتھر اور لکڑی کی بنی عمارت تھی جو ایک ایسی دنیا پہ ایک

دھوکہ تھی جو منہدم ہو رہی تھی۔ بہت سے طریقوں سے، یہ نیا گھر پین کو ایک انگریز چھوٹے کسان کی جگہ کی یاد دلاتی تھی۔ خشت کیا ہوا احاطہ، بطخوں، مرغیوں، پھولوں اور پھلدار درختوں اور انبار کی ہوئی گھاس کا ایک مجموعہ۔ پھر یہ اُسے پنسلوانیا کی یاد بھی دلاتی تھی۔ وہ ایسی عمر کا تھا جس میں کئی چیزیں یاد آتی ہیں، سب تہہ در تہہ، اس کے بے چین دماغ میں۔ فارم میں اس کے ساتھ چند اور انگریز مرد اور عورتیں تھیں۔ وہی جانسن جس نے خودکشی کی ناکام کوشش کی تھی۔ ایک مسٹر اور مسز کرسٹی، ایک مسٹر ایڈمز، غمزدہ ریڈیکلز جو اب مزید ریڈیکل نہ رہے تھے، بلکہ جنہیں انقلاب کے تیز بہاؤ نے ایک طرف پھینک دیا تھا۔ وہ پین کے سنگت وصحبت تھے۔ اُن کی بڑبڑاہٹیں، اُن کی غیر واضح مدہم بے چاری بے اطمینانیاں، اُن کے خوف سب کچھ اس کے اپنے خوفناک اور شخصی مسئلہ کے ساتھ عدم مطابقت میں تھے۔

مرگ پین کے لیے کوئی خاص اہمیت نہ رکھتی تھی۔ گو کہ وہ امید رکھتا تھا اور دعا کرتا تھا کہ ایسا نہ ہو۔ مگر اُس میں ایک احساس تھا کہ اس کے کام کا زیادہ حصہ پورا ہو چکا ہے۔ چیزیں اُس سے آگے جا چکی تھیں۔ جو کچھ اب وہ محسوس کر رہا تھا اُسے عقل کے مطابق بنانے کی سخت ضرورت تھی، ایک ایسی دنیا میں استدلال کی ضرورت جس پر انارکی حکمران تھی۔ کبھی کبھی وہ دوسروں کے ساتھ تاش بانٹنے بیٹھ جاتا، مگر تاش اُس کے لیے نہ تھے۔ ابھی تک تاش کے پتوں سے پرے ایک دنیا تھی

۔

''میں ٹام پین ہوں''۔ اُسے یاد آتا اور تب وہ واپس پیرس چلا جاتا اور ایک بار پھر انقلاب کے بہاؤ کے اندر غوطہ زن ہو جاتا۔ وہ ابھی تک کچھ چیزوں کے لیے موزوں تھا۔ اور جب بات امریکی پالیسی کی ہوتی تو وہ خاموشی کے ساتھ جیکوبنوں کو وہ سارا علم اور اطلاع دے دیتا جو اس کے پاس ہوتی۔ وہ امریکی سفیر گورنیئر مورس سے بہت کم علم واطلاع لیتے تھے۔

قسمت کے پھیر نے گورنیئر مورس (پرانے فلیڈ یلفیا کے عوامی ابھار میں پین کا رجعتی مخالف) کو انقلابی فرانس میں امریکہ کا سفیر بنا دیا۔ قسمت کا یہ پھیر بذات خود آنسوؤں اور قہقہوں کا باعث تھا۔ پین کا خیال تھا کہ وہ اس بظاہر پاگل پن کے پیچھے سبب دیکھ سکتا تھا۔ ارسٹوکریٹ

مورس برطانویوں کے لیے زندہ ثبوت تھا کہ امریکہ میں 1780، اور 1781 کے قدامت پسند دوبارہ اقتدار میں تھے۔ وہ انگلینڈ کے ساتھ کھیل کھیل سکتے تھے.....۔

''ہمیں کرنا پڑتا ہے''۔ وہ کہتے: ''ہم ایک چھوٹی، نئی قوم ہیں، بہ مشکل دردِزہ سے نکلے ہوئے۔ ایک اور جنگ ہمیں ختم کر دے گی۔ کسی بھی قیمت پر ہمیں انگلینڈ کے ساتھ امن برقرار رکھنا ہوگا۔ اور یہ انقلابِ فرانس.....اچھا، ہمارا اس خون بہانے سے کیا کام؟''۔ اس لیے انہوں نے مورس کو سفیر بنا کر فرانس بھیجا۔ وہی چبا چبا کر طنز کرنے والا مورس جس نے ایک بار کہا تھا کہ پین نہ تو صاف ستھرا ہے نہ ہی اشراف بلکہ میل اور گند کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جسے بہت عقلمندی سے انگلینڈ کی جلد سے کھرچ کر نکال دیا گیا۔

خود اپنے طریقے سے، ایک مکمل غیر سرکاری طریقے سے پین امریکہ کا نمائندہ تھا۔ اُس سرزمین کے شہریوں کے لیے چھوٹی بڑی اچھائیاں کرتا ہوا جس کے لیے اُس نے جنگ لڑی تھی۔ بحری جہازوں کے کپتانوں کو انقلابی کسٹم اور قوانین کے چنگل میں سے مدد کرتا، جس طرح سے بھی خدمت کر سکتا کرتا۔ مثال کے طور پر جیمز فاربی، دولت کے لیے جنگ کرنے والا ایک حقیر سپاہی، جو کہ بہت زیادہ ذہین نہ تھا، ایک شاہ پسند سازش میں پکڑا گیا تھا، جو کہ اُس کا کام نہ تھا۔ اب وہ اپنے سر کو تن سے جدا کرنے والی پتلی بلیڈ کا انتظار کر رہا تھا۔ پین اُسے دیکھنے جیل آیا اور کہا ''تم جیسے احمقوں کے لیے معصوم انسانوں کو قیمت چکانا پڑتی ہے''۔

فاربی نے احتجاج کیا کہ اُس کا قصور نہ تھا۔ جنگ کے بعد وطن میں بغیر روزگار کے، اور فارغ اور بے کار، اور ایک ایسا شخص کیا کرے جو اٹھارہ سال کی عمر سے لڑنے کے علاوہ کچھ بھی نہ جانتا ہو؟۔

''اور تم جنگ میں تھے؟''۔

''جی ہاں، سر''۔

''کس کی کمان میں؟''۔

''گرین کے''۔

''اور لیفٹیننٹ کوارٹر ماسٹر کون تھا؟''۔

''فرینکلن''۔

''کپتان سیکریٹری؟''۔

''اینڈرسن، گرے، چیپلن، اور میرا خیال ہے اُس کے بعد، لونگ''۔

''کیا تم جرسی میں تھے؟''۔

''جرسی اور پنسلوانیا میں سر، اور اُس کے بعد کیرولیناز۔ میرے خدا، سر، میں آپ کے ساتھ جرمن ٹاؤن میں تھا، کیا آپ کو یاد نہیں؟''۔

پین نے انقلابی ٹریبونل کے سامنے پیش ہوتے ہوئے کہا، سست رفتار، ٹھہری فرانسیسی میں ''فار بی کو مرنا نہیں چاہیے۔ وہ ایک احمق ہے، اور ایک گدھا ہے، مگر وہ انقلاب کا ایک سپاہی ہے۔ کیا ہم سب ولی ہیں؟''۔

اور فار بی زندہ رہا، جس طرح میخائل پی باڈی اور کلارے ہینڈرسن زندہ رہے، اس لیے کہ پین نے اُن کے لیے دلائل اور درخواستیں دیں۔

مگر یہ سب کچھ بڑے مسئلے سے الگ تھا جس نے اُسے دبوچ رکھا تھا۔ ایک اور کتاب کا اہم معاملہ جسے لکھنا ابھی باقی تھا۔ اُس کے لیے جس نے کہ انقلاب کے لیے ایک سبب اور انقلاب کے لیے ایک ہینڈ بک دونوں لکھے تھے۔ بڑے فارم ہاؤس میں بیٹھے وہ اپنی سوچوں کے ساتھ جھگڑتا رہا اور زور دیتا رہا اور دہشت و درد کے ساتھ احساس کرلیا کہ اُس کی پرانی آسانی، گرمجوشی اور سبک دستی غائب ہوگئے۔ وہ صفحہ لکھ لیتا اور پھر پھاڑ پھینکتا۔ وہ الفاظ لکھتا اور وہ درست الفاظ نہ ہوتے۔ وہ بوڑھا تھا، سالوں میں اتنا نہیں جتنا کہ اپنے بڑے، کسانوں والے بدن کے استعمال میں، ایک ایسے دماغ کے استعمال میں جس نے خود کو جلا ڈالا تھا جس طرح کہ ساری انسانی تاریخ میں چند دماغوں نے کیا تھا۔ یہ ایک غمگین اور المناک چیز تھی۔ جب ایک شخص اُن اوزاروں کے استعمال کو کھو دیتا ہے جو اُسے زندہ رہنے کا سبب عطا کرتے ہیں۔ وہ جدوجہد کرتا تھا ایسی جو اس نے پہلے کبھی نہ کی تھی۔ اور پھر، وقتی طور پر دستبردار ہو جاتا، کنونشن ہال چلا جاتا اور بیٹھتا اور سنتا۔

انقلاب کا دھڑکتا دل یہاں تھا، اور یہاں وہ اپنی سوچوں کو دباتا تھا۔ ایک دن ایک سبب اور ایک محرک آیا جب فرانسس پارٹف اپنی نشست سے اٹھا اور چیخا:

''بھگوان کا تختہ الٹا جا چکا ہے، اور ایک پادری کی طرح کرپٹ مسیحیت زمین سے ختم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب دلیل حکمرانی کرے گی، خالص دلیل، ناقابل کرپٹ دلیل!''۔ اور وہاں پر کھڑے کھڑے، پارٹف نے ایک بائبل کو ٹکڑے ٹکڑے کیا، صفحہ بہ صفحہ۔

پین کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ وہ گلیوں میں سے گزرتا رہا اور قتل کی سزا پانے والی چار لاشوں کے ساتھ ایک ریڑھی دیکھی۔ وہ دریا کنارے چلا آیا اور قدیم پیرس کی پرانی چھتوں پر ایک سرخ سورج کو غروب ہوتے دیکھا۔ بھگوان مر چکا تھا؛ پین زیادہ سے زیادہ سست رفتاری سے چلتا رہا، اور پھر سورج جا چکا تھا، کچھ نہ چھوڑتا ہوا، سوائے آسمان میں منعکس ہوتی نیکی کے اور اس سے پہلے ایک طرز کو تلاش کرنے ایک ابابیل کے ''اور انسان جو پرماتما پر چڑھنا شروع ہو رہے ہیں، دیوتاؤں کی طرح ہونے کو، اسے قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے!۔ پھر زمین پر خون ہے، اور وہ نفرت کرتے ہیں.....وہ کس طرح نفرت کرتے ہیں!''۔

وہ گھر گیا اور لکھا؛ ایسا اب آسانی کے ساتھ ہو رہا تھا، دردناک گرفت میں لینے والی اس کی تحریر، سوچ ایک تیر تعمیر کرتی ہوئی جو لوگوں پر چھوڑ دیا جائے گا اور ایک بار پھر فریاد کرے گا۔ ''یہ ہے پین، انسان کا دوست''۔ وہ رات بھر لکھتا رہا، اور صبح کے وقت سو گیا، اس کا سر کاغذ پر تھا۔ صبح جب مسز کرسٹی اس کے لیے ایک انڈہ اور چائے لائی، وہ اُس طرح تھا، اس کا بڑا سر اور کندھے ڈیسک پر پھیلے ہوئے تھے، اس کی سانس اُس صفحے کو پھڑ پھڑا رہی تھی جس پر اس نے لکھا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بے خوابی کے ساتھ کتنی طویل اور خاموش لڑائیاں لڑ چکا تھا۔ وہ اُسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے خوراک نیچے رکھی اور خاموشی سے باہر چلی گئی۔

تقریباً دوپہر کو، پین جاگا، ٹھنڈی چائے کا کپ پیا اور پھر لکھنے لگا۔

دہشت قریب تر آ گئی، ایک سیاہ چادر کھینچتی رات پیرس پر، اور ایک ایک دو دو کر کے

انگریز ریڈیکل جو کہ فارم ہاؤس میں پین کے ساتھ تھے فرار ہوتے گئے، کچھ سوئٹزرلینڈ، کچھ شمال کو۔ مسز کرسٹی نے پین سے اپنے اور اپنے خاوند کے ساتھ جانے کی بھیک مانگی، مگر عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے، اُس نے پوچھا ''میں کہاں جاؤں؟''۔

''گھر''۔

''اور میرا گھر کہاں ہے؟''۔ پین حیران تھا۔ ''میں نے دنیا کو اپنا گاؤں بنالیا، اور اب اپنے اس کیے کو ''اَن کرنے'' میں بہت دیر ہو چکی''۔

''اور جلد ہی وہ تمہارے پیچھے آئیں گے ریڑھی کے ساتھ''۔

پین نے کندھے اچکائے ''اگر وہ انقلاب کے چلتے رہنے کے لیے میرا مرنا ضروری سمجھتے ہیں.....'' اس نے پھر کندھے اچکائے۔

وہ بڑے فارم ہاؤس میں اکیلا رہ گیا۔ اس کا واحد ساتھی مالک مکان تھا۔ اور پھر سپاہی آئے۔ چھوٹے، مونچھ دار فرانسیسی کے لیے جو اس جگہ کا مالک تھا، جارجیٹ اس کا نام تھا، ہیبتناک وارنٹ لیے۔

''مگر موسیو پین، انہیں بتایئے''۔ مالک مکان نے فریاد کی ''انہیں بتایئے کہ میں نے نہ تو سازش کی نہ منصوبہ بنایا''۔

''انہیں بتانا بے سود ہے۔ وہ وہی کریں گے جو انہیں کرنا ہے۔ اُن کے ساتھ جاؤ میرے دوست۔ کچھ اور کرنے کو نہیں ہے۔ اور کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اُن کے ساتھ جاؤ.....''۔

اور اُس کے بعد پین مکمل اور حتمی طور پر اکیلا تھا، اکیلا اور نہ خوفزدہ، اپنی ڈیسک پر بیٹھا ہوا اور ایک چیز لکھتا ہوا جسے اس نے ''دلیل کا زمانہ'' کا نام دیا۔

''مجھے آتشیں الفاظ سے لکھنا ہے، اس لیے کہ میں خوفزدہ نہیں ہوں۔ کل میں مر جاؤں گا، یا اگلے دن۔ موت اس قدر زیادہ ہوئی کہ میں اس کا حصہ ہو چکا ہوں، اور یوں میں اپنے خوف کو گم کر چکا ہوں۔ انہوں نے مجھے بھاگ جانے کا کہا، مگر پین کہاں جا سکتا ہے؟۔ امریکہ؟۔ انہیں امریکہ

میں آج ایک بوڑھے انقلابی کی ضرورت نہیں ہے.....یقیناً، میں نہیں جانتا کہ وہ امریکہ میں مجھے پہچانیں گے بھی یا نہیں۔ ورنان کا طویل قامت شخص اب وہ والا ساتھی سپاہی نہیں ہے جسے میں کبھی جانتا تھا۔ اُسے بھول چکا ہے کہ ہم نے کس طرح جرسی میں سے مارچ کیا تھا۔ انگلینڈ؟۔ اب سے سو سال بعد وہ مجھے اس سرزمین پر خوش آمدید کہیں گے جہاں میں پیدا ہوا تھا۔ میرا کام فرانس میں ہے اور فرانس کو دنیا کا نجات دھندہ ہونا ہوگا، اور اگر وہ پین کی جان لے لیں تو کیا نقصان ہے؟''

دلیل کا زمانہ، بڑے لفظوں میں لکھا ہوا، اور اس کے نیچے تین لکیریں کھینچی ہوئی۔ نئی دنیا کے لیے ایک پیشکش۔ بہادر، خوش اعتقاد، خوفزدہ نئی دنیا، جو کسی بھی دوسرے جتنا اُس کے ہاتھوں سے باہر آئی تھی۔ نئی دنیا نے بھگوان کو مسترد کیا تھا، اور لہٰذا، پین کے طرزِ فکر سے انہوں نے انسان کے لیے وجود کو مسترد کیا تھا۔ انسان بھگوان کا ایک حصہ ہے، بصورت دیگر وہ ایک وحشی ہے' اور وحشی، محبت اور خوف اور نفرت اور بھوک تو جانتے ہیں مگر نشاط و شادمانی نہیں۔ اب پین دیکھتا تھا کہ ان کی تاریخ خدا پرستی کا ایک تصور تھی۔ انسان گہری، تاریک دلدل سے آیا تھا، جنگلوں سے اور تنہا پہاڑوں سے اور وسیع میدانوں سے، اور ہمیشہ اس کا راستہ ایک متلاشی کا راستہ رہا تھا۔ اُس نے تمدن بنایا اور اس نے ایک اخلاقیات بنائی اور اس نے بھائی چارے کا ایک معاہدہ کیا۔ ایک روز، اس نے بوڑھوں کو قتل کرنا ختم کیا اور انہیں احترام دیا، بیمار کو قتل کرنا ختم کیا اور اُن کے زخم مندمل کیے، گم گشتہ کو قتل کرنا ختم کیا اور انہیں دکھایا کہ خود کو کس طرح تلاش کیا جائے۔ اس کے پاس ایک خواب اور ایک وژن تھا، مسیحیت اس کی ایک مثال تھی، جس طرح کہ نصرانیوں کا یسوع مسیح تھا۔ وہ ایک ہاتھ پیش کرتا، یہ کہتا ہوا، تم میرے بھائی ہو اور کیا میں تمہیں نہیں جانتا؟۔ اور اس نے خدا کو دیکھنا شروع کیا، جیسے ایک سٹیڑھی چڑھا جائے، زینہ کے بعد زینہ، ہمیشہ ایک ایسے کچھ سے قریب جو ازل سے انتظار کر رہا ہو۔ لکڑی کی شبیہیں، پھر سنگ مرمر والی، سورج اور تارے، اور پھر ایک منصفانہ ان دیکھی وحدانیت، اور پھر محبت و رحم کا ایک ان دیکھا، اور پھر ایک اشراف یہودی ایک صلیب پر میخوں سے گڑھا اور درد میں مرتا ہوا۔ انسان رکتا نہیں، وہ آزاد ہوگا اور عالمی پیمانے پہ بھائی چارہ اور ایک

میساچوسٹ گاؤں میں ایک ٹوپک فائر کی جاتی ہے۔

اور اب انقلاب نیچے ایک انجانی سڑک پہ چلا گیا۔ اُس نے ایک منظّم زر پرست، اور شکاری چرچ سے بے زار ہو کر کہیں نہیں اور کوئی چیز نہیں کی۔ بے خدائی کو گلے لگا لیا تھا۔ چنانچہ پین نے خود سے کہا: ''میں ایک اور کتاب لکھوں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ میں ایک ایسے خدا کے بارے میں جانتا ہوں جس نے کبھی میرا ساتھ نہ چھوڑا'' اور وہ شروع ہو گیا۔

''پچھلے کئی سالوں سے میرا ارادہ رہا کہ مذہب کے بارے میں اپنے خیالات لکھوں۔ مجھے ان مشکلات کا بخوبی ادراک ہے جو اس موضوع میں ہیں، اور اُس وجہ سے میں نے اسے زندگی کے زیادہ پکے حصے کے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ میرا ارادہ ہے کہ یہ میری آخری پیش کش ہو گی جو میں ساری اقوام کے اندر اپنے ساتھی شہریوں کو پیش کروں گا۔ اور وہ ایک ایسے وقت پر جب نیت کی پاکیزگی جس نے مجھے اس پہ راغب کیا، کسی سوال کو قبول نہ کر سکے گی، حتیٰ کہ اُن کی طرف سے بھی جو اس تصنیف کو نامنظور بھی کریں۔

''وہ صورتحال جواب فرانس میں پادری گیری کے سارے قومی نظام اور مذہب کے جبری نظاموں سے متعلق ہر چیز، اور عقیدے کے جبری دفعات کے مکمل خاتمے پر وقوع پذیر ہوئی ہے، اس نے نہ صرف میرے ارادے کو مضبوط کر دیا بلکہ اس طرح کی ایک تحریر کو بے حد ضروری بنا دیا۔ خدانخواستہ توہم پرستی، جھوٹے نظامہائے حکومت اور نقلی دینیات کے عمومی کھنڈر میں، ہم اخلاقیات انسانیت اور اُس دینیات کی بصارت کو کھو دیتے ہیں جو سچا ہے۔

''جس طرح کہ میرے کئی ساتھیوں نے، اور فرانس کے دوسرے میرے ساتھی شہریوں نے عقیدے کو اپنا رضا کارانہ اور انفرادی پیشہ بنانے کی مثال پیش کر دی، میں بھی اپنے والا عقیدہ بناؤں گا اور میں یہ بھرپور اخلاص اور بے باکی کے ساتھ بناتا ہوں جس کے ساتھ کہ انسان کا دماغ اپنے ساتھ بات چیت کرتا ہے۔

''میں ایک خدا پہ یقین رکھتا ہوں، اور بس۔ اور میں اِس حیات کے بعد کی خوشی کی امید رکھتا ہوں۔

''میں انسان کی مساوات پر یقین رکھتا ہوں۔ اور یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ مذہبی فرائض انصاف کرنے، رحم سے پیار کرنے اور ہمارے ساتھی مخلوقات کو خوش رکھنے کی محنت پر مشتمل ہیں۔

''مگر، خدانخواستہ یہ فرض نہ کیا جانا چاہیے کہ اِن چیزوں کے علاوہ میں کئی چیزوں میں عقیدہ رکھتا ہوں۔ میں اس تحریر کی بڑھوتری کے اندر اُن چیزوں کا اعلان کروں گا جن پر میں عقیدہ نہیں رکھتا اور اُن پر عقیدہ نہ رکھنے کے لیے اپنے دلائل کا اعلان کروں گا۔

''میں یہودی چرچ، رومن چرچ، یونانی چرچ، ترکی کے چرچ، پروٹسٹنٹ چرچ کی طرف سے دعویٰ کردہ عقیدے پر ایمان نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی بھی چرچ کی طرف سے جسے میں جانتا ہوں۔ میرا اپنا دماغ ہی میرا چرچ ہے۔

''کلیساؤں کے سارے قومی ادارے، خواہ وہ یہودی ہوں، مسیحی ہوں یا ترکی والے، مجھے انسان کے گھڑے ہوئے سے زیادہ نہیں لگتے، تاکہ بنی نوع انسان کو خوفزدہ اور غلام بنایا جائے اور اقتدار و منافع پر اجارہ قائم کیا جائے''۔

اس طرح، ایک شروعات ہوئی۔ اس نے جس چیز پر عقیدہ تھا لکھ دیا، وہ بھی جس پر وہ ایمان نہیں رکھتا تھا، اور پھر اُس نے محنت کی، دن بہ دن۔ اُس پرانے اور خالی کردہ ویران فارم ہاؤس کے اندر وہ ایک عقیدہ تشکیل نہیں دے رہا تھا؛ لوگوں نے پہلے ہی ایسا کیا تھا، عمل سے بھی اور الفاظ سے بھی۔ یسوع نے ایک صلیب پہ اُسے تشکیل دیا تھا اور یہی کچھ نیو انگلینڈ میں ایک سرسبز گاؤں پہ مرتے ہوئے ایک دیہاتی لڑکے نے کیا تھا۔ یہی کچھ ہزاروں اور لاکھوں دوسروں نے کیا تھا۔ اُس کے لیے تو صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ اِس کو فارمولیٹ کرے اور اسے انقلاب کے اپنے انسائیکلوپیڈیا میں آخری تحریر کے بطور رکھ دے۔

اُن خاموش دنوں کے دوران جب وہ ''دلیل کا زمانہ'' پر کام کر رہا تھا، وہ پرانے پیرس زیادہ نہیں جاتا تھا۔ ایک بار انگریزی میں لکھی ہوں بائبل کی تلاش میں (بائبل وہاں بہت تھیں مگر سب فرانسیسی میں تھیں) گیا مگر وہ کنگ جیمز والے نسخے کو حاصل نہیں کر سکا تھا۔ یہ اس کے لیے مشکل میں اضافہ کر رہا تھا، کہ وہ اپنی یادداشت پر کام کر رہا تھا، پیچھے اُن کے اقتباس دینا اپنے لڑکپن کے

سارے زمانوں میں تلاش کرنا جب اس نے کچھ حصے بار بار پڑھے تھے، کام کرتے ہوئے اُن کے حوالے دینا، کبھی صحیح کبھی غلط۔ بائبل ضروری تھی، اس لیے کہ ایک ایسے عقیدے کے بارے میں لکھنا، جو کہ ایک مناسب، شریف، اور اچھے شخص کے لیے قابل قبول ہو سکے۔ اُسے توہم پرستی کے اُس پورے تار و پود کو پھاڑنا پڑا، بے باکی کے ساتھ اور سفاکی کے ساتھ جو زمانوں سے بُنا گیا تھا۔

اکثر اُسے انگلینڈ سے اپنی کتاب کے لیے مواد منگوانے کی خواہش ہوتی، مگر وہاں تو ڈاک کے ایک ٹکڑے کا گزرنا بھی طویل اور غیر یقینی تھا، اور پین کو فوری ضرورت کے ایک مہلک احساس نے دھکیل رکھا تھا۔ 1793 کا سال ختم ہوتے وقت پیرس میں، اس کے آس پاس رہنے والا کوئی بھی ''دھشت'' کے جنازے کی چادر کو نہیں بھول سکتا۔ اُس نے معنی اور دلیل گم کر دیے اور اُس نے ایک پاگل درندے کی طرح وحشت کو اپنا لیا تھا۔ پہلے یہ دایاں بازو تھا، مگر اب انتہائی بائیں بازوں کے جیکوبنز نے گلوٹین کے جلوس میں شمولیت کی۔ پین کو جس چیز سے سب سے زیادہ ڈر تھا وہ آ رہی تھی، تشدد کا ڈکٹیٹر شپ پاگل ہو کر لوگوں پر حملہ آور ہو چکا تھا۔

پیرس کے اپنے ایک چکر پہ پین کو اپنا ایک پرانا شناسا جوئیل بارلاؤ ملا جس کی ایک بار اس نے اُس وقت مدد کی تھی جب بارلاؤ ایک فرانسیسی عدالت کے ساتھ قانونی مشکلات میں تھا۔

''جو کچھ بھی ہو جائے'' پین نے کہا ''میں زیادہ پرواہ نہیں کرتا، مگر میں ایک مسودے پر کام کرتا رہا ہوں جو جلد ہی مکمل ہوگا اور وہ میرے تئیں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگر وہ مجھے پکڑنے آئیں تو کیا میں وہ مسودہ تمہیں امانت کے طور پر دے سکتا ہوں؟''۔

''بہ خوشی''۔ بارلاؤ نے اثبات میں سر ہلایا، اور پھر پین سے امریکہ چلے جانے کی استدعا کی۔

''اچھے وقت پہ''۔ پین نے اثبات میں سر ہلایا ''جب فرانس میں میرا کام ختم ہوگا''۔

اُس نے اپنی کتاب مکمل کی تھی، اس کا نقطہ نظر کاغذ پر اتر چکا تھا۔ اور اُس نے بے پناہ اور حیرت انگیز سکون محسوس کیا۔ ایک ایسے آدمی کا سکون جو نہایا دھویا، صاف ہوا، اور آرام کرتا رہا ہو۔

اس نے دہریت پر ایک ضرب لگائی تھی۔ اور اس نے فرانس اور دنیا کے عوام کو انقلاب کے اُسے نظر آنے والے آگے کے سالوں میں برقرار رہنے کو ایک عقلی عقیدہ دیا تھا (یا اس طرح اس کا خیال تھا) ۔ اُس نے خدا کو اُس سب میں موجود ہونے کا اعلان کیا تھا جو انسان دیکھتا تھا، ایک پتے کی بھرپور متناسب شکل میں، ایک گلابی غروب آفتاب میں، رات کو ایک ٹوپی کی طرح سانچہ بنے لاکھوں ستاروں میں، زمین میں، سمندر میں، ساری مخلوقات میں۔ اُس نے انہیں بتایا کہ وہ ہلکے، بھدے معجزوں کی تلاش میں نہ ہوں جبکہ وہ خود، اور وہ دنیا جس میں وہ رہتے تھے، سارے معجزوں میں عظیم ترین تھے۔

اس نے انہیں خدا کو ماننے کا کہا اس لیے کہ وہ اور وہ دنیا جس میں وہ رہتے تھے خدا کے مضبوط ترین ثبوت تھے۔ خدا کا کام تخلیق تھا: اس کی بائبل اور ثبوت تخلیق تھی۔ یہ ایک درخشاں، زندہ ، دستخط شدہ مسودہ تھا اور اس کی حمایت کے لیے نہ تو توہم پرستی کی ضرورت تھی نہ دہشتناک کہانیوں کی۔ یہ ٹام پین تھا جو فرانس کو کہہ رہا تھا ''اگر تم اب دہریت کو منتخب کرتے ہو، تو کم از کم میں، اُس کا ساتھ نہیں دوں گا''۔

پیرس کے مختصر چکروں میں سے ایک میں وہ کنونشن ہال چلا گیا تھا اور بہت بری فرانسیسی میں دربان کو بتایا ''ڈپٹی (ممبر) تھامس پین، کالائیس کی نمائندگی کرنے والا''، اور دربان نے اُسے ایسے گھورا جیسے اُس نے ایک بھوت دیکھ لیا ہو۔ اور دوسرے گھورے، پورے ہال میں ابروئیں اٹھیں اور گردنیں بلند ہوئیں جب وہ اس کی طرف دیکھنے کو مڑے۔

ہال میں غیر ملکیوں کے پرانے ریڈیکل گروپ سے صرف ایک رہ گیا تھا، پروشیائی انا کارسس کلوٹز، انتہائی بائیں بازو والا، ایسا شخص جو اپنے عہد سے سو سال پہلے تھا، ایک سوشلسٹ جب سوشلزم وجود میں بھی نہیں آیا تھا، ذرا سا پاگل، بہت زیادہ ذہین، بے خوف، حد سے زیادہ صاف گو، بہت حد تک پین کی طرح، اور بہت حد تک اُس سے مختلف۔ ابھی تک، انہوں نے کبھی کبھار اکٹھے کام کیا تھا، مگر آسانی سے نہیں۔ پین ایک ریپبلکن تھا، جمہوریت کا وکیل۔ کلوٹز ایک ایسے

سماجی تصور کا وکیل تھا جس کی تھیوری بہ مشکل وجود رکھتی تھی۔اب اس نے پین کی طرف ہاتھ ہلایا، اوراس کے بعد ہال کو چھوڑتے ہوئے اس کے قریب ہوااور پکارا:

''ہیلو، میرے پرانے دوست، کہاں رہ گئے تھے؟''۔

''لکھ رہا تھا''۔

''سب لوگ مادام گلوٹین جانے سے پہلے لکھتے ہیں۔اوراب کیا بکواسیات لکھ رہے ہو؟''۔

''بھگوان اورانسان''۔

کلوٹز ایک لڑاکو دہریہ تھا، اب اس نے اپنا پیٹ پکڑ لیا، ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے اورپین کو پکارتے ہوئے بولا''ہم اس پر بحث کریں گے، ہیں نا؟''۔

اورانہوں نے بہت جلد اس پر بحث کرنا تھی۔

اُس کا وقت تقریباً پورا ہو چکا تھا۔اس نے ایک مہلت کی خواہش کی تھی، کسی ایسی زندگی گزارنے کی کسی بڑی خواہش کے ہاتھوں نہیں جو ہر طرح سے عملی طور پر ختم تھی، بلکہ اس لیے کہ، جیسے کہ ہمیشہ پہلے ہوتا رہا، اس کے پاس کوئی چیز تھی جسے اس نے محسوس کرلیا کہ اُسے کاغذ پر لکھنا چاہیے۔ مگراب جبکہ یہ سب ہوگیا تھا، تواب وہ تقریباً جوش سے اپنی تقدیر سے ملنے چلا گیا۔ انہیں اُسے ڈھونڈنا نہیں پڑے گا، وہ کوئی تارک الدنیا نہ تھا، اوروہ کبھی کسی انصاف سے نہ بھاگا۔ وہ پہلے ہی اس بڑے فارم ہاؤس میں بڑے عرصے سے تنہا رہا، یہ پین کے لیے نہ تھا، اس لیے کہ پین اپنے ساتھی انسانوں کے لیے احساس تھا، ان کی قربت تھا، ان کی آوازیں اوران کی مسکراہٹیں اور اورانکی محبتیں تھا۔اس لیے اس نے اپنے پاس موجود چند چیزیں پیک کرلیں، مکمل شدہ مسودہ، کچھ دوسرے کاغذات، ایک دو کتابیں اور کچھ قمیصیں اور زیر جامے..... یہ کوئی بڑا سامان نہ تھا مگر وہ دنیاوی اشیا کی ملکیت کے لیے کبھی نہ رہا تھا۔اگر ایک شخص دنیا کو اپنا محل بنالے، تو وہ اس دنیا کو لوازماتِ ضرور یہ سے آراستہ کرنے کی تلاش وکوشش نہیں کرے گا۔

وہ پیرس لوٹا اور وہائٹ ہوٹل، ابروئیں اٹھوانے کو اور سانسیں نرمگی سے اندر کھچوانے کو۔''

ابھی تک یہاں ہے، پین؟''۔

''ابھی تک یہاں ہے''۔

اورایسے تبصرے جیسے کہ''ہم م۔اس پرانے احمق جیسا کوئی احمق نہ ہوگا''۔

اوراُس کی پشت کے پیچھے، اشارہ، ایک گردن کے آر پار ایک انگلی .....''اگر وہ چاہتا ہے تو یہ اس کا اپنا معاملہ ہے''۔

اُس نے ایک برانڈی منگوائی، اس نے جام تجویز کیا''فرانس کی ریپلک کے نام، ہمیشہ کے لیے جنٹلمین!''۔اورکوئی نہیں جانتا تھا کہ ہنسے یا مذاق اڑائے۔

کرسمس کے دن ہال میں ایک قرارداد پیش ہوئی کہ تمام خارجیوں کو کنونشن میں نشستوں سے الگ کیا جائے۔صرف دو خارجی رہ گئے تھے، پین اور کلوٹز۔اورقرارداد کا رخ انہی دونوں کی طرف تھا۔پین نے اُسے آتے ہوئے دیکھا تھا؛ وہ اُس وقت یہ جان گیا تھا جب وہ شہر لوٹا تھا، جب اُس نے ریپلک کے نام کا جام تجویز کیا تھااور جب وہ بالآخر سونے بستر پر گیا جو کہ ایک آزاد شخص کے بطور اُس کی آخری رات ہوسکتی تھی۔ وہ خوفزدہ نہ تھا۔ وہ اُس کے جلدی آنے کا خواہشمند تھا، مزید فرانس کا ایک ممبر پارلیمنٹ نہیں۔انقلاب کا ریلا اُسے ہتھیالے، اسے نگل لے اگر لازمی ہے۔

اورصبح سویرے، یہ آ گیا۔

لہٰذا.....جنرل سیکورٹی کی کمیٹی کے دو ایجنٹ اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہے تھےاوراپنا پُرشکوہ وارنٹ کھول رہے تھے جب وہ اپنے شب لباس میں آیااورانہیں اندر آنے دیا۔

''سٹیزن پین کے لیے! آپ موسیو، سیٹزن پین ہیں؟''۔

''ہاں''۔وہ مسکرایا''اندر آیئے جنٹلمن''۔

دونوں ایجنٹوں کے پیچھے ایک حوالدار اور چار سپاہی آئے۔حوالدار نے پین کی چارپائی کی پائیں پر اپنا پیر رکھا، سلیوٹ کرنے کے بعد سپاہی دونوں طرف۔

''مجھے کپڑے بدلنے کی اجازت دیجئے''۔پین نے کہا۔حوالدار نے شان سے سر ہلایا

اور دونوں ایجنٹ کمرے کی تلاشی لینے لگے۔پین نے اُن دونوں کے لیے برانڈی انڈیلی اور سپاہی ارادتاً کسی بھی چیز پر نہیں دیکھ رہے تھے۔''عمدہ برانڈی'' ایجنٹوں نے تسلیم کیا اور اپنی تلاشی جاری رکھی۔

جب پین لباس تبدیل کر چکا تو اس نے کہا''میں الزام کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں''۔

''موسیو مرسن'' ایک ایجنٹ نے اپنا تعارف کرایا، برانڈی کو ایک چھوٹا اعزاز بخشتے ہوئے ،اور وارنٹ کو پڑھتے ہوئے،''ریپبلک کے خلاف سازش''۔

''ریپبلک کے خلاف سازش''۔پین نے دہرایا، نرمی کے ساتھ اور تھکن کے ساتھ۔''سٹیزن پین سازش کرنے پر گرفتار۔وہ ایک خالی فارم ہاؤس میں تنہا بیٹھا ہے اور خدا کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے ،اور لہذا ریپبلک خطرے میں ہے ۔ میں حیران ہوں کہ کہیں دنیا میں مختصر ترین چیز انسان کی یادداشت تو نہیں؟''۔وہ انگریزی میں بولا تھا۔جب ایجنٹوں نے اپنے ابرو اٹھائے ،تو اس نے سر ہلایا''کچھ نہیں۔میرے کچھ کاغذات''برٹن ہاؤس'' میں ہیں۔کیا ہم وہاں جا کر وہ لے سکتے ہیں؟''۔اس نے ہر ایک کے لیے ایک اور برانڈی انڈیلتے ہوئے کہا۔

''حکم تو نہیں ہے'' مرسن نے کندھے اچکائے۔''مگر جب کوئی کسی ایسے سٹیزن کو گرفتار کرے جس کی وہ تعریف کرتا ہو تو بادلِ ناخواستہ استثنا کیا جا سکتا ہے''۔

برٹن ہاؤس میں بارؔلاؤ منتظر تھا اور پین نے اسے''دلیل کا زمانہ'' کا مسودہ دیا۔

''میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ کاش تم فرانس چھوڑ دیتے''۔برلاؤ نے کہا۔

''اور میں ہو سکتا ہے کروں، اُس سے بھی جلد جتنی میں توقع کرتا تھا''۔پین نے غمگینی میں جواب دیا۔''بارؔلاؤ، یہ جو چیز میں نے لکھی ہے ممکن ہے ردی ہو مگر مجھے یہ بہت عزیز ہے۔ایک بوڑھے شخص کی منہ پھٹائی میں، ایک زندگی کے خاتمے کے وقت۔اگر میں گلوٹین کیا جاؤں تو اسے شائع کرنے کی کوشش کرنا۔میرے کچھ دوست امریکہ میں ہیں،فلیڈیلفیا میں پبلشرز میرے لیے ایک بار پھر ایسا کریں گے ، پرانے وقتوں کے صدقے ۔وہاں جیفرسن اور واشنگٹن ہوں گے جو میرے خیال میں مجھے یاد رکھتے ہیں۔اگر تمھیں اُن کے جذبات سے کھیلنا پڑے تو انہیں بتا دو،

انہیں ایک ایسے زمانے میں ایک بوڑھے سپاہی کی یاد لاؤ جس زمانے نے انسانی روحوں کا امتحان لیا تھا''۔

''احمق نہ بنو''۔بارؔلاؤ نے کہا۔

مرسن نے کہا''پلیز سٹیزن میں نے آپ کو اپنی کتاب منتقل کرنے کی اجازت دے کر بہت اچھائی کی ہے اور یہاں آ کر اور آپ کے دوست سے مل کر بہت بے وقوفی کی ہے۔مگر اب ہمیں چلنا چاہیے''۔

''آپ اِسے کہاں لے جا رہے ہیں؟''۔برلاؤ نے پوچھا۔

''لگنر مبرگ، فی الحال''۔

جیل کی طرف جاتے ہوئے وہ کافی دیر انارکسٹ کلوٹز کو گرفتار کرنے کے لیے رکے رہے، اور پھر، دونوں طرف سپاہی لیے، دونوں سابقہ اسمبلی ممبروں کو گلیوں میں سے گزارا گیا۔کلوٹز خوشی میں آپے سے باہر ہو رہا تھا۔وہ اس آخری مارچ کو کسی قدر شیطانی انداز میں لے رہا تھا۔''تو ، ہم جا رہے ہیں دوست پین''۔اس نے چھوٹی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔''تم انقلاب کی لمبی لکیر کے ایک سرے پر اور میں دوسرے سرے پر، اور آخر میں، اس سب سے اچھی لیڈی گلوٹین پہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔وہ کاٹ ڈالے گی ایک بار، دو بار، اور پھر یہ خاتمہ ہو گا پین کا اور کلوٹز کا۔اور کیا پرانے دوست؟''۔

''مگر کیوں؟۔وہ مجھ پر ریپبلک سے غدار ہونے کا الزام لگاتے ہیں، ایک ایسا الزام جس کا جواب مجھے نہیں دینا پڑتا۔پین کا نام ہی جواب کے لیے کافی ہے۔مگر وہ تم پر کیا الزام لگا رہے ہیں؟''۔

کلوٹز نے قہقہے کے ایک غضبناک دورے کو آنے دیا''تم ایک بوڑھے آدمی ہو پین، حتیٰ کہ ایک حد سے زیادہ سادگی بھی اس میں شامل ہے۔تم ایک ریپبلکن ہو، اور میں ، ہمارے زمانوں کے لیے ایک لفظ گھڑتے ہوئے، ایک پرولتاری ہوں۔تم نمائندگی کے ذریعے جمہوری طریقے پر یقین رکھتے ہو، اور میں اسی طریقے پر عوام الناس کی مرضی کے ذریعے یقین رکھتا ہوں۔تم کہتے ہو، عوام کی حکمرانی ہو، میں یہی کہتا ہوں۔ہم مختلف طریقوں سے ایک ہی چیز چاہتے ہیں۔میرا یقین ہے کہ تمھارا طریقہ ناامید ہے، ماضی کا حصہ ہے۔مگر ویسے ہم ایک ہی ہیں، اور ڈکٹیٹرشپ، جو یہ

ریپبلک آف فرانس تیزی سے بن رہی ہے، ہمیں نہیں چاہتی۔ چنانچہ شٹراپ شٹراپ.....اچھی لیڈی گلوٹین ہر چیز سنبھال لے گی''۔

وہ جیل کی طرف چلتے رہے اور ایک لمحے کے لیے کلوٹز خاموش تھا، اس کے جھاڑیوں جیسے گھنے ابرو مشتاق انداز میں سکڑے، اور پین کو لگا جیسے اس جرمن کو بالآخر اپنی منزل اور تقدیر کا احساس ہو گیا۔ مگر اچانک کلوٹز اُس کی طرف مڑا ہوا اور غرایا:

''پین تم یہ کیا حماقت لکھتے ہو، 'تخلیق بھگوان کی بائبل ہے' کے بارے؟ ہیں؟''۔

''ایک سادہ حقیقت، جس پر میں یقین رکھتا ہوں''۔

''کیا یقین رکھتے ہو!''۔ کلوٹز دھاڑا، مارچ کو روکتے ہوئے اور پین کی طرف مڑتے ہوئے، بازو کمر پر ''تم منظّم مذہب کو ترک کرتے ہو اور مسٹسزم کو عقلی استدلالی بنانے کو متبادل بناتے ہو! ۔پین میرے دوست تم مجھے صدمہ دیتے ہو۔ تمہارے ساتھ میں نے اپنے آخری قیمتی گھنٹوں میں سے کچھ گزارے۔ گلیوں میں ہر جگہ لوگ ہماری طرف دیکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے کھسر پھر کرتے ہیں: وہ جا رہے ہیں پین اور کلوٹز گلوٹین کی طرف۔ یہ دونوں اچھے سپاہی خود کو ریپبلک آف فرانس کہلانے والے، یہ دونوں ایجنٹ اپنے شوہر بے اور اپنی بیویوں کے پاس اس خبر کے ساتھ گھر جائیں گے کہ انہوں نے آخری مارچ اٹھارویں صدی کے دو عظیم ترین دماغوں کے ساتھ کر لیا۔ اور تم تخلیق کو بھگوان کی بائبل قرار دے کر اسے عقلی استدلال بخشتے ہو۔ کیا تخلیق؟''۔

''یقیناً ایسا ہوا ہے!''۔ پین نے اس کی بات کاٹ دی ''دہریت، اتفاق و حادثے کا عظیم عقیدہ!۔ کارڈز کے کھیل کی طرح، جب تک یہ عمدگی سے فٹ نہ ہوں ہر چیز محض ایک دوسرے کو گراتی ہے!''۔

''اور کیوں نہیں؟۔ استدلال کہاں ہے، ماسوائے ہمارے دماغ میں؟۔ خدائیت کہاں ہے سوائے عوام کے اندر؟۔ رحم کہاں ہے سوائے عوام الناس میں؟۔ ایک چیز قابلِ عقل اسی لیے بنتی ہے کہ ہم اُسے قابلِ عقل بناتے ہیں، اور ہم خدا کی طرف نہیں پہنچ رہے، بلکہ اچھائی کی طرف، عوام کی ایک کلیہ سازی، چھوٹے، دکھی انسانوں کا ایک تصور.....''۔

ایم مرسن نے مداخلت کی ''پلیز پلیز، سٹیز نو، ہم لگزمبرگ جیل کے راستے پر ہیں۔ میں آپ سے بحث نہ کرنے کی درخواست کرتا ہوں''۔

اور انہوں نے راہ چلنا جاری رکھا، کلوٹز اپنے پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے اپنی تھیوریز کو غراتا ہوا۔

انقلاب سے قبل، یہ لگزمبرگ کا محل ہوتا تھا، اب یہ گرفتاری کا گھر تھا، آخری سٹاپ۔ یہ مشہور قدیم باغات میں واقع تھا جہاں بس خوبصورتی ہی خوبصورتی تھی، تاکہ لوگ جو بڑی تعداد میں گلوٹین کو جائیں تو وہ اچھی آخری یاد ساتھ لے جائیں۔ کسی بھی اور جگہ دہشت اور گرمجوشی اس صفائی اور وحشت کے ساتھ مجتمع نہ تھے۔ عظیم کمرے، بلند چھتیں، قالینیں اور گلکاریاں اور ملمع کردہ کرسیاں، اور موت۔ اگر آپ اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوں اور اُن چیزوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں جو بہت دور تھیں، وسیع چیزیں اور حسین، جنہیں جیل میں لوگ الفاظ کے ساتھ زندہ کرتے ہیں، پنسلوانیا کی سبز پہاڑیاں، ڈوور کی سفید چوٹیاں، شمالی علاقہ کے قدیم باشندے، ایک سرما کے ہوا چلتے ٹھنڈے دن پہ باڑیں، سمندر میں ایک طوفان یا سمندر پہ طلوع آفتاب، اور اُن چیزوں پہ لطف لیتے ہوئے چھبنے والی چیخوں، ماتموں اور کراہنے اور خدا کے سامنے گڑگڑانے کا ایک سلسلہ سنتے، تو آپ اُن کا نوٹس نہ لینے کا دکھاوا کرتے۔.....اس لیے کہ انسانوں کا موت پر جاتے ہوئے، غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کرنا ساری چیزوں میں غمگین ترین ہے۔ مگر آپ خود سے سوچتے، نوابزادی، شاید.....یا اُس چھوٹے شخص کی بیوی جس کی روٹی سینٹ ڈینس پہ تمباکو کی دکان تھی، یا سیاہ لباس میں خاموش عورت جس کی کوئی شناخت ہے ہی نہیں۔

آپ اپنے کوارٹرز صاف رکھتے تھے خواہ آپ نے اس سے قبل کبھی کوارٹر صاف نہ رکھے تھے، اس لیے کہ آپ نے قبر کی دہلیز پہ ایک نزاکت پسند احساسِ نفاست حاصل کی تھی۔ آپ نے ہتک حاصل کی تھی، خواہ آپ ایک سردار تھے یا ایک قصائی، اس لیے کہ یہاں سارے طبقات ایک ناقابلِ یقین چھوٹی جمہوریت میں رہ رہے تھے جو دنیا نے اب تک دیکھی تھی۔ جب آپ روتے، تو

اپنے آنسو دوسروں کو نہ دکھانے کی کوشش کرتے ،اس لیے کہ لگزمبرگ میں اپنے قیام کی شروعات میں آپ نے آنسوؤں کی خاموش چھوت والی بیماری کی موجیں دیکھیں، 20 افراد ایک کمرے میں جہاں ایک نے رونا شروع کیا، پھر ایک اور نے، اور پھر ایک اور نے.....اور پھر سب نے۔

آپ فرانسیسیوں کی تعریف کرتے اگر آپ نے پہلے کبھی ان کی تعریف نہ بھی کی تھی جس طرح سے وہ موت کا سامنا کرتے تھے، جس طرح سے وہ اس کا مذاق اڑا سکتے تھے، جس طرح وہ اپنے کندھوں کو ایک سادہ، اظہاریت سے بھرپور اچکانے کے ساتھ اس کو اس کی ساری اہمیت سے محروم کر سکتے تھے۔ آپ چمنی صاف کرنے والے سے نواب تک لوگ دیکھتے۔ اس قدر مہذب کہ خواہ آپ اس لیے مر رہے تھے کہ ایک انقلاب پاگل ہو گیا تھا، تو آپ نے ایک بار بھی شک نہیں کیا کہ فرانس میں انسانیت کی نجات ہے۔ آپ جیلر ایم بینوئٹ سے واقف ہوتے، جو ایک اظہارِ ناپسندیدگی والی مسکراہٹ سے کبھی کبھی بولتا تھا ''میرا دل بڑا ہونا چاہیے.....موسیو میں ہی جانتا ہوں.....اس لیے کہ جب بھی میرے چارج میں سے ایک چلا جاتا ہے تو اس کے ساتھ میرے دل کا ایک حصہ بھی چلا جاتا ہے۔ آپ جو یہاں پر ہیں ایک بار مرتے ہیں..... اور میں کتنی بار مرتا ہوں؟۔ سو بار؟۔ ہزار بار؟۔ موسیو، میں کیوں چلا نہیں جاتا؟۔ میری جگہ کون لے گا؟۔ میں ایک ولی نہیں ہوں، مگر ایک ولن بھی نہیں ہوں''۔

آپ نے لوگوں کو کہتے سنا ''یہ دہشت ہے۔ یہ جنگ ہے''۔ شکایتاً نہیں، مگر اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے جس نے کہ ذرا سی وضاحت کر لی کہ کس طرح یہ عجیب، دھوپ بھری سرزمین ایک زمانے میں ایک سو سالہ جنگ میں رہی جس نے کہ اس کی تین چوتھائی کو ویران کیا تھا۔

آپ ایک گروپ کے ساتھ ہوں گے، اور ایک دروازہ کھلے گا، اور وہاں آپ میں سے ایک نیا ہوگا۔ بینوئٹ اسے اندر راہنمائی کرے گا اور معذرت خواہانہ انداز میں کہے گا ''وہاں شاید آپ کے کچھ دوست ہوں گے؟۔ آپ اپنی طرف سے بہترین کریں، میں اپنا حصہ کروں گا''۔ اور مڑتے ہی آپ اُسے پہچانیں گے۔ دوسرے بھی اُسے پہچانتے ہیں، کچھ سراسیمگی کے ساتھ، معمولی

اطمینان کے ساتھ۔ مگر وہ سب اس کا استقبال کرتے ہیں جیسے کہ وہ ایک کلب آ رہا ہو، نہ کہ آخری سٹاپ والی جگہ پر۔

آپ کے پرانے، اچھے دوست نے سنا کہ کل اُس کی باری ہے اور وہ آپ سے باغ میں اپنے ساتھ ایک سیر کے لیے کہتا ہے۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آپ احاطہ کے گرد چکر لگاتے ہیں، چکر پر چکر، ایک بار بھی تذکرہ نہ کرتے ہوئے کہ یہ آخری سرد زمستانی شام کی آخری سیر ہے۔ اور زمستانی سرمئی آسمان کو دیکھتے ہوئے آپ کو اُس خوبصورتی کا احساس ہوتا ہے کہ جو پہلے کبھی محسوس نہ ہوا تھا۔ برف گرنا شروع ہوتی ہے اور آپ کے دوست نے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی حل ہوتے ہوئے گالوں کے خلاف پھیلائی، بے شمار کروڑوں مگر پھر بھی سب مختلف، کبھی بھی ایک جیسی نہیں ہوتیں ''ہمارے لیے حیرت کی ایک لامتناہیت جو ہماری عظمت کے ساتھ ہمیں فریب دیتی ہیں''۔

یا نجمن نامی بچے کی ماں آپ پاس اس لفظ کے ساتھ آتی ہے کہ وہ اُسے لے جا رہے ہیں، اسے، جو صرف سترہ برس کا ہے''۔ ایک بچہ، ایک کمسن، ایک معصوم، وہ آپ سے حجت کرتی ہے ''کل میں نے اسے اپنے پستان سے دودھ پلایا، بالکل کل۔ اُس نے ایسا کیا کیا ہوگا کہ موت کا حقدار ٹھہرے؟''۔

آپ نہیں جانتے، اور ماں کو تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں، ایک انسان کے احمق، اندھا دھند طریقے سے۔ اور پھر آپ لڑکے تک جاتے ہیں، جو کہ آپ کی طرف اس قدر اعتبار سے دیکھ رہا ہے، اپنی آنکھوں سے آپ سے موت کے عظیم معمے کو حل کرنے کا کہتا ہے۔

اور یوں وقت گزرتا ہے، اور ابھی لگزمبرگ جیل کے علاوہ اور کوئی دنیا بالکل نہیں ہے۔

شروع میں، پین کو امید تھی۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا، کوئی بھی مرنا نہیں چاہتا۔ اور اس معاملے میں پین نے کوئی جرم نہیں کیا تھا، کسی غداری کا مرتکب نہ ہوا تھا اور تسلسل کے ساتھ ریپبلک اور انقلاب دونوں پر یقین کا اظہار کیا تھا۔ یہ صحیح تھا کہ اس نے ایک ایسی پارٹی کو ووٹ دیا تھا اور طرفداری کی تھی جس کا اب تختہ الٹ دیا گیا تھا اور جسے بے وقار کیا گیا تھا۔ مگر اُس صورتحال میں بھی

اُس کے عزائم پر کبھی شک نہ کیا گیا، اور اُسے جان بوجھ کر چھوڑ دیا جاتا رہا، جب کہ دوسرے سزائے موت پر چلے گئے۔ تو پھر اُسے جیل میں کیوں رکھا جا رہا ہے؟۔ غداری؟۔ اگر ہزار آدمی پین سے نفرت کرتے تھے، اس پر انسان کے علم میں موجود ہر جرم کا الزام لگاتے تھے، تو وہ کم از کم غداری کو لسٹ سے باہر رکھتے۔ وہ جس چیز پر عقیدہ رکھتا تھا اُس پہ اپنی وفاداری میں وہ کبھی بھی لڑکھڑایا نہ تھا۔

نہ ہی وہ ہنستے ہوئے دستبرداری کے ساتھ اپنی تقدیر کو تسلیم کر سکتا تھا، جس طرح کہ پہلے کلوٹز نے اور بعد میں ڈینٹن نے کیا تھا۔ عالمِ انسان کے اس سارے کاروبار کو دیکھ کر انہیں اس قدر دلچسپی ہوئی کہ گلوٹین کے نیچے موت ایک مضحکہ خیز کامیڈی میں آخری ٹھٹھا لگتی تھی۔ پین ہمیشہ سے زندگی سے محبت کرتا تھا۔ زندہ رہنے کی آسان حقیقت ایک مہم تھی، ہر نیا چہرہ اُسے مسرت کا ایک اضافی ٹکڑا پیش کرتا۔ وہ ایک حد تک صحبت پسند شخص تھا، محض اپنے ساتھی انسانوں سے محبت کرنے میں نہیں بلکہ ان کے لیے ایک جذبہِ شوق سے سرشار ضرورت محسوس کرتے ہوئے، جس کے بغیر زندگی برقرار نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اُسے ایک ملکیت کا احساس تھا جس نے کہ، ایکڑوں کے کسی چھوٹے ٹکڑے پر خود کو فکس نہ کرتے ہوئے، پوری دنیا کو بانہوں میں لے رکھا تھا۔

چنانچہ شروع میں اُسے امید تھی، اور وہ اپنی آزادی کے لیے لڑا۔ وہ نہ صرف فرانس کا ایک سٹیزن تھا؛ بلکہ وہ پہلے، اور اصل میں تو امریکہ کا ایک شہری تھا۔ اُس نے اُس سرزمین کے ایک ٹکڑے کو اپنا دودھ پلایا تھا، اُس نے اسے بڑا کیا تھا، اور اُسے اس کی نوزائیدگی کے کپڑوں سے باہر بڑے ہوتے دیکھا۔ لہٰذا، وہ بغیر کسی شرم یا جھجک کے، اپنی ضرورت کی اس گھڑی میں امریکہ کو پکار سکتا تھا۔

یہ بہت سادہ بات تھی، اُس نے اپنے دوستوں کو، بارلاؤ اور چند دیگر کو کہلا بھیجا کہ وہ سفیر مورس پر زور ڈالیں اور اُسے پین کی رہائی حاصل کرنے کا کہیں۔ اور یہ بہت سادہ بات تھی، اس لیے کہ انقلابی فرانس پوری دنیا میں دوستی کے لیے واحد قوم امریکہ کی طرف دیکھ سکتا تھا۔

یہ مورس کے دل کو مسرت بخشنے کی صورتحال تھی۔ فلیڈیلفیا میں ایک وقت تھا جب لوگ ایک چھوٹے سے گروہ کے خلاف اٹھے تھے جو امریکی انقلاب کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا

چاہتا تھا۔ اور اُن لوگوں کا لیڈر پین تھا، اور چھوٹے گروپ کا سربراہ گورنر مورس تھا۔ ایک وقت تھا جب فلیڈیلفیا میں ایک انقلابی ٹریبونل قائم کیا گیا، اور جو لوگ ٹریبونل میں بیٹھے تھے ان میں سے ایک ٹام پین تھا، اور جن لوگوں پر اس ٹریبونل نے فیصلہ صادر کیا تھا ان میں سے ایک گورنر مورس تھا۔ ''اس قدر آہستگی سے تقدیر کا پہیہ گھومتا ہے!'' مورس پُر لطف طور پر حیران ہوا۔ ''مگر اس قدر مناسب طور پر''۔ کتنے برسوں سے وہ اس لمحہ کا انتظار کرتا رہا..... بارہ؟ تیرہ؟۔ ایک شخص سالیں بھول سکتا ہے، مگر وہ کچھ چیزیں نہیں بھول پاتا۔ دوکانداروں اور سوئزوں کے اس دیس میں، پین اور کلوٹز پیرس کی گلیوں میں سے چلتے ہوئے دہریت کے بارے میں اپنے اپنے طرز پہ زور زور سے دلائل دیتے ہوئے جیل گئے؛ ہاں مورس نے اُس کے بارے میں سن رکھا تھا۔ کس قدر شاندار موقع ہوتا ہے جب ایک شخص بہ یک وقت اپنی دشمنی کا بدلہ بھی لے اور بہ یک وقت خدا کو راضی بھی کر سکے۔ ایک مختصر تحفظ کے بطور مورس نے جیفرسن کو لکھا، جو کہ اُس سب کی نمائندگی کرتا تھا جو انقلاب کے امریکہ میں بچ گیا تھا، عوام اور وہ اعلیٰ تصورات جس نے اُسے بنایا تھا:

''.....میں تذکرہ کروں، کہ تھامس پین جیل میں ہے، جہاں وہ جیزس کرائسٹ کے خلاف ایک پمفلٹ شائع کر کے خود کو لطف دیتا ہے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ آیا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا، کہ اُسے بقیہ قیدیوں کے ساتھ سزائے موت دی جا چکی ہوتی، اگر مخالف پارٹی اُسے ہتک سے نہ دیکھتی۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر وہ جیل میں خاموش ہو تو اُسے فراموش کر دیے جانے کی خوش قسمتی ملے گی۔ جبکہ اگر اسے زیادہ نوٹس میں لایا جائے، تو طویل عرصہ سے معطل کلہاڑی اس پر گر سکتی ہے۔ میرا خیال ہے وہ سوچتا ہے کہ میں اُس کی امریکی شہریت کا دعوی کر دوں، مگر اس کی پیدائش کا سوچ کر، اس ملک میں اس کی شہریت کے حقوق لینے اور جو جگہ اس نے پُر کی ہے، اس کو مدنظر رکھ کر میں زیادہ حق پہ شک کرتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ دعوی، کم از کم اِس وقت، خلافِ مصلحت اور غیر موثر ہوگا.....''۔

یہ کر کے، مورس آگے بڑھا، ایک صاف ضمیر کے ساتھ کہ اس نے خدا اور اپنے ملک دونوں کی خدمت کی ہے۔ پہلا قدم تھا پین کے گلوٹین ہونے کا جو کہ خدائے برتر کی عبادت ہوگی،

اور دوسرا اِسی بات پر فرانس کے ساتھ تعلقات توڑنے کا، جو کہ خدائے برتر کی عبادت کو امریکہ میں ہملٹن والی پارٹی کے مقاصد پر موڑ دے گا۔ بارلاؤ سے مورس نے کہا:

''پین مکمل طور پر میرے ہاتھ سے باہر ہے، فرانس کا شہری ہے، آپ جانتے ہیں''۔

''مگر وہ امریکہ کا شہری پہلے ہے''۔

''میں یہ یقین کرنے کو ترجیح دوں گا کہ امریکی اُس کے خاندان نہیں ہیں۔ میں اپنی آبائی سرزمین کے لیے ذرا سی عزت عزیز رکھنے کو ترجیح دیتا ہوں.....''

اور رابس پائیرے کے ساتھ: ''واقعی سر' میں آپ کے راستے پر کھڑا نہ ہوں گا اگر فرانسیسی ریپبلک کی بہبود کے لیے پین کو سزائے موت دینا ضروری ہو''۔

''اور آپ ناخوش نہ ہوں گے''۔ رابس پائیرے نے دلچسپی سے کہا۔

''ایسے معاملات پر کوئی خود کو وابستہ نہیں کرتا''۔

''پھر بھی اگر پین گلوٹین ہو جائے''۔ رابس پائیرے نے مورس کو اپنی چھوٹی چمکدار، ناترس آنکھوں سے ناپتے ہوئے کہا ''تو شاید آپ کے ملک کے کچھ حصوں میں کچھ ناخوشی ہوگی۔ مثال کے طور پر ملیشیا، جو پین کے ساتھ ساتھ لڑے اُسے یاد کریں اور اس کی موت پر اعتراض کریں۔ اور ہوسکتا ہے جیفرسن کو یاد آئے کہ پین نے ایک بار ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا نام ''کامن سینس'' تھا''۔

''میں آپ کو یقین دلاتا ہوں سر، کہ ایک ایسی جنگ کی ملیشیا جسے دس سال سے بھی زیادہ عرصہ ہو چکا، اور نہ ہی تھامس جیفرسن، صدر واشنگٹن کی خارجہ پالیسی پر بہت زیادہ دباؤ ڈالتا ہے''۔

''پھر بھی حتی کہ آپ کا صدر واشنگٹن اگر اسے ایک سبب کی ضرورت ہوئی .....خالصتاً تھیوریٹکل بات کرتے ہوئے۔..... یہ یاد کرے کہ ایک وقت وہ اور پین پکے رفیق رہ چکے تھے اور وہ یاد کرتے ہوئے وہ امریکی عوام کی ہمدردیوں پر کھیلے.....''۔

''اگر آپ خفیہ اشارہ کرتے ہیں...''۔

''میں کچھ اشارہ نہیں کرتا'' رابس پائیرے نے خاموشی سے کہا ''یہ موسیو امریکی سفیر ہے جو خفیہ اشارہ کرتا ہے۔ اسی دوران اچھی لیڈی گلوٹین کافی خون پیتی ہے۔ جب پین کا وقت

آئے گا تو وہ فرانس کا انصاف چکھے گا، اور اُس وقت تک موسیو امریکی سفیر کو صبر سے انتظار کرنا چاہیے۔ موسیو امریکی سفیر کو انقلاب فرانس سے توقع نہ کرنی چاہیے کہ وہ اپنے ٹریبونلز کو استعمال کرے گا ذاتی.....''۔

''بس کافی ہے سر''۔ مورس نے کہا

پھر بھی وہ انتظار پہ مجبور تھا۔ وہ ایک طویل عرصے تک انتظار کرتا رہا، اور وہ تھے مزید چند ہفتے یا مہینے؟۔

پین کے لیے اُن میں سے کوئی چیز عیاں نہ تھی، کہ لگزمبرگ میں ہفتے مہینوں تک پھیل جاتے تھے۔ اُس نے پیرس میں رہنے والے امریکیوں کے ہاتھوں اُس کی طرف سے ایک پٹیشن کا کنونشن میں داخل کرنے کا سنا، اور اس نے اُس حقارت بھرے جواب کا سنا جو کنونشن کے معمر صدر نے دیا۔ اس نے فرانسیسی وزیر خارجہ اور مورس کے بیچ ایک خط و کتابت کا سنا، اور اس نے اسے اچھی نیت سے لیا۔ یہ درست ہے کہ مورس اسے پسند نہیں کرتا تھا، مگر کوئی بھی کسی شخص کو موت نہیں دیتا جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اور اُس کی قید کے بارے میں کچھ بھی نہ بنا تو پین کی امید جواب دینے لگی، مگر یہ مکمل طور پر کبھی بھی ختم نہ ہوئی۔

دہشت مزید خوفناک ہوگئی اور گلوٹین کے شکار لوگوں کا بہاؤ تیز کر دیا گیا۔ ایک وحشتناک خاموشی لگزمبرگ پر چھا گئی، پابندیوں کا سخت ہونا، باہر کی دنیا سے سارے رابطوں کا سخت کرنا۔ ہفتے اور مہینے گزرے اور کسی شخص نے بھی اس جگہ کو نہیں چھوڑا ماسوائے ایک واحد سبب کے۔

کلوٹز کے جانے کا وقت آیا۔ اس نے پین کی طرف ہاتھ ہلایا اور ہنسا ''اب میرے خدا پرست دوست، میں دیکھوں گا کہ خدا کے معاملے میں ہم دونوں میں کون صحیح ہے، جبکہ تم یہاں بیٹھو اور اپنے بے چارے دماغ کو کھپاؤ''۔

اور ڈینٹن نے، اُسی طریقے سے اُسی خونی بلیڈ کی طرف جاتے ہوئے، پین سے ہاتھ ملایا، کسی قدر غمگینی سے مسکرایا اور بڑبڑایا: ''کس قدر احمق دنیا ہے، صرف بچوں اور احمقوں کے لیے

موزوں!''۔

اور لوزان نے نرمگی اور پر جوش انداز میں کہا'' الوداع، میرے دوست پین۔ تمہیں کامریڈوں کی تلاش نہیں ہوگی اگر ان کے پاس وہاں ریپبلکن ہوں''۔

اور رونسن نے کہا'' تم تنہا ہوگے پین۔ پوری دنیا جنہیں ہم جانتے تھے پہلے چلی گئی''۔

اکیس راتیں، پھر چالیس، ایک خوفناک وقت دوسو سے زیادہ۔ شریف بینوئٹ اب جیلر نہ تھا، گوئیارڈ نامی ایک لحیم شحیم، سادیت پسند وحشی اِس پرانے محل کا نگران ہوا۔ اس نے احاطہ بند کردیا اور قیدیوں پر اُن کی موت سے قبل معمولی ہوا اور معمولی آسمان بھی بند کردیا۔ اس نے انہیں بتایا:

'' بولو، اور تمہاری باتیں سنی جائیں گی۔ سازش کرو، اور میں جانتا ہوں تم کیا سازش کررہے ہو۔ گوئیارڈ کبھی نہیں سوتا''۔

ایک لحاظ سے یہ سچ تھا۔ اس نے یہ جگہ اپنے جاسوسوں سے بھر دی، کسی کو گلوٹین بھیجنے کو ایک لفظ کافی تھا۔ اس دوزخیت میں، پین ایک انسان سے زیادہ کچھ بن گیا؛ وہ ایک روح اور عقیدہ بن گیا، وہ سہارا اور نجات دہندہ بن گیا۔ وہ جانتا تھا کہ کب مسکرانا ہے.....اور ایک مسکان روئے زمین پہ واحد چیز تھی جو ان بے چارے شیطانوں کو دی جاسکتی تھی۔ وہ، وہ چند الفاظ جانتا تھا جو ایک شخص کو اس کی موت تک جانے میں مدد کرتے ہیں۔ وہ ایک ماں کو تسلی دینے کا ایک جملہ جانتا تھا۔ وہ اُن تھک تھا، بغیر خوف کے، بغیر جھجک کے۔ مریل، اس کی صحت گر رہی تھی، البتہ ایک کمرے میں داخل ہوتا ہوا اس کا بڑا استخوانی جثہ کا نظر آنا اس کمرے کے مکینوں کو مسرور کرنے کو کافی تھا۔'' یہ موسیو پین ہے، آیئے آیئے''۔ اس کے پاس کہانیوں کا ایک خزانہ موجود تھا، چبا چبا کر بات کرنے والا، امریکی سرحدی لطیفوں، جن کے، اس کا بہت بری فرانسیسی میں ترجمہ، تقریباً بالکل ہی کوئی معنے نہیں بناتے تھے، مگر جو کہ پر مذاق تھے اور کافی بے معنی۔ اُن بے چارے شیطانوں کو جو انہیں سنتے پیٹ میں درد پیدا کرنے والی ہنسی ہنساتے۔ اور وہ جانتا تھا کہ کب ہنسی مذاق کی جائے؛ وہ جانتا تھا کہ کب خاموش ہوا جائے، کب اس کی محض موجودگی کافی ہوتی، کب ایک لفظ کافی ہوتا۔

اور مرد کے بعد مرد، عورت کے بعد عورت اپنی موت سے ملنے جاتے ہوئے کہتے:'' سٹیزن پین کو بلاؤ''۔

وہ اپنے ننگے کمرے میں لیٹا تھا۔ گرم اور سرد بخار سے نڈھال، وقت اس کے لیے اپنے معنی گم کرچکا اور غائب ہوگیا۔ بخار آگ کی اتار چڑھاؤ والی موجوں کی طرح آیا اور واپس گیا اور وہ ایک گھناؤنے خواب والی دنیا میں جیا، جس میں ولی اور شیطان رہتے تھے۔ اس نے غیر واضح انداز میں محسوس کیا کہ لوگ داخل ہورہے اور جارہے ہیں، چیخیں کبھی کبھار اُسے حیران کرتی تھیں کہ وہ کہاں تھا، اور ایک شفاف لمحہ اُس نے ایک شخص کو کہتے سنا:

'' یہ بدنصیب مررہا ہے''۔

اور اس کی کم پرواہ تھی، یا بالکل نہ تھی، اس لیے کہ بخار اکثر واپس آتا تھا، اُسے جلاتا تھا، اُسے کپکپاتا تھا، پھر دوبارہ جلاتا۔

پھر ایک بہت طویل وقت کے بعد ہوش بحال ہوا۔ اس نے پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے۔

''جولائی''۔

اور اس نے گنا'' جنوری، فروری، مارچ.....''۔

''میں ابھی تک لگزمبرگ میں ہوں؟''۔

'' بالکل صحیح سٹیزن، مگر معاملات تبدیل ہوئے۔ رابس پائرے مر چکا ہے۔ سینٹ جسٹ مر چکا ہے۔ حوصلہ کرو سٹیزن۔ دہشت ختم ہوگئی''۔

''یوں دہشت ختم ہوگئی''۔ پین نے ٹھنڈی آہ بھری، اور وہ رات وہ خوابوں کے بغیر سویا۔

جیل میں اپنی توانائی دوبارہ بحال کرنا مشکل ہوتا ہے، خواہ وہ ہر گھنٹہ موت کے خوف میں نہ بھی رہے۔ پین نے پھر ایک شیشہ دیکھتے ہوئے اپنے مقابل ایک سفید بالوں والے اجنبی کو دیکھا، ایک پچکا چہرہ جو پورے طور پر لکیروں اور جھریوں سے اٹا پڑا تھا۔ اِس سے اُس کی مسکراہٹ نکلی، وہ

شبیہہ اس قدر اجنبی تھا، اور جو مسکراہٹ آئینے نے اُسے واپس کی وہ کھوکھلی اور نقل اتارنے والی تھی۔

درندہ گوئیارڈ، رابس پائیرے کی حکومت کے زوال کے ساتھ دفعان ہوا تھا، اور آرڈن، نئے جیلر نے قیدیوں کو احاطے کی آزادی کی اجازت دی۔ پین دوبارہ نعمت بھری دھوپ میں چہل قدمی کر سکتا تھا۔ یہ موسمِ گرما تھا، اور وہ پھولوں کی خوشبو سونگھ سکتا تھا اور باغوں میں چہل قدمی کرنے والوں کو دیکھ سکتا تھا اور چھوٹے بادلوں کو پہچان سکتا تھا جب وہ سر کے اوپر تیزی سے تیرتے تھے۔ لگزمبرگ کی ساری ہوا بدل گئی تھی۔ یہ ابھی تک ایک جیل خانہ تھا، مگر یہ ایک موت کا مکان نہ تھا۔ لوگ چھوڑ گئے، دوبارہ دسیوں اور بیسیوں کی تعداد میں، مگر اب وہ گیٹ میں سے گزرتے تھے آزادی کی طرف۔

فی الحال پین کے پاس سوچنے کے علاوہ کرنے کو کچھ نہ تھا۔ پچھلے چھ ماہ کے واقعات پر غور کرنا، اُس عجیب خاموشی پر جس نے اسے اس وقت کے دوران تنہا چھوڑا تھا، جب لگزمبرگ دہشت کی ایک جگہ تھی۔ اُس کی رہائی کے لیے مورس نے کیوں کوئی کوشش نہ کی تھی؟۔ اُس نے خود سے پوچھا۔ کیوں امریکی قوم مکمل طور پر غیر فعال رہی؟۔ کیا جارج واشنگٹن کے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ پین جیل میں تھا، شاید کسی روز بھی گلوٹن کر دیا جائے؟۔ واشنگٹن کا پورا رویہ ناقابلِ فہم تھا۔ اس نے پین کا ''انسان کے حقوق'' کو اس کے نام پر منسوب کرنے پر شکریہ کیوں نہ ادا کیا؟۔ کیا وہ بھول گیا کہ جس ملک پر اب وہ صدارت کر رہا ہے انقلاب سے پیدا ہوا تھا۔

طویل دنوں کے دوران پین نے اپنی بیماری سے صحت یابی میں گزارے جس سے وہ، طویل عرصے تک کڑک بیٹھا رہا اور اس پر کہ ان گذشتہ چند سالوں کے دوران امریکہ پہ کیا کچھ بیتا۔ سب سے مشکل اس شخص کو برا سمجھنے پر اعتبار کرنا تھا جو اس کو کئی سالوں سے دوسرے کسی بھی انسان جسے وہ جانتا تھا سے بہتر اور سچا تر لگتا تھا، جارج واشنگٹن۔

اور پھر امید کی ایک کرن تھی۔ گورنر مورس مزید فرانس میں سفیر نہ تھا؛ ایک جیفرسنی ڈیموکریٹ جیمز مونروئے نے اس کی جگہ لی تھی۔ پین بے چینی سے مونروئے کے پہنچنے کا انتظار

کر رہا تھا، اور جب ایک بار وہ متعین ہو گیا تو اس نے اسے ایک طویل یادداشت بھیجی جس میں اس نے اپنا مقدمہ پیش کیا اور مونروئے سے اپنی رہائی حاصل کرنے کی بھیک مانگی۔ مونروئے نے ایک پرمسرت اور پرامید جواب دیا کہ وہ کیس پر کام کرے گا اور یہ کہ پین جلدی رہائی کی توقع رکھے۔

پھر بھی یہ نہ آیا۔ موسمِ گرما ختم ہو گیا اور ایک دوسرا موسم زمستان شروع ہو چکا تھا، اور تقریباً وہ سارے قیدی جو لگزمبرگ میں پین کے ساتھ تھے رہا کر دیے گئے، مگر وہ قید میں ہی رہا۔

یہ پھر بخار تھا، اُس پہلوؤں پر ریش بن رہے تھے، اس کا بڑا، مضبوط بدن بالآخر جیل کے طویل مہینوں میں ریزہ ریزہ ہو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ بہ مشکل قلم تھامنے کے قابل رہا تھا۔ اس نے پھر مونرے کو لکھا۔

بارلاؤ اسے دیکھنے آیا، اور امریکی کو بے روح آنکھوں کے ساتھ دیکھ کر، پین نے ایک لفظ بھی نہ کہا،

''پین؟''۔

''میں نے مرنے کی کبھی بھی پرواہ نہ کی''۔ پین نے سرگوشی کی ''مگر اسے اس طرح کھینچ نکالنا میں برداشت نہیں کر سکتا''۔

پھر مونروئے نے جنرل سیکورٹی کی کمیٹی کو لکھا ''آزادی کے لیے اپنی جدوجہد میں اُن (امریکی عوام) کو پیش کی ہوئی اس (پین) کی خدمات نے شکرگزاری کا ایک ایسا تاثر بنایا ہے جو کبھی بھی ختم نہ ہوگی، جب کہ وہ ایک منصف اور سخی عوام کے کردار کو مستحق اچھائی کرنا جاری رکھیں۔ وہ اب جیل میں ہے، ایک بیماری کے اندر گھلتا ہوا اور جس کا اس کی حراست سے بڑھ جانا لازمی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ اس صورت حال پر آپ کی توجہ مبذول کروں، اور اصرار کروں کہ آپ اس کے مقدمے میں تیزی کریں اگر اس کے خلاف کوئی الزامات ہیں، اور اگر کوئی الزامات نہیں ہیں تو آپ اُسے آزاد کر دیں''۔

اور ایسا ہوا۔ نومبر 1794 میں ٹام پین لگزمبرگ محل سے رہا کیا گیا، وہ شخص نہیں جو داخل ہوا تھا، بلکہ ایک بیمار اور بوڑھا اور سفید بالوں والا۔

166

14

نپولین بوناپارٹ

پین، مونرو گھرانے کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اس قدر سست رفتاری سے اپنی توانائی حاصل کرتے ہوئے کہ وہ بار بار ہمیشہ کے لیے' ایک بیمار سے زیادہ کچھ' ہونے سے مایوس ہوتا تھا۔ کوئی بھی اُس کے زندہ رہنے کی توقع نہیں کرتا تھا۔ وہ اس بات پہ یقینی تھے کہ وہ مر جائے گا، اس قدر یقینی کہ اس کی موت کی خبر پہلے ہی سمندر پار امریکہ کو بھجوادی گئی تھی۔

پھر بھی وہ مرا نہیں۔ اُس کا مضبوط چمڑے جیسا جسم سزا کی ایک خوفناک مقدار کو جذب کرسکتا تھا، اور اِس وقت وہ اس قدر صحت مند تھا کہ اس نے ''**دلیل کا زمانہ**'' کا مسودہ مانگا۔

اُس نے مسرت کے ساتھ اُسے پڑھ ڈالا، کچھ حصوں میں یہ کم تھا مگر دوسروں میں یہ بہت اچھا، شعلہ فشاں، اُس کے پرانے خود کی گھنٹی بجاتی یاد۔ وہ اُس میں اضافہ کرسکتا تھا۔ مگر اسی دوران اُسے اِس حصے کی اشاعت کروانی تھی۔ اچھا ہے دہریے اُسے پڑھیں اور عقیدہ رکھنے کے قابل کچھ چیز ڈھونڈ پائیں۔

اسی دوران اس کی سوچیں تیزی سے امریکہ کی طرف مڑنے لگیں۔ اس کے لیے فرانس میں، اگر کچھ رہ گیا تھا تو بھی بہت کم رہ گیا تھا۔ انقلاب نے اُسے قید میں ڈال دیا تھا، اُسے خارج از انقلاب، قرار دیا تھا۔ فرانس اُن اصولوں سے ہٹ گیا تھا جس کی پین تبلیغ کرتا تھا۔ امریکہ میں بات مختلف تھی، وہ لڑنے کے لیے اس قدر بوڑھا نہ تھا، اور اُس سرزمین میں واپسی ہوتی جس سے وہ اس قدر محبت کرتا تھا، تو وہ اُس عجیب، سیاہ رجعت کے خلاف آزادی کے لیے ایک بار پھر لڑتا جو کہ واشنگٹن انتظامیہ کے ساتھ شامل ہوچکی تھی۔ اب یہ موسمِ زمستان تھا، مگر جب موسم بہار دوبارہ آئے گا تو وہ سفر کے لیے اچھا خاصا توانا ہوجائے گا۔

اور پھر نیشنل کنونشن نے اُسے دوبارہ بلایا۔ اُسے دوبارہ اُس کی نشست دے دی، اور ایک بار پھر اسے فرانس کا ممبر پارلیمنٹ بنایا۔ مونرو بے مسرور تھا ''دیکھتے ہو پین''۔ اس نے کہا ''کہ تمہیں جائز ٹھہراتا ہے..... یہ ناانصافی کا آخری اعتراف ہے۔ ایک بار پھر بطور سٹیزن پین،

دنیا بھر میں لبرل ڈیموکریٹس کے لیڈر کے بطور، تم ریپبلکن فرانس کے ایوانِ نمائندگان میں اپنی نشست سنبھال سکو گے''۔

مگر پین کے لیے یہ کوئی فتح نہ تھی۔ وہ تو تقریباً خوفزدہ تھا۔ دس ماہ کی جیل نے اس کے ساتھ کچھ کیا تھا۔ نہ صرف جسمانی توانائی سے محروم کر دیا تھا بلکہ ذہن کے ابھرنے کی قوت کا کچھ حصہ بھی لے گیا تھا۔ ایک اور ''دہشت''، وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، ایک اور تباہی اُس سب کی موت سے بھی بدتر ہوگی جس کے لیے اس نے کام کیا۔

وہ بیٹھ گیا اور اسمبلی کو لکھا:

''میرا ارادہ اسمبلی کی دعوت قبول کرنے کا ہے۔ اس لیے کہ میں خواہش رکھتا ہوں کہ دنیا کو معلوم ہونا چاہئے کہ گو کہ میں ناانصافی کا شکار ہوا ہوں، میں اپنے مصائب کو ان لوگوں سے منسوب نہیں کرتا جن کا ان میں ہاتھ نہ تھا، اور میں حتیٰ کہ اُن لوگوں کے خلاف بھی کوئی انتقامی اقدام کے استعمال کرنے سے دور ہوں جو اُن مصائب کے مصنف ہیں۔ مگر، چونکہ اگلے بہار میں میری امریکہ واپسی ضروری ہے، میری خواہش ہے کہ اس صورتحال کا آپ سے مشورہ کروں جن میں میں خود کو پاتا ہوں، تاکہ کنونشن کو میری واپسی کی منظوری میری امریکہ واپسی کے حق سے مجھے محروم نہ کرے''۔

مگر یہی وہ حق تھا جس سے انہوں نے اُسے محروم کر دیا۔ بعد میں، مونرو نے پین کو کچھ اہم کاغذات کے ساتھ امریکہ بھیجنے کی خواہش کی۔ پبلک سیفٹی کمیٹی نے جواب دیا کہ پین کو فارغ نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ وہ کنونشن میں ہی رہا، بوڑھا، لاغر، ایک سفید ریش شخص جو کبھی کبھی اٹھتا اور چند الفاظ کہتا جن پر کوئی بھی کان نہ دھرتا۔ وہ دام میں پھنسا ہوا تھا اور بے یار و مددگار محسوس کرتا۔

اور پھر ''دلیل کا زمانہ'' انگلینڈ اور امریکہ میں چھپ گیا۔

جب وہ فرانسیسی پبلشر کے ساتھ ساتھ کام کر رہا تھا تو اس کی جوانی تقریباً تقریباً لوٹ آئی، اُس کے ساتھ ایک اچھے انگلش حروف جوڑنے والے کی تلاش کی، اور ایک بار پھر پرنٹر والی

گیلی سیاہی کی لذیذ بو سونگھ لی، وہ بُو جو ہر وہ پیاری اور شاندار یاد تازہ کرتی تھی جسے وہ جانتا تھا۔

یہ عقیدے کا اس کا اعتراف تھا۔ اُس کی آخری تصنیف، خدا اور اچھے انسانوں کو اس کا خراجِ تحسین تھا۔ یہ دہریت کے خلاف اُس کی ضرب تھی؛ یہ ایک خدا میں اس کا گرمجوش ایمان تھا جو اچھا اور رحم کرنے والا تھا، اور بغیر جبر اور توہم پرستی کے انسان کی اس خدائی کے ساتھ رسائی کرنے کی قابلیت میں تھا۔ اور پھر یہ چھپ گئی، اس کی کاپیوں کا ایک گٹھا انگلینڈ روانہ کیا گیا، ایک دوسرا امریکہ، اور پھر کلہاڑی گری۔

پہلے شیطان ایک تھا، اب وہ دو ہو گیا، شیطان خود اور ٹام پین۔ اِس شیطان پر حملہ کرنے کو ہر مذہبی فرقہ دوسرے سے مل گیا جس نے سارے منظّم مذاہب پر شک پیدا کیا۔ حتیٰ کہ فرانس میں ردِعمل کے جھٹکے آئے اور تھکے ہوئے بوڑھے جنگباز کو اچھال دیا۔ وہاں کوئی تفہیم، کوئی ہمدردی نہ تھی، کچھ نہ تھا، سوائے گالی، گالی اور گالی کے۔ خدا کے بندوں نے پین پہ استعمال کے لیے گندے ناموں کا ایک ذخیرہ وضع کیا، ایسے ایسے اضافی الفاظ والقابات جو اس سے قبل دنیا نے نہیں دیکھے تھے، اور یہ فیصلہ ہوا کہ تخلیق آدم کے وقت سے لے کر آج تک بنی نوع انسان نے پین سے زیادہ مکار اور ذلیل شخص نہ دیکھا تھا۔ ان میں سے زیادہ تر کا پین نے جواب نہیں دیا۔ اگر وہ غلط تھا تو وہ اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور اس پہ مغلظات نہ برساتے۔ وہ قائل تھا کہ وہ صحیح ہے اس لیے اُس نے اپنے دلائل میں اضافہ کرتے رہنے کی کوئی ضرورت نہ دیکھی۔

پھر بھی وقتاً فوقتاً وہ جواب دینے پر مجبور ہوتا، مثلاً جب انگریز توحید پرست ویک فیلڈ نے اس پہ حملہ کیا۔ تو ٹام پین نے اُسے لکھا:

''جب تم نے اپنی تحریروں سے دنیا کی اتنی ہی خدمت کی، اور اتنے ہی دکھ جھیلے جتنا کہ میں نے، تو تم بہتر حق رکھتے ہو حکم چلانے کا.....''۔

وہ تھک کر چور ہو گیا۔ دوبارہ بیمار۔ اس نے امریکہ میں ردِعمل کا سنا، وہاں انگلینڈ جیسی سب گالیاں نہ تھیں، کچھ لوگ اس کے نقطہ نظر کے حق میں کھڑے ہو گئے۔ وہاں ابھی تک پرانے انقلابیوں کے اُس کے پرانے کامریڈ تھے جو نہ بھولے تھے کہ کس طرح سوچا جائے.....اور وہ

اُس کی کتاب کی کئی کاپیاں خرید رہے تھے۔

اُس نے مونروے سے پریشانی سے کہا ''میں گھر جانا چاہتا ہوں۔ میں بہت تھک چکا ہوں، اب ایک جگہ تھی۔ جس کا نام تھا گھر۔ دنیا اس کا گاؤں تھا، مگر اب وہ امریکہ کی سبز پہاڑیوں اور وادیوں کا سوچتا رہتا تھا۔ وہ ایک عجیب سرزمین پر ایک بوڑھا شخص تھا۔ وہ دنیا کا سب سے نفرت کیے جانے والا شخص تھا.......... اور شاید چند ایک کے لیے سب سے محبوب شخص تھا۔ بیس برس تک اس کے وسیع کندھوں نے بدسلوکیاں اٹھا رکھی تھیں، اب وہ تھک چکے تھے۔

مونروے نے کہا'' میں حیران ہوں پین کہ کیا' دلیل کا زمانہ' چھاپنا عقلمندی تھی۔ امریکہ میں..........''۔

''میں عقلمند رہا کب ہوں؟'' پین چیخ پڑا۔'' کیا دنیا میں کسانوں کے ایسے غول کے ساتھ اپنی تقدیر پھینکنا عقلمندی تھی جنہیں لڑائی شروع کرنے سے پہلے شکست ہو چکی تھی؟۔ کیا آزادی کے لیے اُس وقت سے بھی پہلے نعرہ لگانا میری عقلمندی تھی جب وہاں تمہارے عظیم آدمیوں نے اس جذبے کو تصور کرنے کی جرات کی تھی؟۔ کیا انگلینڈ کو ایک انقلابی منشور دینا اور پھر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ جانا میری عقلمندی تھی؟۔ کیا گلوٹین کے سائے میں دس ماہ گزارنا میری عقلمندی تھی؟۔ میں بہت کچھ رہا ہوں گا، مگر ذہین کبھی نہ رہا، زیرک کبھی نہ رہا۔ وہ ہیروؤں اور عظیم انسانوں کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ ایک بریزییئر ساز کے لیے!''۔

پین کا پورٹریٹ، سینگوں کے ساتھ بنایا ہوا، انگلینڈ کے کئی گھروں میں دیواروں پر ٹنگا تھا۔ شراب خانوں میں بیئر کے مگوں پر پین کی تصویریں تھیں جس کے نیچے لکھا تھا: ''شیطان کے ساتھ پیو''۔ سینکڑوں چرچوں میں سینکڑوں اتواروں کو ٹام پین، پر وعظ ہوئے۔ لندن، لورپول، ٹاٹنگھم اور شفلیڈ میں پین کی کتابوں کے انبار کو جلا دیا گیا، جبکہ مجمعے آگ کے گرد رقص کرتے، یہ چلاتے ہوئے:

پین پین، اس کا نام برباد ہو
برباد ہو اُس کی شہرت اور دائم ہو اُسکی بدنامی

خدا برباد کرپین کو، خدا برباد کرپین کو!

پھر بخار، وہ لیٹا تھا، اور اندیشوں میں بھیگا ہوا تھا اور اس نے سوچا کہ وہ مر رہا تھا۔ اُسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ اُس نے اپنے دماغ میں ایک ایک کر کے ان عذابوں کو یاد کیا جو اُس نے اپنی قید کے دوران جھیلے تھے، اور اس کا غصہ ایک ہی شخص پہ مرکوز ہوا، جارج واشنگٹن۔

دوسرے بھی تھے، مورس اور ہملٹن اور پورا انقلاب دشمن مجمع تھا۔ مگر اُس نے جس طرح جارج واشنگٹن کو پوجا تھا اس طرح کسی اور کو کب پوجا تھا؟۔ اُس نے یاد کیا کہ کس طرح ارسٹوکریٹ واشنگٹن، امریکہ میں دولتمند ترین شخص، نے ناچیز پین کے ہاتھ کو تھاما تھا۔ اُس نے یاد کیا کہ کس طرح واشنگٹن نے وادیِ فورج میں اُس سے جا کر کانگرس میں اس کے موقف کو پیش کرنے کی بھیک مانگی تھی۔ اس نے یاد کیا کہ اُس (پین) نے لکھا'' واشنگٹن اور فیبیئس کے نام ابدیت کے ساتھ ساتھ چلیں گے''۔

اس لیے سوائے جارج واشنگٹن کے دوسرے کسی کی اہمیت نہ تھی۔ دوسروں نے اُس سے بے وفائی نہیں کی تھی، اُسے اُن پر کوئی دعویٰ نہ تھا۔ یہ واشنگٹن تھا جس نے دوسروں کو حقارت سے دیکھنے والے مورس کو رپبلکن فرانس میں سفیر بنا کر بھیجا؛ واشنگٹن نے امریکہ کے وقار کو دھبہ لگانے جے کو انگلینڈ بھیجا، واشنگٹن نے ''انسان کے حقوق'' کو نظرانداز کیا تھا، جو اُس کے نام منسوب کی گئی تھی، باسٹل کی چابی بھی جو اسے پیش کی گئی تھی۔ واشنگٹن نے عوام اور جمہوریت کی طرف پیٹھ کر لی تھی۔

اس قدر بیمار، اس قدر تھکا ہوا کہ وہ ایک سچے پیش منظر کی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اُس کے بارے میں واشنگٹن کو کیا بتایا جا چکا تھا، نہ ہی اُسے پرواہ تھی۔ مگر اس کی خواہش تھی کہ اس شخص کو کوڑے مارے جس نے (پین کی نظر میں) ایک دوست اور ایک کاز دونوں سے بے وفائی کی۔ اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ مر رہا ہے، اُس نے ایک خط میں ایک آدمی کے خلاف اپنا غصہ لکھا جس سے وہ ایک زمانے میں کرۂ ارض کی ہر چیز سے زیادہ محبت کرتا تھا۔

مونروئے نے اس سے بھیک مانگی کہ وہ خط روانہ نہ کرے۔'' اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا'' مونروئے نے دلیل دی ''یقین کرو، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، صرف تمہارے دشمن مزید

بڑھیں گے۔تمہیں امریکہ چھوڑے ہوئے کتنے سال ہوگئے؟۔واشنگٹن بس ایک انسان ہے،اور انسان بھول جاتے ہیں''۔

''میں تو نہیں بھولا''۔پین نے کہا۔

کچھ وقت کے لیے اُس نے خط کو روکا،پھر اسے عام کرنے بھیج دیا۔

169

پین' کا لائیس سے ایک مندوب کے بطور کنونشن کے اجلاسوں میں جاتا رہا۔جب تھرمیڈوریوں نے مقبولِ عام بغاوت کو اسلحہ کے زور سے فرو کر دیا اور یہ مطالبہ کرتے ہوئے کہ ووٹ کے حق کے لیے جائیداد ہونا ضروری ہو،نئی حکومت میں عوام کی نمائندگی سے انکار کیا،تو ایک ناتواں بوڑھا کنونشن میں کھڑا ہوگیا اور اُن کا سامنا کیا۔حتیٰ کہ اب بھی پین کو اپنے پیپ زدہ پہلو پہ تشدد یاد آ رہا تھا جب وہ وہاں معاندانہ چہروں کی صفوں کی صفوں کے سامنے کھڑا تھا۔کاغذ میں لپٹے خوراک والی گیلیریوں سے کوئی نعرے نہ تھے،وہ تالیاں بجاتے یا غصہ سے سی سی کی آوازیں نکالتے ہوئے کھاتے بھی جاتے۔کوئی گرمجوش ریڈیکل نہ تھے جو عوام کی رضا کی مخالفت کرنے والوں کو موت دینے کا مطالبہ کرتے، بلکہ وہاں خوش خوراک،ٹھوس آئین ساز تھے جنہوں نے زوال پذیر باقیات سے اچھی دولت بنائی تھی جو کہ ایک زمانے میں انسان کی آزادی کے لیے ایک تحریک ہوا کرتی تھی۔

وہ پین کی طرف دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ کھسر پھسر کر رہے تھے'' کیا بڈھے کا دماغ چل گیا ہے؟۔کیا لگزمبرگ کے دس ماہ کافی نہیں؟۔یا پھر ہم اُسے ہمیشہ کے لیے وہاں بھیج دیں؟''۔

''وہ اب کیا مانگ رہا ہے؟''۔

''سب کے لیے ووٹ کا حق''۔

''ہاں،وہ انہیں ووٹ کا حق دلانا چاہتا ہے۔ہر بھکاری کو ووٹ دینے دو،اور فیصلے کا دن آئے گا''۔

''اسے روک دینے کی تحریک پیش کرو''۔

ایک اور نے جھنجھلاہٹ سے کہا''اُسے بولنے دو۔اس کی بات کوئی سن ہی نہیں رہا ہے''۔

اور وہ سب کے لیے ووٹ کے حق کے لیے تقریر کرتا رہا،ہر انسان کے لیے ووٹ کا حق۔اُسے دشمن بناتے رہنے کا طریقہ آتا تھا۔اُسے ہمیشہ غلط موقعے پر غلط بات کہنے کا طریقہ آتا تھا۔اسے لوگوں کو پین سے اس قدر نفرت کرنے کا طریقہ آتا تھا جیسی نفرت وہ کسی اور کے ساتھ نہ کرتے۔اب اس کے خلاف چیختی ہوئی سو آوازوں کے درمیان،ایک کہہ رہا تھا:

''کیا اُس شخص کو برداشت کرنا مشکل ہے جس نے کسی کے خلاف عدم برداشت کے معمولی شائبہ تک کا مظاہرہ کبھی نہ کیا؟''۔

نہیں،اس نے کبھی ایمان ترک نہ کیا۔اُس نے جمہوریت کو ترک نہ کیا تھا۔جمہوریت نے اُسے ترک کر دیا۔تھرمیڈورز،پھر''ڈائریکٹری''،انقلاب کا بتدریج مکمل خاتمہ۔

وہ ایک گھڑی کی طرح دوڑنا شروع ہوا۔اُس نے وہ واحد کام کرنا بند کر دیا جسے کرنے کے لیے وہ موزوں تھا،یعنی ایک انقلاب۔اُسے اُس سے زیادہ کمزور اور بے مقصد کوئی چیز بھی نہیں بنا سکتی تھی،نہ''دلیل کا زمانہ'' کی ابھاری ہوئی نفرت،نہ اُس کی بیماری،نہ امریکہ میں اس کے پرانے کامریڈوں کی خاموشی،بس یہ ایک حقیقت کہ اس نے اپنے مقصد کی برآوری کرنا بند کر دیا تھا۔

اس نے تھوڑا لکھا۔وہ ایک رائٹر تھا اور مرتے دم تک اس نے قلم کو گھسیٹتے رہنا تھا۔اُس نے بوڑھے بین فرینکلن کو یاد کیا جو کہ اپنی موت کے دن تک ایک فلاسفر اور ایک سائنسدان تھا،اور پین نے سوچا کہ وہ بھی فلسفہ اور سائنس کے ساتھ کھیلے گا،چھوٹی مشینوں،ماڈلوں،پرزوں کے ساتھ جو کہ بہت ہی ایجادی تھے مگر ایک آواز کی کھٹ کھٹ سے زیادہ نہ تھے جو ایک بار مضبوط اور سخت غرائے،اور چونکہ وہ آواز مکمل طور پر خاموش نہیں کی جا سکتی تھی،اس نے یہ چھوٹی،بے کار سمتیں اختیار لی تھیں۔

اور اس وجہ سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔فراموش کردہ.....ایک نیا عہد طلوع

ہو رہا تھا، انیسویں صدی۔ کیا ایک احمق نے ایک بار کہا تھا ''تم مجھے سات برس دے دو میں یورپ کے ہر ملک کے لیے ایک ''کامن سینس'' لکھ دوں گا؟''۔ اسے بھی بھلا دیا گیا تھا۔ جولہر اس نے شروع کی، عام انسان کے اٹھ جانے کی، کبھی بھی غائب نہیں ہو سکتی، مگر یہ لہر ہوتی تھی، اب گمنامی میں ڈوبتی ہوئی، تازہ قوت کی ایک تیز رفتاری میں دوبارہ اوپر آ جاتی۔ اُس کے لیے، انقلابی تھامس پین کے لیے وہ اختتامیہ نہ تھا۔ وہ ناکام ہو گیا تھا، اور اندھیر کی قوتیں ابھر رہی تھیں۔

وہ، جس نے اپنی ظاہری شکل وصورت کے متعلق کبھی بھی پرواہ نہ کی تھی، اب اُسے مکمل طور پر نظر انداز کر رہا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک بار شیو کرتا تھا، کبھی کبھار اُس سے بھی زیادہ دیر بعد۔ وہ گندے کپڑے پہنتا تھا اور پرانے چپل جس میں سے اس کے انگوٹھے بے بسی میں جھانکتے تھے۔ وہ اپنے بے ترتیب چیمبر کے حدود میں آگے پیچھے گھستا رہتا تھا، اور کبھی کبھی وہ کھڑا ہو جاتا، سر ایک خاص انداز سے جھکائے، جیسے کوئی ایسی چیز یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو جو وہ حال ہی میں بھول چکا تھا۔

وہ کیا بھول گیا تھا؟۔ یہ کہ لگرنگٹن پر گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

شراب اُس کی پرانی دوست تھی۔ یہ ایک دوست تھی جب دوسرے دوست جا چکے تھے۔ ترکِ منشیات والوں کو اس کے خلاف چیخنے دو۔ اُس کا جسم اس کا اپنا تھا، جب یہ اچھا اور مضبوط اور پھرتیلا تھا تو اس نے اُسے بے دریغ استعمال کیا تھا۔ اور اپنے لیے نہیں۔ اب یہ بوڑھا اور بوسیدہ اور بیمار تھا، اگر وہ درد اور تنہائی کو ہلکا کرنے کے لیے پیتا تھا تو یہ اُس کا اپنا کام تھا، کسی اور کا نہیں۔

عام پیرسیوں میں ابھی بھی اُس کے ایک دو دوست تھے۔ اچھے لوگ تھے فرانسیسی، سادہ لوگ، صابر لوگ.....مہذب لوگ۔ وہ اس طرح کی چیزیں سمجھتے تھے۔ ایک انسان انسان ہوتا ہے دیوتا نہیں، اور جب وہ گلی میں گندے گھسٹتے ہوئے پین کو آتا دیکھتے تھے تو وہ ہنستے نہ تھے، نہ ہی اس پر آوازے کستے تھے بلکہ شرافت کے ساتھ دن کا وقت ایک ایسے شخص کے ساتھ گزارتے جو ایک زمانے میں عظیم تھا۔

''آداب، سٹینرن پین''۔

وہ اتنی آسانی سے نہیں بھولے تھے۔ اگر شراب کی دکان کے باہر پانچ شخص ہوتے، ایک چھوٹے، دھواں زدہ پیرسی اخبار پر جھکے ہوئے، ٹیلی رینڈ کی شامل سیاست کا عقدہ حل کرنے کی کوشش میں، اور سٹیزن ٹام پین آ جاتا، تو وہ اُسے ملتوی کرتے۔

''آداب سٹیزن.....یہ شخص ٹیلی رینڈ''۔

''میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں''۔ پین نے کہا۔

اُن کے لیے اِس بے چاری مخلوق میں کوئی نامناسب بات نہ تھی جو کہ بہت عرصہ نہ گزارا تھا ٹیلی رینڈ سے واقف رہا تھا۔

''وہ مشورے کے لیے میرے پاس آیا تھا''۔ پین نے کہا''میں اُسے پسند نہیں کرتا''۔

اُس میں بھی کوئی ناموزونیت نہ تھی۔ ایک بادشاہ بھکاری بنا اور ایک بھکاری ڈکٹیٹر۔ کیا وہ اُن زمانوں میں زندہ نہیں رہے تھے۔ اور کیا وہ اُن چوڑے پھندوں کو نہیں جانتے تھے جو تقدیر کے پہیے نے بنائے تھے؟۔

شراب کی دکان میں، دکاندار خاموش ملنساری کی مثال تھا۔ اس نے ڈینٹن پر بیچی تھی، کو نڈورسیٹ پر، اور اب وہ سٹیزن پین پر بیچ رہا تھا۔ اس نے وہ عظمتیں دیکھیں جنہیں اتنا زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا اور وہ ایک گندے بوڑھے شخص کو نہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یقیناً بہترین''۔ اس نے سر ہلایا، اور قیمت سے ایک فرانک کم کر دیا جس کا وہ بمشکل متحمل ہو سکتا تھا۔

اس طرح سٹیزن ٹام پین فرانس کے پبلک لائف سے باہر رہا۔

بونیولی خاندان کے ساتھ پین نامی ایک بوڑھا آدمی رہ رہا تھا، اک ذرا سا بے اثر بوڑھا شخص جو کبھی ایک چیز اور پھر دوسری پر ضربیں لگایا کرتا تھا.....اور کبھی کبھی جو کچھ کر رہا ہوتا اُس کے بیچ میں وقفہ کرتا، اپنے جھریوں والے چہرے پر ایک غیر حاضر تاثر کے ساتھ۔ اُسے یادداشت کے مختصر وقفے دیے گئے تھے، اور وہ بہت صاف ستھرا نہ تھا۔ کبھی کبھی باہر اور پیرس کے گرد آوارہ پھر

نے کے بعد اپنی بغل کے نیچے اخبار میں لپٹی برانڈی کی ایک بوتل لیے گھر آجاتا، اور اندر سے دروازہ بند کر کے ایک گھنٹے میں آدھی بوتل پی جاتا۔ پھر دھت ہو کر وہ کبھی کبھی خود کو ایک وبالِ جان شخص بناتا.....اس سب کو بونیولی خاندان بہت صبر سے جھیلتا۔ جب ایک متعجب پڑوسی نے پوچھا کیوں، تو وہ بہت سادگی سے جواب دیتے:

''دیکھیے، وہ بہت عظیم شخص ہے، دنیا کے عظیم ترین لوگوں میں ایک۔ مگر دنیا ایک تیز رفتار جگہ ہے اور آپ کو اس کا ساتھ دینے کے لیے تیز دوڑنا پڑتا ہے۔ وہ ایک تیز رفتار گھوڑے کی طرح دوڑنے کو بہت بوڑھا ہے، اور اسی لیے دنیا اُسے بھول چکی ہے۔ مگر ہم اُسے نہیں بھولے ہیں''۔

نکولس ڈی بونیولی ایک اخبار کا ایڈیٹر تھا، وہ لبرل تھا اور ایک ریپبلکن۔ اس کی بیوی اچھی فطرت کی عورت تھی جو وفاداری سے وہی ایمان رکھتی تھی جس پر اس کا خاوند ایمان رکھتا تھا۔ جب اُس نے بیوی کو ٹام پین کی عظمت کا بتایا تو اس نے سر ہلایا اور متفق ہوگئی۔ وہ دیہی علاقے سے تھی اور بوڑھے کے من کے موجوں کے لیے کسانوں والی برداشت رکھتی تھی۔ اور اُس کی وجہ سے اور جو کچھ اُس کے خاوند نے اسے بتایا اسی کی وجہ سے وہ اس میلے کچیلے بوڑھے آدمی کے ساتھ چلتی رہی جس کا کمرہ اخباروں، کتابوں، چھوٹے مکینیکل پرزوں، خالی برانڈی بوتلوں اور بے شمار مسودوں (جن میں سے کچھ کبھی کبھار اس کے خاوند کے اخبار میں چھپ جاتے تھے) سے ایک کباڑ خانہ بنا رہتا۔

1797 کے خزاں کی ایک صبح ایک چھوٹے قد کا موٹا اجنبی بونیولی خاندان کے دروازے پر نمودار ہوا اور سٹیزن ٹام پین کا پوچھا۔ پہلے تو مادام بونیولی نے اُسے شک سے گھورا، پھر اُسے پہچانتے ہوئے وہ جذباتی انداز میں خوش آمدید کرنے لگی۔ اسے شراب کے ایک گلاس کی پیشکش کی جو اس نے انکار کیا، اپنی ہیجانی کیفیت میں یہاں وہاں اور ہر جگہ غلطیاں کرتی رہی اور بالآخر سٹیزن پین کو بلانے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

پین نے، جو کہ ایک مسودے پر بہت محنت سے کام کر رہا تھا، اس وقت اپنے ابرو کھڑے کر دیے جب وہ دھڑام سے اندر داخل ہوئی اور پوچھا کہ کیا نیچے گھر کو آگ لگ گئی۔ اپنے کرایہ دار

کی طرف سے اس گستاخی کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے چڑھے ہوئے سانس سے کہا:

''موسیو بونا پارٹ نیچے کھڑا ہے!''۔

''کون؟''۔

''میری بات سینے، بہت غور سے سنیے موسیو۔ نپولین بونا پارٹ اس وقت سٹیزن ٹام پین سے بات کرنے کے انتظار میں نیچے میری بیٹھک میں بیٹھا ہے۔ سمجھ رہے ہو میری بات؟۔ وہ یہاں آیا ہے، اکیلے، کسی اور مقصد سے نہیں، سٹیزن ٹام پین سے بات کرنے کو!''۔

''ہاں ہاں، میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں''۔ پین غصہ سے بولا۔ ''چیخنا بند کیجئے، نیچے جائیے اور اُسے چلے جانے کا کہیے''۔

''کیا؟ موسیو۔ یقیناً آپ میری بات کو غلط سمجھے۔ میں نے کہا.....''

''میں جانتا ہوں آپ نے کیا کہا۔ نیچے جائیے اور اسے بتائیے کہ میرے پاس ڈاکوؤں اور برے لوگوں کے لیے وقت نہیں ہے''۔

''نہیں نہیں، نہیں نہیں''۔ مادام بونیولی نے سرد آہ کھینچی۔ ''نہیں نہیں، آپ یہ یہاں میری چھت کے نیچے نہیں کر سکتے۔ میں نے بہت سی چیزوں کے ساتھ آپ کو برداشت کیا ہے، گند سے، شرابی گیری سے اور شور شرابے سے، مگر میں اپنے گھر آئے فرانس کے ایک عظیم جرنیل کو خالی جاتے ہوئے نہیں دیکھوں گی''۔

''میں اپنا کرایہ دیتا ہوں اور شرائط کے مطابق رہتا ہوں''۔ پین منمنایا۔

''نہیں موسیو۔ یہ کرائے کی بات نہیں ہے، نہ ہی اِس بات کی کہ آپ اس سے دوگنا کرایہ دیں۔ آپ بونا پارٹ سے ملیں گے یا.....''

''اچھی بات ہے، میں اس سے ملوں گا''۔ پین نے خرخرکیا۔ ''اسے اوپر یہاں لائیے''۔

''یہاں؟ اِس؟''۔

''اور اس میں خرابی کیا ہے؟۔ میں یہاں رہتا ہوں، رہتا ہوں کہ نہیں؟''۔

''نہیں نہیں، نہیں نہیں موسیو.....آپ نیچے میری بیٹھک میں آئیں گے''۔

پین نے کندھے اچکائے ''پھر نیچے آپ کی بیٹھک میں''۔ وہ رضا مند ہوا اور نیچے اُس کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگا۔ جب وہ بیٹھک میں آئے تو بونا پارٹ اٹھا اور جھکا اور پین فوری طور پر اس شخص کے غیر نمایاں پن پہ حیران ہوا۔ اس قدر پستہ قد، جسم میں اس قدر موٹاپا پھر بھی چہرے میں اس قدر لاغر۔ ممکن ہے ایک دکاندار ہو مگر عظیم جرنیل نہیں، جنگجو نہیں، نہ ہی وہ جی نیئس جو فرانسیسی ریپبلک کی آخری باقیات اور سارے نیک فطرت لوگوں کی امیدوں دعاؤں کی دھجیاں اڑا رہا تھا۔

''کتنے افسوس کی بات ہے''۔ بوڑھے شخص نے سوچا ''کہ دنیا کے عظیم ہیرو اور عظیم ولن جسمانی طور پر خود کو اُس معیار پہ پورا نہیں اتارتے''۔

''آپ سٹیزن پین ہیں''۔ نپولین نے کہا ''میں بونا پارٹ ہوں..... میں اِس دن کا انتظار کرتا رہا، بے چینی سے، پرامید۔ زمانوں کے عظیم لوگوں سے ہمیں ملنے کی نعمت نہیں دی جاتی، وہ مر جاتے ہیں، اور ہمیں اُن کی داستانوں پہ اکتفا کرنی ہوتی ہے۔ مگر میں عظیم ترین لی جنڈ، سٹیزن پین کے روبرو ہوں!''۔

پین اس بات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس نے اُس کے زرہ بکتر کو توڑ دیا، اس کے دفاع کو، اس کی نپی تلی نفرت کو ایک ایسے شخص سے جو اُس سب کی نمائندگی کرتا تھا جسے وہ بدی سمجھتا تھا۔ وہ بوڑھا تھا؛ وہ تنہا تھا؛ وہ تذلیل سے تھک چکا تھا، اور یہ ایک ہدیہ عقیدت تھا۔

''شکریہ، جنرل''۔ اس نے کہا۔

''جنرل نہیں، سٹیزن بونا پارٹ سٹیزن پین کے ساتھ، میرے دوست بیٹھ جایئے اگر اس سے آپ کو خوشی ہوتی ہے''۔ کمان کرنے کا ایک طریقہ تھا، حتیٰ کہ ان چیزوں میں بھی جو وہ پوچھتا تھا جیسے کہ ملنساری کے سادہ معاملے پر۔ پین ایک کرسی میں ڈوب گیا مگر نپولین آگے پیچھے ٹہلتا رہا، اس کا سر آگے کو تھا، اس نے ہاتھ اپنی پشت پر سختی سے آپس میں پکڑے تھے، ایک ایسے انداز میں جو کہ پہلے ہی اس کی شخصیت کا حصہ تھا۔

''سٹیزن پین'' نپولین نے کہا۔ ''آپ نے خواہ میرے بارے میں جو کچھ بھی سنا، میں یہاں آپ کے بارے میں سوچتا رہا ہوں..... کہ روئے زمین کے ہر شہر میں آپ کا سونے کا ایک مجسمہ کھڑا کیا جائے، کہ آپ کا کام یادگار رکھا جائے، میں کہتا ہوں یادگار رکھا جائے۔ کیا میں نہیں جانتا؟۔ کیا میں نے ''کامن سنس''، ''انسان کے حقوق''، ''دلیل کا عہد'' نہیں پڑھے؟۔ پڑھے، دوبارہ پڑھے۔ آپ کو بتاؤں میں ''انسان کے حقوق'' اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر سوتا ہوں تا کہ اگر میں کوئی رات جاگنے میں گزاروں، تو بے خوابی مجھے تنگ نہ کر سکے بلکہ اس کے برعکس یہ ایک نعمت بن جائے۔ میں اور آپ واحد ریپبلکن ہیں، ستاروں سے آگے دیکھنے کی بصارت رکھنے والے واحد لوگ ہیں۔ ریاستہائے متحدہ دنیا؟ ..... میں آپ سے متفق ہوں۔ میں کہتا ہوں مطلق العنانیت کا خاتمہ، آمریت کا خاتمہ! میں آپ کی مشعل تھامتا ہوں!''۔

حیرت زدہ پین وہاں محض بیٹھ سکتا تھا اور اس چھوٹے آدمی پر نظریں گاڑ سکتا تھا۔ الفاظ کے مطالب کیا ہیں؟۔ کیا وہ اب تک غلطی پر رہا تھا؟۔ کیا یوٹوپیا اس طرح کے غل غپاڑے سے آتا ہے اور کسی اور طریقے سے نہیں؟، اسے معلوم نہ تھا۔ اس کا سر گھوم رہا تھا۔ شاید وہ صرف جھوٹ کو سنتا رہا تھا جو بونا پارٹ کے بارے میں بولے گئے تھے؛ وہ تو پین کے بارے میں بھی جھوٹ بولتے تھے۔

''مجھے آپ کی ضرورت ہے''۔ نپولین نے کہا۔ ''ہم دونوں انسانیت پر وقف ہیں، ریپبلکن فرانس پر۔ اور اگر ہم مل کر کام کریں تو کون کہہ سکتا ہے کہ سٹیزن ٹام پین اور سٹیزن بونا پارٹ کے خواب دور تک نہیں جا سکتے؟۔ جلد ہی میں ایک ملٹری کونسل بناؤں گا، اور اگر آپ وہاں بیٹھ جائیں تو یہ میرے لیے اعزاز بھی ہوگا اور انعام بھی''۔

بوڑھا شخص اُسے تک رہا تھا۔

''تو پھر آپ رضا مند ہیں؟''۔ بونا پارٹ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بہت جیتنے والی ہو سکتی تھی۔

''میں اس کے بارے میں سوچوں گا''۔ پین نے سر ہلایا۔ ''میں اس کے بارے میں سوچوں گا''۔

جب نپولین چلا گیا تو پین اوپر اپنے کمرے چلا گیا، مادام بونیولی کو متزلزل چھوڑ کر۔ وہ تنہا ہونا چاہتا تھا۔ وہ سوچنا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ اُسے کیا چیز اِدھر لائی۔ اپنے کمرے میں اس نے خود کو بہت غور سے دیکھا، اپنے اردگرد گندا اور کوڑا کرکٹ دیکھا، پرانا، داغدار ڈریسنگ گاؤن دیکھا جو وہ پہنے ہوئے تھا، اپنے ناخنوں کے گرد میل دیکھا، اپنے سفید بالوں کی بے ترتیبی دیکھی۔ اس نے ایک کنگھی تلاش کر لی اور اسے اپنے پتلے ہوتے ہوئے تاروں میں سے گزرا، ریپبلکن فرانس میں اِن آخری برسوں پہ محو ہوتے ہوئے۔

کیا وہ بونا پارٹ کے ساتھ مل جائے گا؟۔ ''کیوں نہیں''؟۔ اس نے خود سے پوچھا۔'' کیا میں دوبارہ کنونشن میں نہیں گیا تھا؟۔ میں نے تو انسانوں کو نہیں چھوڑا، انہوں نے مجھے چھوڑا اور میرے اصول چھوڑے۔ اگر واحد امید بونا پارٹ رہ گیا تو میں اس کی طرف جاؤں گا''۔

امید لوٹ آئی تھی، ایک قسمت لوٹ آئی تھی، اور وہ ایک بار پھر تھامس پین تھا، انسانیت کا چیمپئن۔ وہ ایک ملٹری کونسل میں بونا پارٹ کے ساتھ بیٹھے گا۔ شیو کر چکنے کے بعد اس نے آئینہ دیکھا اور کہا:

'' دس سال چھوٹا .....انسان اُتنا ہی جوان ہوتا ہے جتنا وہ محسوس کرے۔ جب فرینکلن میری عمر کا تھا، تو انقلاب ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ وہ پین کے بارے میں کہیں گے کہ اس کی زندگی ساٹھ سال سے شروع ہوئی، کہ اُس نے دنیا کو یہ پڑھایا کہ دماغ بوڑھا نہیں ہوتا''۔

اُس کے پاس پیسہ تھا اس لیے کہ اس کی کتابیں اچھی طرح بک رہی تھیں، اور اس نے اپنا بٹوہ لالچی انداز میں بھر لیا۔ پہلے کپڑے پھر ہیئر ڈریسر؛ ایک شخص چیتھڑوں کے ساتھ ہیئر ڈریسر کو نہیں جاتا۔

درزی کے پاس ایک ابرو اٹھا جب تک کہ وہ ناراضی سے گرجا،'' میں سٹیزن پین ہوں، جہنمی!۔ بس کافی ہو گیا اور مجھے اپنے سٹائل دکھاؤ''۔

''شاید کچھ سپیشل؟۔ ایک موقع کے لیے؟''۔

''ایک ملٹری کونسل کے لیے''۔ اس نے کہا، اس قدر غیر اہم انداز میں جتنا وہ کر سکتا تھا'' بونا پارٹ وہاں ہوگا''۔

اور پھر ایک تیزی اور ایک ہل چل، کلرک ہر طرف سے وہاں دوڑتے آ رہے تھے۔

''کوئی سادہ چیز، میرا خیال ہے' سیاہ رنگ کا''۔

'' ظاہر ہے سیاہ رنگ، سٹیزن۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ایسے موقع پر ایک اونی سیاہ رنگ اچھا رہتا ہے، آپ کے پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے، اور وقار میں اضافہ کے لیے شاید ذرا سا ریشم بھی.....''۔

اس نے شرٹس اور جوتے اور جرابیں خریدیں۔ فرانس کے جنرل' ٹام پین پر نفرت کے اشارے نہیں کریں گے۔ پھر اپنے نئے لباس میں ملبوس وہ ہیئر ڈریسر کے پاس چلا گیا۔ کسی پیرسی ہیئر ڈریسر سے کیا بات چھپائی جاتی۔'' میں بہت بوڑھا نظر آتا ہوں، کافی بوڑھا''۔ پین نے کہا'' جب کسی شخص کے پاس ابھی کرنے کو کام ہو، اور لوگوں سے ملنا ہو، اہم لوگوں سے، تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کچھ تاثر ڈال سکے''۔

جب پین واپس بونیولی ہاؤس آیا، تو ردعمل پیدا ہو چکی تھی۔ وہ اپنے نئے کپڑوں میں بیٹھک میں بیٹھا، اس جگہ کو تک رہا تھا جو بونا پارٹ نے گھیرا تھا، وہ فربہ چھوٹا شخص لاغر چہرے کے ساتھ، حاکمانہ آواز، بنی نوع انسان کا نجات دہندہ.....

بونیولی اندر آیا، پین پر نظر ڈالی، ایک ابرو اٹھایا مگر شائستگی کے ساتھ کسی تبصرے سے احتراز کیا۔

''ایک چھچھورے کی مانند بے ہودگی''۔ پین مسکرایا، اس کی آواز میں ایک افسردگی کا تاثر تھا'' کیا آپ اسے پسند کرتے ہیں، نکولس؟''۔

''بہت زیادہ''۔ بونیولی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ضروری''۔ پین نے کندھے اچکائے'' میں ایک نئی سواری پر سوار ہو رہا ہوں۔ جب دوسری ہر چیز کی گئی اور چلی گئی، تو عظیم نپولین بونا پارٹ میرے پاس آتا ہے، مجھے اپنا معتمد بناتا ہے

،اور مجھے مطلع کرتا ہے کہ وہ ہر رات ''انسان کے حقوق'' اپنے سرہانے کے نیچے رکھ کر سوتا ہے۔ یا تو اس کا سرہانہ بہت نیچے ہے، یا پھر میں اِس آدمی کو غلط سمجھتا رہا''۔ وہ اپنی کرسی کی پشت پر واپس جھکا، ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، پھر سرگوشی میں بولا:

''نکولس، میں ڈرتا ہوں۔ یہ میری آخری امید ہے۔ کیا ہوگا اگر یہ ناکام ہوجائے؟''۔

جب وہ اُس کمرے میں داخل ہوا جہاں کونسل منعقد ہورہی تھی۔ ملٹری والے ،انجینئرز، ایڈمرل، جنرل، اور سیاسی مشیر جنہوں نے گروپ بنائے، ہر ایک کھڑا ہوتا اور بونا پارٹ کی چوکس نظروں کے نیچے جھک جاتا، جو کہ بار بار بہت خوشنودی والے انداز میں کہتا:

''یہ ہے سٹیزن پین، حضرات، جن کے بارے میں آپ نے سن رکھا ہے۔ اگر آپ لوگوں نے کسی فوجی سفر کے دوران مجھے ہاتھوں میں کتاب لیے دیکھا ہو تو آپ یقین کرسکتے ہیں کہ وہ کتاب سٹیزن ٹام کی لکھی ہوئی ہوگی۔ میں انہیں اولین ریپبلکن کے بطور متعارف کراتا ہوں''۔

وہ سب سٹیزن پین سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ کچھ کو وہ جانتا تھا، بہت سوں کے بارے میں اُس نے سن رکھا تھا۔ بونا پارٹ کے جرنیل اور مشیروں کے بارے میں، ان میں سے کچھ سازشیں کرتے تھے، دوسرے ایسے افراد تھے جنہوں نے ریپبلک کے اُن کم روشن دنوں میں نیشنل ملیشیا کی نیلی وردی سے شروع کیا تھا، اور اب اچھے خاصے مشکل میں تھے........... گو کہ بہت متاثر ....جس کی بلندی سے وہ ابھرے تھے۔ کچھ روبسؔ پائرے کے معتمد رہ چکے تھے اور پین کی طرف مہربان آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے تھے۔ دوسرے گرونڈن وقتوں سے تھے۔ یہ صرف واقعات میں تھا، نہ کہ سالوں میں کہ وہ زمانے میں اس قدر قدیم تھے، تقریباً سب کے سب، کونسل کے آدمی جوان تھے، پین ان کے درمیان ماضی کے ایک پیوند کی طرح ناموزوں کھڑا تھا۔

یہ پہلی بار تھا کہ وہ فرانسیسی لیڈروں کے ایک گروپ میں موجود تھا اور سخت چُبھنے، کاٹ ڈالنے والی علاقائیت محسوس کررہا تھا۔ پیرس تمدن تھا،، اور انقلاب نے کسی کو بھی خود سے باہر نہیں رکھا تھا۔ حتیٰ کہ ''دہشت'' کی بدترین ساعتوں میں بھی، جب انقلاب نے اس قدر مضطربانہ انداز میں

کوڑے کھائے۔ اُس نے اپنے دفاع کے لیے ایسا کیا، نہ کہ خود کو استشنائی بنانے کے لیے۔ اور شروع میں مقامی فرانسیسیوں کے ساتھ ساتھ، کئی غیر ملکی نیشنل کنونشن میں بیٹھے تھے۔ ہلکے بالوں' ٹھوس چہروں والے، مہیب اور تھکے ہوئے پولش ریڈیکل' انقلاب میں امریکیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے بعد پیرس آئے تھے۔ برطانوی جلاوطن بھی سینکڑوں کی تعداد میں آئے تھے۔ پروشیائی جواُن باتوں سے متنفر تھے جن پر پروشیا نے اپنا موقف تعمیر کیا تھا، اطالوی جو ایک آزاد اٹلی کا خواب دیکھتے تھے، سپین والے جو ایک آزاد سپین کا خواب دیکھتے تھے۔ وہ سب پیرس میں ایک جائے ملاقات کو آئے تھے، اس لیے کہ پیرس انقلاب کا دل اور روح تھا، اور پیرسیوں نے ان کا خیر مقدم کیا تھا۔

مگر یہاں وہ ایسی جگہ چلا گیا تھا۔ جو ایک تنگ، بند اجتماع تھا۔ اور جو اصطلاحات استعمال ہورہی تھیں وہ فوجی اصطلاحات تھیں۔ آزادی اور لبرٹی اور بھائی چارہ اور مساوات جیسی مہمل گفتگو کافی ہوگئی تھیں؛ یہ بونا پارٹ تھا۔

جب انہوں نے کہا ''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی سٹیزن پین'' تو وہ جانتا تھا کہ وہ سوچ رہے ہیں کہ ''یہ انگریز کس قدر مفید ہوسکتا ہے''؟۔

جب وہ بولا، اور اس کی فرانسیسی ابھی تک بری تھی، تو وہ اس کے لہجے پر اپنی ہونٹوں کو خمدار کرنے سے نہ روک سکے۔ اور جب وہ اپنی باری میں کوئی ایسی بات کہتے جو ان کی خواہش ہوتی کہ وہ نہ سمجھے، تو وہ اپنی تیز رفتار روانی میں لپک پڑتے، ایک مرتعش بہاؤ والی آواز جو پین کے لیے بالکل بھی بے معنی تھی۔

بالآخر وہ سب جمع ہوگئے، اور کونسل باقاعدہ شروع ہوئی۔ وہ ایک گھوڑے کی نعل کی طرح بیٹھ گئے، جس کے کھلے حصے میں ایک چھوٹی میز کے پیچھے نپولین کھڑا تھا۔ وہاں اُس کے لیے ایک کرسی موجود تھی، مگر وہ کونسل کے اجلاس کے دوران ایک بار بھی نہ بیٹھا۔ زیادہ تر وقت وہ آگے پیچھے ٹہلتا رہا جیسے کسی اعصابی توانائی کے زیرِ اثر ہو جو اُسے چین لینے نہیں دیتی۔ جب وہ بولتا تھا تو اس کا سر ایک پرندے کے سر کی طرح آگے بڑھتا اور کبھی کبھی وہ اس شخص کی طرف ایک بازو بڑھاتا جس کے ساتھ وہ بول رہا تھا۔ پین کو یہ احساس ہوا کہ اُس کی ساری فکروں میں سے، اس کی

ساری منصوبہ سازی میں سے، سکیم سازی میں سے، بجلی کے سے تیز فیصلوں میں سے وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کر رہا تھا کہ وہ جسمانی طور پر اُس سے بہت چھوٹا، فربہ اور کوتاہ تھا جتنا کہ ایک عظیم فاتح کو ہونا چاہئے۔ اُس کی فرانسیسی دوسروں کی فرانسیسی جیسی نہ تھی، یہ کھردری تھی، گراں گزرتی تھی، یہ کبھی کبھی تیز آگ جیسے بھک ہوتی تھی۔ وہ تحکم پسند ہوتا تھا، اور ایک لمحہ بعد، منکسر اور عاجز۔ اس کی پیشانی پہ بالوں کا ایک سیاہ گچھا تھا جسے وہ غصے کے لمحوں میں اپنی آنکھ سے اوپر اپنے بلند سفید ابرو پر جھٹکے سے نیچے لاتا تھا۔ اُس کی صرف اُسی وقت قطع کلامی کی جاسکتی تھی جب وہ خود ایسا کرنے کو کہتا۔

''ہم فرانس کی بات نہیں کرتے، نہ یورپ کی، بلکہ دنیا کی بات کرتے ہیں''۔ اُس نے شروع کیا۔

مرسی: ''اور دنیا انگلینڈ کی ملکیت ہے''۔

''واقعی؟۔ میں دنیا کو اِس سے زیادہ کچھ تصور کرتا ہوں۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ کلرکوں اور دکانداروں کی ایک قوم کے قبضے میں نہیں ہے''۔

ڈی ارکون: ''وہ بہت اچھے ملاح ہیں''۔

بوناپارٹ: ''انگلش چینل عبور کرنے کے لیے کولمبس نہیں بننا ہوگا''۔

گیبریو: ''سر، ٹرانسپورٹ اور صلاحیتوں کا معاملہ ہوگا۔ مجھے کوئی شبہ نہیں کہ براعظم یورپ ہماری پشت پر ہے۔ ہم ان پر دس اور ایک کی برتری حاصل کرلیں گے۔ اگر یہ محض انگلستان کے ساحل پر ایک فوج رکھنے کا سوال ہے، تو ہمیں کوئی رکاوٹ نہیں گردانی چاہیے بلکہ اس کے برعکس ایک مسئلے کے بطور''۔

بوناپارٹ: ''پھر بطور ایک مسئلہ؟''۔

گیبریو: ''یہ تو ظاہر ہے، حل کیا جاسکتا ہے''۔

ڈی ارکون: ''مجھے افسوس ہے سر، اگر میں اِسے اس طرح نہیں دیکھتا۔ جب تک ہم عوام میں ایک طرح کا متبادل راستہ نہ ابھاریں کم از کم ہمارے سارے بریگیڈوں کو ٹکڑے ٹکڑے

کیا جائے گا۔ فرانس کی افرادی قوت لامحدود نہیں ہے۔ اور ایک دفاع کیے جانے والے ساحل کے خلاف ایک باہر سے ساحل پر اترنے والے آپریشن سے زیادہ مشکل اور کوئی اپریشن نہیں ہوتا''۔

بوناپارٹ: ''ہمارے پاس دیدہ ور ریپبلکن سٹیزن پین موجود ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں پہلے ہی ان پر واضح کر چکا ہوں کہ ہماری ساری تحریک انقلاب کے دوام کی تحریک ہے۔ سٹیزن پین انگلینڈ میں انقلابی کاز کے ساتھ ایک کامیابی کا نشان ہوتے۔ ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر لبرل پارٹی انہیں ٹوریوں کے سامنے تنہا نہ چھوڑتی تو وہ کامیاب ہوجاتے۔ آپ کیا کہتے ہیں سٹیزن پین، انگلینڈ میں ایک مقبولِ عام بغاوت کے بارے میں؟''۔

پین: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانوی عوام اپنے حکمرانوں کے خلاف کافی شکایات رکھتے ہیں''۔

بوناپارٹ: ''تب وہ فرانسیسی فوج کی مدد کریں گے؟۔ وہ مزاحمت نہیں کریں گے؟''۔

پین: (بہت نرمی سے) ''میرا خیال ہے سر، وہ مزاحمت کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ کی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کردیں گے۔ میرا خیال ہے اگر آپ انگلینڈ پر حملہ کرتے ہیں تو حملہ آور فوج کا ایک سپاہی بھی فرانس نہیں لوٹے گا''۔

بوناپارٹ: ''کیا آپ مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، سٹیزن؟''۔

پین: (غیر یقینی طور پر) ''میں نہیں جانتا.....بہت سال ہوئے کہ میں انگلینڈ سے باہر ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے مجھے پتہ نہ تھا کہ ایک فوجی حملے کی باتیں ہوں گی''۔

ڈی ارکون: ''کیا سٹیزن پین کا خیال یہ تھا کہ ہتھیاروں کے بغیر ہم انگلینڈ پر حملہ کریں گے؟''۔

پین: (بہت غیر یقینی طور پر) ''مجھے معلوم نہ تھا.....میرا خیال تھا کہ انقلاب کو دوبارہ بحال کیا جائے گا۔ برطانوی عوام کو کم وفادار بنایا گیا اور برا سلوک کیا گیا مگر حملے کے معاملے میں اُس کی کوئی اہمیت نہ ہوگی''۔

بوناپارٹ: ''اور وہ کیوں پروانہ کریں گے؟''۔

پین :''اس لیے میرے جنرل ،سمجھ لینا چاہیے کہ انگلینڈ میں دو چیزیں ہیں،عوام اور بادشاہت۔بادشاہت اور ایمپائر کو تباہ کیا جاسکتا ہے،مگر عوام پر فتح نہیں پایا جاسکتا۔فوجی حملہ انہیں مزید متحد کردے گا،اور اگر آپ اُن کے ساحلوں پر ایک فوج اتاریں گے تو وہ بھول جائیں گے کہ وہ چھ پنس یومیہ پر کام کرتے ہیں۔وہ صرف یہ یاد رکھیں گے کہ وہ برطانوی ہیں۔انقلاب اُن کے اندر سے آنا چاہیے،نہ کہ بیرونی حملے سے۔ایمپائر کے ساتھ بات الگ ہے''۔

بونا پارٹ(بہت خشکی اور سرد مہری سے):''اور ایمپائر کے ساتھ الگ بات کیسے ہے سٹیزن پین؟''۔

پین :(ڈگمگاتے ہوئے،مگر جونہی وہ بولتا ہے اس کی آواز توانائی پکڑتی ہے):''ایمپائر زد میں آسکتا ہے۔امن کیجئے ،عام حقِ رائے دہندگی جاری کیجئے ، ریپبلک کے اصولوں پر دوبارہ اصرار کیجئے اور انہیں پورے یورپ میں لاگو کیجئے ؛انسانی حقوق کے لیے آواز اٹھائیے ، ریپبلکن فرانس کی شان دوبارہ جیتئے اور خود کو ریپبلکن امریکہ کا اتحادی بنائیے ۔ایمپائر کیا ہے؟۔تجارت ؟۔پھر سمندروں کی آزادی کا اعلان کیجئے اور اسے مضبوط بنائیے ۔امریکہ آپ کے ساتھ ہو جائے گا،محصول ختم کیجئے اور بندرگاہیں کھول دیجئے ،اور دیکھیے برطانیہ کتنی دیر تک آپ کا مقابلہ کر پائے گا۔پھر فرانس کو خوشحال کیجئے ،معمر لوگوں کے پنشن قائم کیجئے ،کام کے اوقات کم کیجئے ،غریب کی تنخواہ بڑھائیے ،اور دور و نزدیک انقلاب کا اعلان کیجئے ۔پھر انگریز عوام اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کے ساتھ شامل ہوں گے۔انگلینڈ کو فتح نہیں کیا جاسکتا،مگر اُسے جیتا جاسکتا ہے''۔

اُس کے بعد وہاں ایک خاموشی تھی ،اس قدر گہری اور ڈراؤنی خاموشی کہ پین کو خوف اور بیماری محسوس ہوئی۔جب وہ واپس اپنی کرسی پر جارہا تھا تو اُسے اپنے پرانے پھوڑوں میں سے گرمی اور آگ محسوس ہورہی تھی۔یہ اختتام۔یہ آخری امید ختم ہو چکی تھی۔یہ اُس سب کا حاصل تھا جن کے لیے وہ جیا تھا۔انگلینڈ کی سبز ساحلوں پر حملہ اُن سب چھوٹے مردوں عورتوں سب کے لیے موت اور تباہی تھی جن سے ایک بار اس نے پا تال سے سورج کی چمکتی روشنی تک راہنمائی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

اور گیبریو نے اٹھتے ہوئے طنز کیا:''سٹیزن پین،میرا خیال ہے کہ،ایک انگریز کے بطور بولتا ہے؟''۔

ایک چنگاری رہتی تھی ،اپنے پیروں کو ٹٹولتے ہوئے ، پین نے سرگوشی کی:''یہ مُردوں سے پوچھو زندوں سے نہیں۔تین قوموں کے عوام سے پوچھو کہ آیا پین انسانیت کے علاوہ کسی چیز کے لیے کبھی بولا''۔

اور بونا پارٹ نے کہا''بہت ہو گیا موسیو پین''۔

15

''مگر کوئی شخص اپنے مزار کے بارے میں نہیں جانتا.....''

یہ ایک طویل سفر تھا مگر برا سفر نہ تھا۔وقت کے لحاظ سے یہ اب طویل پینتالیس دن تھے اور اب تک زمین نظر آنے کے کوئی آثار نہ تھے۔تجربہ کار مسافروں نے کہا،نہیں ، یہ تو کچھ بھی نہیں

ہے،ایک برا سمندری سفر سو دن کا ہوسکتا ہے۔بحری جہاز اب، 1802 کے سال میں بہتر تھے،آپ اُس وقت تک کسی سمندری سفر کو برا نہیں کہتے جب تک کہ پینے کا پانی خراب نہ ہوجائے، اور ،خدا نے چاہا تو کل صبح سویرے ہمیں زمین نظر آئے گی۔

کل صبح سویرے نے آدھے مسافروں کو عرشے پہ جمع دیکھا، ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ اچھے، سرسبز ملک امریکہ نظر آنے والا پہلا بن جائے، اور یہی چیز اگلے دن، اور اگلے دن ہوئی، ہر بار زیادہ مسافر عرشے پہ جمع ہوتے جب تک کہ بالآخر زمین نظر آ گئی۔

مسافروں میں بوڑھا شخص پین شامل تھا، عرشے پر خاموشی سے کھڑا سامنے جھانکتے ہوئے، ذرا سا کانپتے ہوئے اور سر ہلایا جب کیپٹن نے ایک مسرت آمیز نرم آواز میں کہا:

''اچھا لگتا ہے، پرانا ملک ہاں، مسٹر پین''؟۔

''ہاں............''

''ذرا سا تبدیل، مگر اس قدر نہیں کہ آپ اسے پہچان نہ پائیں''۔

''بہت عرصہ بیتا''۔

''ہاں۔یہی ہوتا ہے۔ایک شخص کو سفر کرنے کی تکلیف ہوسکتی ہے مگر آخر میں گھر پہنچنے پر بہت خوش ہوتا ہے''۔اوپر وہ بادبان بنا رہے تھے، اور ایک ڈھیلی رسی اچھل رہی تھی، کیپٹن اوپر غرایا'' چاق چوبند دیکھو، تم کام چورو!''۔اور پھر پین سے،''ہم بالٹی مور سے کافی قریب ہوں گے ایک دو دن میں۔آپ تو واشنگٹن جائیں گے''؟۔

''میرا منصوبہ تھا''۔پین نے اثبات میں سر ہلایا۔اس کی آواز میں جھجک تھی جب اس نے کہا''میں اپنے پرانے دوست مسٹر جیفرسن کو دیکھنا چاہتا ہوں۔بہت عرصہ ہوا.......''۔

''یہ ہوئی نا بات''۔کیپٹن ہنسا، اس قدر زور سے تاکہ ساتھ والوں کو سنا سکے کہ وہ امریکہ کے صدر کے ایک دوست سے اس قدر واقفیت سے باتیں کر رہا ہے۔پرائیویٹ طور پر اسے اس بوڑھے بدمعاش سے بہت کم ہمدردی تھی، گو کہ پین کسی طرح بھی اس قدر کراہت انگیز نہ تھا جتنا کہ اُسے بیان کیا گیا تھا۔کہا جاتا تھا وہ مسیحیت کا دشمن تھا۔کیپٹن مذہبی شخص تھا مگر پھر بھی صحیح موقع پر صحیح

بات کہنا کبھی تکلیف نہیں دیتا۔

''یہ ہوئی بات''۔وہ ہنسا''میں گھر جاؤں گا زوجہ کے پاس اور آپ صدر کے ساتھ رات کا کھانا کھانے''۔

اچھا ہے، پین نے خود سے سوچا، کہ وہ گھر آ گیا تھا۔انسان ایک دوستانہ جگہ پر مرنا چاہتا ہے۔وہ چاہتا ہے کہ ایک دو دوست اس کے پاس ہوں۔دنیا بہت بڑی ہے.....آدمی جب بوڑھا اور تھکا ہو تو وہ اُس کا بہت چھوٹا کونا چاہتا ہے۔روئے زمین پر دوسری ہر جگہ وہ اس سے نفرت کرتے ہوں گے، ہوسکتا ہے اس پر ہنسیں، مگر امریکہ فراموش نہیں کر سکے گا۔وہ زمانے جنہوں نے انسانوں کی روحوں کی آزمائش کی تھی، اس قدر پرانے نہ ہوئے تھے کہ فراموش ہو جائیں۔واشنگٹن مر چکا تھا، مگر باقیوں کی اکثریت زندہ تھی۔انہیں پرانا''کامن سنس''یاد ہوگا۔

انہوں نے جہاز کے عرشے پہ اس سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہا۔اور وہ بھی بے پرواہ، اس کا کام ہو چکا تھا۔نپولین یورپ کا مالک تھا، اور پین اب صرف یہ چاہتا تھا کہ گھر جائے اور بھول جائے۔

وہ پریذیڈنٹ ہاؤس میں آ گیا اور کروفر والے دربان نے اعلان کیا''مسٹر پین صدر سے ملنا چاہتا ہے''، اور یہ ایک خواب تھا۔اس نے ٹام جیفرسن کے سامنے خود کو ایک بوڑھے کی طرح محسوس کیا، حالانکہ ان کی عمروں میں صرف چھ سال کا فرق تھا۔پین نے اس لمبے سیدھے دلکش شخص کے سامنے خود کو بہت بوڑھا اور بے مقصد محسوس کیا جو کہ ریاستہائے متحدہ کا صدر تھا۔جیفرسن اپنے اقتدار اور شان کی بلندی پہ تھا، وہ اُسے انقلاب کا دوسرا مرحلہ کہتے تھے جب وہ الیکشن جیتا، عام آدمی کے دن کا طلوعِ سحر، اور پین تھک چکا تھا اور ختم تھا۔

مگر جیفرسن نے، آگے لپکتے ہوئے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا، ٹام پین تم بوڑھی آنکھوں کے لیے ایک نظارہ ہو۔جنگیں ختم ہو چکیں، اور تم گھر آ گئے!۔یہ پہیے کا موڑ ہے ٹام ، یہ ایک نشانی ہے کہ تقدیر مسکرا رہی ہے جب پرانے کامریڈ دوبارہ قریب آتے ہیں''۔

پین کچھ نہیں بول سکتا تھا۔ وہ مسکرایا اور پھر رونے لگا، اور پھر جیفرسن اسے تنہا چھوڑنے میں کافی ہوشیار تھا۔ بوڑھا آدمی نئے صدارتی گھر کے استقبالیہ کمرے میں بیٹھا تھا، موٹے آنسو روتا ہوا، کانپتے ہاتھ سے نسوار لیتا ہوا، اور پھر دوبارہ روتا ہوا۔

وہ ٹھیک ٹھاک تھا جب جیفرسن واپس آیا۔ وہ آگے کے دو کمروں میں چکر لگا رہا تھا، پرانے فرنیچر پر دیکھتا ہوا اور پیچھے کھڑے اُن لوگوں کے آئل پورٹریٹس کو دیکھ رہا تھا جنہیں وہ ایک زمانے میں جانتا تھا اور ان کے شانہ بشانہ لڑا تھا۔

''یہ نیا ہے''۔ جیفرسن نے وضاحت کی۔ ''سارا شہر نیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایک دن یہ دنیا کے عظیم دارالحکومتوں میں سے ایک ہوگا''۔

''یہ ہوگا''۔ پین نے متانت و اخلاص سے کہا۔

''تم رات کے کھانے کو رکو گے، یقیناً؟''۔

''صدر ایک مصروف شخص ہوتا ہے''۔

''یہ بکواس ہے، اور تم رات کے کھانے تک رکو گے، ٹام۔ ہم نے بہت باتیں کرنی ہیں۔

پین رکنے کو متمنی تھا۔ سفر کے دوران وہ سارا وقت قیاس کرتا رہا تھا کہ جیفرسن کس طرح اس کا استقبال کرے گا۔ حتیٰ کہ اب دونوں دنیا کے اولین ڈیموکریٹس کے بطور اکٹھے تھے، اور یہ بلاشبہ عجب ہوگا اگر جیفرسن انتظامیہ میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی تو۔ بے شک ایک چھوٹی اسامی، مثلاً برطانوی یا فرانسیسی سفیر کا سیکریٹری، یا شاید کمتر کابینہ وزارتوں میں سے ایک۔ وہ بہتر ہوگا، اس لیے کہ یہ اسے امریکہ میں اپنے آخری سال گزارنے کی اجازت دے گا، اور جیفرسن اس ذمہ داری سے کیسے ٹال دے گا؟۔ کیا اس نے فوری طور پر نہ دیکھا کہ اُسے پرانے زمانے یاد تھے؟۔ ایک چھوٹا کام، ایک چھوٹا وقار، ایک ذرا سی عزت اور وہ اطمینان سے مرنے کے قابل ہو سکے گا۔

گھر میں ہونا اچھا تھا۔

کھانے پر جیفرسن سیدھا سیدھا موضوع پر آنے سے پہلے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

پرانے زمانوں کی باتیں کرتے ہوئے وہ ایک کے بعد دوسری یاد چھیڑتا رہا اور پین پر یہ فوراً ظاہر ہوگیا کہ وہ ان یادوں سے تکلیف کے ساتھ نمٹ رہا تھا۔ جیفرسن خود اپنے ضمیر کے ساتھ کھیلنے والا شخص نہ تھا۔ وہ الفاظ اور بلند تصورات پہ زندہ تھا، نہ کہ عمل سے۔ اس نے پین سے کہا۔

''ایسا نہیں کہ ہم نے ہمیشہ اختلاف رکھا۔ ہمارے آخری مقاصد ہمیشہ ایک ہی تھے''۔

اور پین نے پرجوشی سے کہا: ''یہ بدترین زمانوں میں ایک ہم بستگی تھی۔ اگرچہ چیزیں سیاہ تھیں، مگر وہ اس قدر سیاہ کبھی نہ تھیں کہ میں خود کو بتانے کے قابل رہتا کہ، دنیا میں ایک شخص ہے جو سمجھتا ہے اور اعتبار کرتا ہے''۔

جب کافی اور برانڈی سرو کی گئی، تو جیفرسن نے گفتگو کا رخ پین کے یورپ کے تجربات کی طرف موڑ دی۔ مگر بوڑھا شخص اُن یادوں کو واپس لانے کو بے قرار نہ تھا جو مر چکی تھیں۔ اُن بہادر انسانوں کے بارے میں اس قدر تعجب سے پوچھنا صدر کے لیے عام سی معمولی بات لگتی تھی جو اپنی اموات سے ملنے لگزمبرگ سے آگے جا چکے تھے، کلوٹز، ڈینٹن، کونڈورسیٹ۔ شارلٹ کورڈے کی طرف سے ماراٹ کے قتل کا تو پین کچھ بھی نہ بول سکتا تھا۔

''کام تمام ہوا''۔ اس نے کندھے اچکائے ''اب یہ نپولین ہے۔ ریپبلک کا کچھ بھی نہ بچا''۔

''اور کیا فرانسیسی اس کی حمایت کریں گے؟ مجھے بالکل یقین نہیں ہے''۔

''وہ اس کی حمایت کریں گے۔ وہ اچھے لوگ ہیں، مگر اب ساری دنیا اُن کے خلاف ہوگئی ہے۔ وہ اور کیا کر سکتے ہیں؟''۔

''میں سمجھتا ہوں کہ آپ اب خود کو لکھنے پہ وقف کریں گے''۔ جیفرسن نے کہا، اور یہ بھی کہے بغیر نہ رہ سکا ''انتظامیہ کو آپ کی مدد کر کے خوشی ہوگی''۔

''میری عمر میں کوئی انقلاب نہیں کرتا''۔ پین مسکرایا۔

''ہاں، یہ تو فطری بات ہے۔ ایک لمبی عمر، بھرپور، ایک لڑائی خوب لڑی گئی، آپ کہہ سکتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے اُس کا بہت کچھ آپ کے دم سے ہے، ہم نے جو کچھ کیا اس میں بہت کچھ پین نے کیا۔ اور اب ایک آرام دِہ بڑھاپا''۔

''بڑھاپا؟''۔

''بس کہنے کا ایک طریقہ۔ہم سب اُس قدر جوان نہیں رہے جیسے کہ ہم ہوا کرتے تھے''۔

ایک ہاتھ بڑھاتے ہوئے جو خود بخود کانپ رہا تھا، پین مدافعانہ انداز میں بولا''مشین گھس پٹ جاتا ہے ،مگر میرا دماغ بوڑھا نہیں ہے ۔کیا انہوں نے فرینکلن پر ایک بوڑھا شخص ہونے کا الزام لگایا؟۔میرا کوئی خاندان نہیں ہے.....''

''فارم؟''جیفرسن نے کہا۔اس کا اشارہ نیوروچیلی میں جائیداد کے اُس ٹکڑے کی طرف تھا جو کانگریس نے جنگ کے بعد پین کو بخشی تھی۔

''میں ایک کاشتکار نہیں ہوں۔ ایک انسان کام چاہتا ہے، وہ پرانے سامان کی ایک چیز کی طرح ایک شیلف میں رکھا جانا نہیں چاہتا''۔ یہ اُس کے قریب ترین تھا جو وہ جیفرسن سے مانگنے آیا تھا۔ہاں، وہ تھوڑا سا سمجھ گیا جو کچھ کہ صدر سوچ رہا تھا،مگر ایک بوڑھا شخص اُن چند سالوں میں چڑچڑا ہو جاتا ہے جو اس کے پاس بچے ہیں۔جیفرسن نے آزردگی سے اپنے ہاتھوں کی پشت پر دیکھا اور ایک صدر سے متعلق وہ الفاظ کہے جو خود اپنا مالک نہ ہو، ایک نئی، جمہوری انتظامیہ جس نے کہ مشکل لڑائی لڑنی تھی ،ایک سیاسی صف بندی کی لڑائی جو کہ پیچیدہ ترین تھی۔وہ اپنے اور پین کے درمیان کوئی چیز آنے نہیں دینا چاہتا تھا۔وہ کسی غلط فہمی سے بہت زیادہ، پرانے اچھے دوست تھے۔

''اچھا''۔پین نے سر ہلایا۔

جیفرسن بے مروتی سے بولا''آپ دیکھیں گے کہ یہاں آپ کے دشمن موجود ہیں تھامس ۔جو خط تم نے واشنگٹن کو لکھا تھا.....''

''میں اُس آدمی کے بارے میں بات نہیں کروں گا''۔پین غرایا۔

''نہیں ، میں اُس کو معاف نہیں کر رہا۔مگر اُس کی صورتحال کو سمجھو، ایک ریاست کے نوزائیدہ کو پالنا جو کسی طرح متحد نہیں ، انگلینڈ ہمیں بار بار تنگ کر رہا ہے، اور ہم سب جانتے ہیں کہ ایک اور جنگ ہمیں تباہ کر دے گی، آپ فرانس میں تھے.....''۔

''گلوٹین کے انتظار میں!''۔

''میں جانتا ہوں تھامس ۔مگر واشنگٹن عجیب شخص تھا، ذہین نہیں، نہ دانشمند، اس کا دل دُکھا تھا اور اس پر چٹانوں کی ایک تہہ تھی۔آپ شان اور شوکت کا سوچتے ہیں مگر وہ ایک ایسے شخص کے لیے کیا اہمیت رکھتا تھا جس نے زندگی بھر کچھ بھی نہ چاہا تھا؟۔وہ اپنی ڈیوٹی دیکھتا تھا اور اس نے اُسے سرانجام دینے کی کوشش کی.....''۔

''خواہ اس کا مطلب مجھے سزائے موت دینا تھا''۔

''خواہ، اس کا مطلب وہی ہوتا''۔جیفرسن نے تسلیم کیا۔

کچھ لمحے خاموشی، اور پھر صدر نے''دلیل کا زمانہ'' کا تذکرہ کیا۔اس نے بتایا کہ ساری انتظامیہ پر دہریہ کہہ کر حملہ کیا گیا۔پین اب تھک گیا تھا، دیکھتے ہوئے کہ چیزیں کیسی تھیں، اس نے چاہا کہ یہ سب کچھ ختم کر دے اور چلا جائے۔

''اگر آپ انتظامیہ میں داخل ہو جائیں''جیفرسن نے آخر میں اضافہ کیا''تو یہ بالکل وہی بات ہوگی جو کہ ہمارے دشمن چاہتے ہیں''۔

پین مسکرایا اور اثبات میں سر ہلایا۔

''شاید ایک یا دو سال میں''۔جیفرسن نے کہا۔

ایک ہوٹل میں: ''پین؟ یہ خدا والوں کا گھر ہے۔ ہم پین کا کوئی حصہ نہیں چاہتے''۔

گلی میں: ''وہ دیکھو بڈھا وحشی جا رہا ہے''۔

ایک شراب خانے میں: ''شیطان کے ساتھ پیو، لڑکو۔کرائسٹ دشمن یہاں ہے''۔

اور بچے مٹی اور پتھر مارتے ہوئے: ''ملعون بوڑھا شیطان، ملعون بوڑھا شیطان!''

ایک عورت: ''تم گندے بڈھے درندے.....تم گندے، گندے بڈھے درندے!''۔

ایک مجمع: ''ایک رسی اور ایک درخت، اور اس کا کام ختم کیا جائے!''۔

پین گھر میں تھا۔

وہ اپنے پرانے دوست کرک برائیڈ سے ملنے بورڈن ٹاؤن چلا گیا۔ کرک برائیڈ نے لکھا تھا کہ وہ پین سے مل کر بہت خوش ہوگا، بہت زیادہ خوش۔ اور جب پین نے خدشہ ظاہر کیا کہ اس کے وہاں جانے سے شاید کرک برائیڈ کے وقار کو نقصان پہنچے گا تو کرک برائیڈ نے اس اعتراض کو رد کر دیا اور اس سے آنے کی استدعا کی۔ پین ابھی تک بورڈن ٹاؤن کی چھوٹی جائیداد کا مالک تھا، اور غربت کے ایک نئے اور بڑے خوف نے اُسے آن لیا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ زمین کو دیکھ لے گا اور اندازہ لگائے گا کہ آیا یہ فروخت کے قابل ہے۔

بورڈن ٹاؤن میں واپسی اچھی تھی۔ جرسی کے دیہی علاقے میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ پین کرک برائیڈ کے ہاں ہوگا، اور لوگوں نے گالیوں اور جلوس کا جو منصوبہ بنایا ہوگا انہیں اُس وقت ختم کیا گیا جب وہاں اپنے پرانے کامریڈ کو تعظیم پیش کرنے ایک درجن جنگِ آزادی کے بوڑھے جمع ہو گئے۔ یہ لیڈر نہ تھے، نہ ہی سیاستدان بلکہ یہ بھوری رنگت والے میلے کچیلے کاشتکار تھے۔ روشن آنکھوں والے، نرمی سے بات کرنے والے لوگ جن کی عمریں 40 اور پچاس اور ساٹھ کے پیٹے میں تھیں، اور جو کہ اس قدر بلند نہیں ہوئے تھے کہ اپنی ساری یادیں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ وہ مذہبی تو تھے، مگر اس قدر مذہبی نہیں کہ وہ خدا اور انسان کو اپنے عقیدے سے نکال باہر کرتے۔

آگ کے ارد گرد نیم دائرہ میں جمع ہو کر انہوں نے اپنے دوست کو ایک مفصل خراج تحسین پیش کیا، اور انہوں نے پین کو وہ آخری شام دی جسے وہ یاد رکھنا چاہتا تھا۔ ان آدمیوں کو تقریر سست رفتاری اور مشکل سے آ رہی تھی، اُن کے کھیت بہت دور دور واقع تھے، اس طرح کے اکٹھ بہت ہی کبھی کبھار ہوتے تھے۔ اور پرانی طرز کی شراب کے اچھے خاصے دور کے بعد ان کی زبانیں کھل گئیں۔ پھر محتاط مستریوں کی طرح، ایک ایسی زمین پر سیمنٹ کی نعمت سے سرفراز ہوتے ہوئے جہاں مزید گارے کا پلاسٹر نہیں لگایا جا سکتا تھا، انہوں نے منظر کے بعد منظر کی سیر کی، ایک دوسرے کو کہانیاں سناتے ہوئے، تعصب سے نہیں بلکہ درست اندازہ کرتے ہوئے، جس طرح کہ ایک اچھی چیز سے کیا جاتا ہے۔ انہوں نے پہلے ''بحران'' کاغذ کی کمپوزیشن کو یاد کیا، ایسی تفصیلات پہ دیر تک رہتے ہوئے جس طرح کہ وہ ڈھول جسے پین نے ڈیسک کے بطور استعمال کیا تھا۔

''بڑی تو ندوالا.....''

''اب اس سے حساب کتاب چکا دو۔ وہ ایک نفیس ڈھول تھا۔ یہ جونی ہوپر کا تھا''۔ وہ پھر اس پر بات کرنے لگے کہ کس طرح جونی ہوپر، چھوٹا مردود ڈھولچی لڑکا سولہ سال کی عمر میں برانڈی شراب پر مر گیا۔ ''بے چارہ چھوٹا مردود''۔ پھر اُس کے بعد، ایک کے بعد ایک پرانے چہرے کو یاد کیا گیا۔ پین کو سن کر صدمہ ہوا کہ کتنے مر چکے تھے۔ کیا ایک پورا عہد، ایک پورا زمانہ گزر چکا تھا؟۔ قبر کے اُس طرف سے ایک حاضری لگ رہی تھی، گرین، رابرڈیو، پٹنام، ہملٹن، ایک کے بعد دوسرا نام۔ ''توڑ دی گئی فوج'' ایک نے کہا۔

مگر اس ساری بات چیت کے لیے کہ کیا تھا جو اَب نہ تھا، یہ پین کے لیے ایک اچھی رات تھی، ایک میٹھی، گرم رات، ایک ایسی رات جو ایک ایسے موقع پر یاد رکھی جانی تھی جب جیسا کہ بعد میں، بورڈن ٹاؤن چھوڑنے کے بعد، وہ نیویارک جاتے ہوئے ٹرینٹون سے گزرا اور وہاں کوچ بدلے۔ اس نے اپنی شناخت کبھی نہ چھپائی، وہ مسٹر پین تھا، اور اس پر فخر کرتا تھا مگر پک اپ کوچ ڈرائیور نے اُسے بتایا:

''مردود، خبردار، اگر تم نے میرے کوچ میں پاؤں رکھا''۔

اس پر پین نے اپنا سر جھکایا اور آرام سے کہا ''بہت اچھا، میں نئے کے لیے انتظار کروں گا۔''

کوچوں کے درمیان لفنگے لڑکوں کا ایک گروہ جمع ہوا۔ بوڑھے شخص کے سامان کو ٹھڈے مارنا بہت مزیدار تھا، اور پھر جب وہ اپنا سامان لینے چلا گیا اس کو پیٹھ پر ایک چھڑی یا مٹی کے ایک ڈھیلے سے مارنا۔ اور اس کا بہترین حصہ یہ تھا کہ بڑی عمروں والے لوگ کھڑے ہنس رہے تھے اور چلّا رہے تھے۔ ''جاری رکھو، بوڑھے شیطان کو وہی دو جس کا وہ حقدار ہے''۔ اس سے بہتر شغل یہ تھا کہ جب وہ غصہ میں آ جاتا تو اس کے چہرے پر تھوکا جاتا، اس کے کندھے یا کولھے کو کھینچا جاتا، اس کی پہنچ سے دور یہ کچھ چیختے ہوئے رقص کیا جاتا: ''خدا موجود نہیں ہے، پین ایسا کہتا ہے!۔ کوئی خدا موجود نہیں ہے''۔ سب سے مزیدار شغل یہ ہوا جب جیڈ ہگنز نے اسے ٹھوکر لگائی اور اسے کیچڑ پر

اوندھا دے مارا، اور پھر، جب وہ وہاں پڑا تھا، ایساروں روں کرتا ہوا جیسے وہ ایک پرانا بزدل ہو، جیڈ نے اپنی گرفت ڈھیلی کر لی اور اس کے سامان سے آدھے کپڑے باہر پھینک دیے، اور خالی وہسکی کی بوتلیں اس میں ٹھونس دیں جو کہ کوچ سٹاپ میں کوڑا کرکٹ کے بطور جا بجا پڑی تھیں۔

اس سب کچھ نے بہت مسرت آمیز طوالت تک چلتے رہنا تھا اگر مارک فری برگ وہاں نہ آتا۔ مارک کا صرف ایک بازو تھا، دوسرا وہ جنگ میں ضائع کر چکا تھا۔ مگر وہ واحد بازو اس قدر مضبوط تھا کہ اس نے نوجوان بانکوں کو بھگا دیا اور بوڑھے آدمی کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا۔

وہ نیوروچیلی پہ فارم پر جانے سے قبل کچھ دیر نیویارک میں رہا۔ اس کا پہلو اسے پھر تکلیف دے رہا تھا اور اس کے ہاتھ ہمیشہ سے زیادہ برے طریقے سے کپکپا رہے تھے۔ اس نے جسم کے دوسرے حصوں کی تکلیف کی پرواہ نہ کی، مگر اگر وہ اپنے ہاتھوں پر قابو نہ پا سکتا تو وہ لکھتا کیسے؟۔ اور لکھنا اس کے لیے واحد چیز رہ گیا تھا۔ اُس کے علاوہ نپولین کا لمبا ہاتھ اٹلانٹک کے پار پہنچا، اور اُسے چھوا۔ بونیولی نئی حکومت کے ساتھ مشکل تعلقات میں تھا۔ اس کا خبار بند کر دیا گیا۔ اور وہ اپنی بیوی اور بچوں کے بارے میں خوفزدہ تھا۔ اب وہ خود ملک نہیں چھوڑ سکتا تھا مگر کیا پین مادام بونیوالی اور بچوں کے لیے کچھ راشن کا انتظام نہیں کر سکتا تھا؟۔ شاید وہ پین کے گھر کی جھاڑ پونچھ کا کام کر سکے گی؟۔ فرانس میں، نپولین کے تحت ایک ایسے آدمی کے لیے کچھ نہ بچا تھا جو آزادی سے محبت کرتا ہو، اور یہ کہا جاتا تھا کہ پین امریکہ میں ایک عظیم آدمی تھا.....

ہاں، پین نے لکھا، کہ وہ کچھ کرے گا۔

چنانچہ دوسری چیزوں میں اضافہ کرتے ہوئے، وہاں ایک عورت اور تین چھوٹے بچے اُس کے ذمے تھے۔

یہ سب کچھ اُسے بہت مصروف رکھنے والا تھا۔ اُس کا سر اس سب کے دباؤ کی وجہ سے درد کرنے لگا۔ بہت سے کام کرنے تھے، کئی معاملات پر توجہ کرنی تھی۔ جیفرسن دوبارہ صدارت کا

امیدوار تھا، اور پین، ایک بچگانہ غصے کی جھنجلاہٹ کے بعد اس مسئلے پر خود سے لڑا اور صدر کی حمایت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مضامین اور استدعائیں لکھتے ہوئے .....مگر اس کے ہاتھ کانپتے تھے۔ پھر بونیولی خاندان آیا، اور اس نے انہیں بورڈن ٹاؤن بجھوا دیا۔ اس قدر بوڑھا تھا کہ بچوں کو تنگ کرانے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ وہ کچھ بھول جاتا، اور پھر نیویارک کے اپنے چھوٹے کمرے میں یہ یاد کرنے کی کوشش میں چکر کاٹتا رہتا کہ وہ کیا چیز بھول چکا تھا اور پھر سلیپرز اور ڈریسنگ گاؤن کے ساتھ باہر گلی میں جاتا۔ محض اس وقت احساس ہوتا کہ اُس نے کیا کیا جب لوگوں کے قہقہے اور طنز آمیز فقرے اسے ہوش میں لاتے۔ ڈپریشن کے دورے ہوتے اور برانڈی کی بوتل اس کی واحد دلجوئی تھی، اور وہ اُس وقت تک پیتا جب تک کہ گلاس اس کی کانپتی انگلیوں سے پھسل جاتا۔

پھر مادام بونیولی بورڈن ٹاؤن سے لوٹی، پیرس میں بہت سال گزارنے کے بعد ایک گنوار گاؤں میں زندگی سے بیزار جہاں ایک شخص بھی فرانسیسی کا ایک لفظ تک نہیں بول سکتا تھا۔ اس نے نیویارک میں کمرے لیے اور جب پین نے احتجاج کیا کہ اس نے بہرحال اسے ایک گھر دیا تھا، اور یہ کہ وہ ایک اپارٹمنٹ کے لیے بھی پیسہ دینے جتنا امیر نہ تھا، تو وہ بولی۔

''اور پیرس میں تمہاری خیالداری کس نے کی؟''۔

وہ اب دنگا کرنے کی عمر کا نہ رہا تھا۔ اُسے سکون چین چاہیے تھا۔ وہ اب مزید اپنے ذہن میں یقینی نہ تھا کہ اُسے کن لوگوں کا کتنا کتنا قرضہ دینا تھا۔

اس نے نیوروچیلی کے مقام پر اکیلا رہنے کی کوشش کی مگر اس میں بھوت آباد تھے۔ جب وہ رات کو ایک آگ جلاتا، تیز آوازوں سے بجتے ڈھولوں اور تیز شہنائیوں کی معیت میں، شعلوں میں سے مارچ پاسٹ مارچ کرتے ہوئے تھکے ہارے جنگ آزادی کے سپاہی اپنے کندھوں پر لمبی توپکیں لیے غمزدہ چیخیں چیختے ہوئے، ہیلو ہیلو، بوڑھے کامن سینس!۔ وہ اسے جھیل نہیں سکتا تھا۔ وہ یادیں نہیں چاہتا تھا۔ وہ اُن پر پلیٹیں پھینکتا اور ان سے التجا کرتا'' مجھے اکیلا چھوڑو، مجھے اکیلا چھوڑو!''۔

اُسے ایک سٹروک ہوا تھا اور وہ گھر میں سیڑھیوں کی تنگ بلندی سے نیچے لڑھک گیا تھا۔ نرگی سے روتے ہوئے وہ تہہ پہ پڑا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم نہیں تھا کہ اسے کیا ہو گیا تھا، زور زور سے مدد کے لیے پکار رہا تھا جب اُس نے دیکھا کہ وہ ہاتھ استعمال نہیں کر سک رہا۔ کوئی امداد نہ آئی، کسی کو اُس کی فریادیں سنائی نہ دیں۔ وہ اُس وقت تک فرش پر پڑا رہا جب تک اُسے اتنی توانائی آئی کہ وہ بستر پر چڑھ گیا اور وہاں ایک خوفناک ہفتہ تک پڑا رہا جس کے دوران وہ کسی طرح زندہ رہ سکا۔

پھر وہ تنہا ہونے سے خوفزدہ تھا، اور اس نے مادام بونیولی کو آنے اور اس کی خاطر گھر کی دیکھ بحال کرنے کا کہا۔ وہ کچھ زیادہ ڈری ہوئی تھی، خرگوشوں کی طرح بھاگتے رہنے والے تین بچوں نے اُسے خوف میں مبتلا کر دیا کہ وہ درختوں میں گم ہو جائیں گے اور انڈینز کے ہاتھوں اغواء ہو جائیں گے۔ پین نے وضاحت کہ یہاں نیو روچیلی کے آس پاس ایک سو سال سے کوئی انڈینز نہیں ہیں۔ وہ قائل ہو گئی۔ اس نے اپنے خوف کو پیرس کی ماتمی یاد کے ساتھ بدل دیا..... بوڑھے بیمار شخص کے لیے وہ ایک مدد کی بجائے ایک وبال جانِ زیادہ تھی۔

اس نے اپنے اور بچوں کے لیے ایک ترکہ چھوڑ جانے کو کہا تھا، اور اب وہ اسے اُس کے بارے میں یاد دلا رہی تھی۔

''ایسا کیا جائے گا، کیا جائے گا''۔ اس نے کہا۔

مگر وہ تنہا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مرنے سے نہیں ڈرتا تھا، مگر وہ ایک سٹروک کے خوفناک، مفلوج کر ڈالنے والے اثر سے ڈرتا تھا۔ اور ڈاکٹر نے اسے یقین دلایا تھا کہ سٹروک جلد یا بدیر لوٹ آئے گا۔ اس لیے اس نے ایک کرائے کا آدمی تلاش کیا تھا جس کا نام ڈیررک تھا، جو اُس کے لیے کام کرے گا۔

ڈیررک متعصّبانہ مذہبی تھا۔ سارا مذہب اُس کا تھا، اس کا ذاتی، پُر جلال ملکیت۔ فرشتے پشت پر لیے وہ شیطان کے لیے کام کرنے آیا، اس کا لمبا، گھوڑے جیسا چہرہ چوکنا اور فیصلہ کن تھا۔ وہ کوئی کام اچھی طرح نہیں کر سکتا تھا۔ ہل کی ایک لکیر نہیں بنا سکتا تھا، نہ ایک درخت کاٹ سکتا تھا، نہ

ایک باڑا تیار کر سکتا تھا۔ مگر اس سب کی اہمیت نہ تھی اس لیے کہ یہاں اس کا سب سے بڑا کام ٹام پین کی نگرانی تھی، مسودوں کی چوری تھی جو اس کے خیال میں شیطان کی محبت میں لکھے گئے تھے۔ انہیں جلانا تھا، کہانیاں لے جانی تھیں، اپنے مالک کے بارے میں باتیں بنانی تھیں۔ وہ اپنے مالک کی وہسکی بھی چراتا تھا اور اکثر دھت رہتا تھا۔

بالآخر پین نے اُسے فارغ کر دیا، تنہا ہونا بہتر تھا۔ چند دن بعد ڈیررک واپس ہوا، اس کھڑکی تک رینگتا ہوا جہاں پین بیٹھا تھا اور ایک وسیع بور کی توپک لوڈ کر کے۔ وہ اتنا زیادہ پیا ہوا تھا کہ بوڑھے آدمی کو نشانہ نہ بنا سکا۔ مگر اس نے کھڑکی کو ریزہ ریزہ کر دیا اور اگلی دیوار کو گولی سے چھید ڈالا۔

اپنی طرف سے پین کو افسوس تھا کہ ڈیررک کا نشانہ خطا گیا تھا۔ اُس طرف جانا اچھا تھا، تیزی سے اور بغیر درد کے، بہ نسبت یہاں ایک خالی گھر میں گھسٹ گھسٹ کر زندہ رہنے کے۔ گاؤں میں، ڈیررک نے ڈینگیں ماریں کہ اگر وہ اسے گرفتار کرنے پر مجبور ہوں بھی تو پین الزامات کے لیے کوئی زور نہیں دے گا۔

بوڑھا اُن چکروں سے ڈرتا تھا جو اسے کبھی کبھار نیو روچلّی شہر کے لگانے پڑتے تھے۔ ایک بھی ماں اپنے بچے کو بتانا نہ بھولتی تھی کہ پین اور شیطان میں اتحاد ہے۔ اور جب لاغر چہرے والا، جھکا ہوا بوڑھا گھسٹتے ہوئے شہر آتا تو اس نے ہر عمر کے بہت سارے بچوں کے لیے ایک تُو تُو بجاتے ملنگ جتنی کشش رکھنی تھی۔ یہ اہم نہ تھا کہ اس نے اُن سے اچھا رہنے کی کوشش کی، کہ اس نے اپنے باغ سے انہیں کبھی نہ بھگایا، کہ وہ کبھی کبھی اپنی جیبیں ٹافیوں سے اس کوشش میں بھر دیتا کہ انہیں ان کے سیلابی ریلے سے رشوت دے کر ہٹائے۔ اس کا کوئی فائدہ نہ تھا اس لیے کہ بوڑھے ٹام پین کو دانہ ڈالنے جتنا موہ لینے کے امکانات اور کونسا کھیل دے سکتا تھا؟۔ اس پر کافی پتھر، کیچڑ، ڈنڈے پھینکو، اور آپ اسے غصہ دلا سکتے تھے، اور پھر آپ اسے اپنا پیچھا کرنے پر لگا سکتے تھے۔ اور جب آپ اس کی پہنچ سے باہر رقص کرتے ہوئے زبردست گانے گا سکتے تھے:

''بینیڈکٹ آرنالڈ اور سائمن گرٹی
وہ پرچم اور ملک کے لیے غلط تھے

مگر پین کی نسبت وہ برے نہ تھے
وہ واشنگٹن اور گیڈ کے ساتھ غلط کھیلا''۔

یا

''ایک انقلاب کرنا، خون اور آگ
میں نے ہی کیا وہ کام، نام میرا پین
مجھے گلوٹین ہونا چاہیے تھا
بہت بری بات کہ میں گلوٹین نہ ہوا.....
میں بہت ذلیل ہوں''۔

اور عمر میں بڑے لوگ اُن کی سرزنش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے پائپ پیتے ہوئے، نظارہ کرتے ہوئے صرف یہ کہتے رہتے: ''اسے مزہ چکھادو، اسے مزہ چکھادو''۔

نیوروچلّی میں، کسی پرانے کامریڈ کی اس کی مدد کو آنے کی کوئی امید نہ تھی۔ یہ جنگ کے دوران ٹوری علاقہ رہا تھا، اور اب دوسرے ویسٹ چیسٹر کاؤنٹی کے بڑے حصے کی طرح شدید جیفرسن مخالف۔ یہاں کے دیہاتی لوگ جنگ میں نہیں لڑے تھے؛ ان کی غیر جانبداری نے انہیں آرام دِہ بنایا تھا، اور انہوں نے جتنا ہوسکا تھا برطانوی اور اُن ٹوری انقلاب دشمنوں کو امداد دی تھی جنہیں ''راجرز رینجرز'' کہا جاتا تھا۔ وہ جنگ کو نہ بھولے تھے۔ اس کا ثبوت پین کو اُس وقت ملا جب وہ 1806 کے انتخابات میں ووٹ ڈالنے شہر آیا۔

الیکشن سپروائزز ایک چھوٹی ٹوری ٹولی تھی، اور جب انہوں نے پین کو اندراج کے دن شہر میں گھستے دیکھا، اس کے پیچھے پیچھے شور مچاتا بچوں کا مجمع دیکھا، تو انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، سر ہلائے اور مسکرائے۔ پین معمول سے زیادہ فخریہ چل رہا تھا۔ دوسری ہر چیز جا چکی، مگر وہ ابھی بھی اُن اصولوں کے لیے ووٹ کرسکتا تھا جن پر اس کا ایمان تھا۔ ایک چھوٹا کام 'ایک بے نام کا م' کاغذ کے ایک ٹکڑے پر کر اس لگانا، مگر پھر بھی نمائندگی جسے اس نے اپنی زندگی کا رہنما کام بنایا تھا
۔

لائن میں کھڑے اُس نے ان رقیق جملوں پہ اپنے کان بند کیے جو اُس پر کسے جارہے تھے۔ اور بالآخر جب اس کی باری آئی تو اس نے مضبوطی سے کہا:

''تھامس پین، سر''۔

''آپ یہاں کیا لینے آئے؟''۔

''یہ الیکشنوں کا بورڈ ہے، ہے ناں؟۔ میں یہاں درج ہونے آیا ہوں''۔

وہ ایک دوسرے سے مسکرائے اور اسے بتایا ''صرف شہری ووٹ دے سکتے ہیں''۔

پین نے اپنا سر ہلایا ''میں تھامس پین ہوں''۔ اس نے دھرایا۔ اُس کی مڑی ہوئی آنکھیں جھگڑنے کے انداز میں سکڑ گئیں۔

''ہاں ہم سمجھ رہے ہیں۔ البتہ آپ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے شہری نہیں ہیں''۔

بوڑھے شخص نے اپنا سر ہلایا۔ بوکھلاہٹ اسے اُس کے بڑھاپے میں ذلیل بنا رہی تھی۔ ہر شخص اس سوچ پر ہنستا تھا کہ یہ کپکپاتا بوڑھا آدمی خونی انقلابی تھا، شیطانی کرائسٹ دشمن۔ دیکھو وہ کتنا گندہ ہے، اُس کی قمیص پر ہر جگہ نسوار کے داغ ہیں، اُس کی پتلون میں سلوٹیں ہیں۔ اس کے ہاتھ کس قدر کانپ رہے ہیں۔ صبر کے ساتھ چیف سپروائزر نے اُس سے وضاحت کی:

''ہم غیر ملکیوں کو نہیں صرف اپنے شہریوں کو رجسٹر کرتے ہیں۔ آپ کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں۔ آپ خامخا لائن میں کھڑے ہیں''۔

بالکل قانونی دلائل کے لیے، ایک اس قدر واضح چیز کے لیے دلائل کے لیے، اس وحشتناک غلطی کی وضاحت کے لیے دوبارہ اپنی یادداشت تک پہنچتے ہوئے اس بوڑھے نے رک رک کر کہا ''لیکن کانگریس نے انقلاب کے سارے سپاہیوں کو شہریت دی''۔

''تم کبھی بھی انقلاب کے سپاہی نہ تھے''۔ سپراوئزر مسکرایا۔

''لیکن میں پین ہوں، تھامس پین۔ آپ کو بات سمجھ نہیں آرہی؟''۔

''میرا خیال ہے آپ کو چلے جانا چاہیے۔ اور مزید گڑبڑ نہیں کرنی چاہیے''۔

''لیکن مجھے ضرور ووٹ دینا ہے، ضرور ووٹ دینا ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ مجھے ووٹ

دینا ہے۔ یہ میرا حق ہے''۔

مجمع قہقہے لگانے لگا، اور سپر وائزر نے جو ابھی تک برداشت کر رہا تھا اشارہ کیا ''نہ ہی گورنر مورس اور نہ ہی جنرل واشنگٹن نے تمھیں ایک امریکی شہری گردانا۔ کیا ہم اُن سے بھی بڑے ہیں؟ ہیں سر؟.....''

''میں ناانصافی براشت نہیں کرسکتا!'' بوڑھا شخص تیز آواز سے چیخا۔'' میں تمہارے خلاف کیس کروں گا''۔

''کانسٹیبل کو بلاؤ''۔ سپر وائزر نے کہا، اُس کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔''ایک بڈھے شیطان کے لیے ہمارے پاس جیل میں جگہ موجود ہے''۔

''جیل.....نہیں جیل نہیں''۔ بڈھے نے کھسر پھسر کی ...وہ اب ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔''اب مزید جیل نہیں''۔

اور اُس کے ساتھ وہ واپس مڑا اور سٹرک کے ساتھ ساتھ گھسٹتا ہوا چلتا گیا۔ بچے ایک بار پھر اُس کے گرد رقص کر رہے تھے۔

اس کا دل نیورو چیلی سے بھر چکا تھا.....جہنم میں جائے فارم۔ کچھ بھی نہ بچا تھا، کچھ بھی نہیں، اور اب وہ صرف ایک چیز چاہتا تھا.....موت۔ موت کو جلدی آنا چاہیے، خاتمہ ہونا چاہیے۔ یہ دنیا ایک عجیب جگہ تھی جس کو وہ بالکل بھی نہیں جانتا تھا، اور وہ ایک خوفزدہ بوڑھا شخص تھا۔

وہ واپس نیویارک گیا۔ اور زندگی نے خود کو طوالت دی، اور وہ ایک بدحال رہائشی گھر سے دوسرے میں منتقل ہوتا رہا۔ وہ بہت زیادہ پینے لگا، وہ بہت نسوار استعمال کرنے لگا، اور اپنی ظاہری شکل وصورت کے بارے میں کچھ بھی پرواہ نہ کرتا۔ ایک گندا بڈھا، ایک شیونہ کیا ہوا بڈھا.....اِس کی اہمیت کیا تھی؟۔ اس کے پاس تو ہمہ وقت موجود سیلابی بچوں پر ایک چھڑی گھمانے کی بھی ہمت نہیں رہ گئی تھی۔

وہ کبھی کبھی خود سے غمگینی میں پوچھتا،'' کیا یہ خدا کا انتقام ہے؟''۔ وہ (جس کے لیے

قدریں ہمیشہ لوہے کی طرح مضبوط رہیں) انہیں اب شفٹ ہوتے اور ری لیکس ہوتے دیکھا،'' کیا میں نے ایک بے عقیدہ دنیا میں خدا پر عقیدہ رکھ کر غلطی کی ہے؟۔ کیا میں نے یہ کہہ کر غلطی کی ہے کہ خدا کے نام کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے، یہ کہ وہ (خدا) انسان کی ساری امنگوں کا نکتۂ عروج ہے''۔

کبھی کبھی، ذرا سی دیر کے لیے، پرانے پین کی ایک چنگاری نمودار ہوتی تھی، جیسے کہ جب فریسر نامی ایک شخص نے'' دلیل کا زمانہ'' میں نام نہاد خلافِ شرع کا ایک توبہ گھڑ لیا۔ بوڑھے آدمی نے اسے چیلنج کر دیا، اور اسے عدالت لایا۔ پین بوسیدہ ہوسکتا ہے اور مرسکتا ہے مگر توبہ؟۔ اور اُس ایک کام پہ توبہ جس کے لیے اُس نے سب سے زیادہ عذاب جھیلے؟۔ نہ وہ، نہ ہی اِس گندے بوڑھے شخص سے جس کے پاس صرف ایک چیز رہ گئی تھی، اس کا نام۔ فریسر، پین کے دشمنوں میں سے نہ تھا؛ اس نے اعتراف کیا اور معافی کی درخواست کی، اور بوڑھے آدمی نے اسے بتایا:

''....تھامس پین کے بارے میں مزید کچھ نہ لکھنا۔ میں تمہاری طرف سے اپنی غلطی کو تسلیم کر لینے سے مطمئن ہوں.....ایک انسان کے شایانِ شان کچھ اور کرنے کی کوشش کرنا''۔

مگر چنگاریاں اب چند ہی تھیں، ایک اور سٹروک نے اسے گرا دیا، اور جب تک اسے تلاش کیا گیا وہ وہسکی کی ایک ٹوٹی بوتل کے کھنڈرات پر پڑا تھا۔

وہ مرر رہا تھا اور وہ یہ جانتا تھا۔ اور اسے لگا کہ وہ کہیں بھی نہ دفنا دیا جائے گا ماسوائے بھکاریوں کے کسی بے نام میدان کے۔ اس نے ایک لبرل کوئیکر تبلیغی، ولّٹ ہکسؔ سے کہا'' مجھے کوئیکر قبرستان میں دفن ہونے دو'' اور غمگینی میں یہ اضافہ کیا'' میں نے کوئیکر نہ بننے والا کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ جب میں جاؤں گا تو جو جی چاہے گا وہ میرے ساتھ کریں گے: وہ مجھے ذرا سی زمین دینے سے انکار کریں گے''۔

ہکسؔ نے کہا کہ اس کے خیال میں یہ ممکن نہ تھا۔ پین کے ساتھ کوئی ہمدرد ہوسکتا ہے، مگر معاملے کو ایک کمیٹی کے سپرد کر دو، اور اس کا ناکام ہونا حتمی تھا۔

''بس ایک مہربانی جب میں مر جاؤں''۔ پین نے درخواست کی'' میرا باپ ایک اچھا

کوئیکر تھا، میری ماں بھی۔ میں نے اب تک کوئیکرز سے کچھ نہ مانگا۔ خیرات کے نام پر............''

ہکس نے کہا کہ وہ کوشش کرے گا، مگر وہی ہوا جس کی اُس نے پیش بینی کی تھی ۔کوئیکرز نے پین کی تدفین سے انکار کر دیا، اور یہی کچھ دوسرے فرقوں نے کیا جنہیں ہکس نے کہا تھا۔ جب میڈم بونیولی اسے دیکھنے آئی تو پین نے اس سے شکایت کی:

''وہ حتیٰ کہ مجھے ذراسی زمین دینے سے بھی انکار کرتے ہیں ۔وہ میری ہڈیاں کو ڈاکر کٹ کی طرح ہر جگہ بکھیر دیں گے''۔

وہ ایک برا بوڑھا شخص نہ تھا، میڈم بونیولی نے سوچا۔ اس کی ساری خطائیں اور اس قدر ضدی پاگل پن کی وجہ سے کہ عظیم بوناپارٹ کو دیکھنے اپنے کمرے سے نیچے آنا نہ چاہتا ہو۔ وہ کیوں اُسے اکیلا نہیں چھوڑتے اور اسے تنگ کرنا ترک نہیں کرتے ؟۔

''تم اپنے ہی فارم میں دفن کیے جاؤ گے''۔ اس نے کہا۔

''یہ اچھی زمین ہے''۔ اس نے اپنی سوچوں کو مجتمع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا'' امریکی زمین......وہ سلامت رہے۔ مگر زمین بیچ دی جائے گی ؛ وہ میری ہڈیاں کھود نکالیں گے اور انہیں بیچ ڈالیں گے''۔

''زمین فروخت نہیں کی جائے گی''۔ میڈم بونیولی نے یہ سوچتے ہوئے اُسے بتایا کہ ایک مرتے ہوئے بوڑھے شخص کو سکون دینے والی کوئی بات بتانا ایک نعمت تھی۔

وہاں اب درد کے سوا کچھ نہ تھا: اُس پہلو میں جس میں کہ لگز مبرک میں جیل کے دوران سوزش ہوئی تھی، اُس کے سر میں، الغرض ہر جگہ۔ موت کس قدر آہستگی سے آتی ہے۔ میڈم بونیولی اُس کے لیے ایک نرس لائی، مگر وہ نرس بہت ہی مذہبی عورت تھی اور اُسے سب کچھ معلوم تھا کہ پین اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے۔ چنانچہ ایک عبادت شروع ہوئی ؛ اس لیے کہ پین کو اپنے بستر مرگ پر ''ذلیل کا عہد'' کو ملامت کرتے سننا کس قدر شاندار چیز ہوتی۔

اور وہ سب آئے ، کیتھولک ، میتھوڈسٹ ، کانگریگیشن والے، کوئیکر، پریسبائٹری............ انہوں نے اس کی کتاب نہیں پڑھی تھی، پھر بھی وہ اس کتاب اور شیطان سے لڑنے آئے تھے۔

''اِس سے دستبردار ہو جاؤ، خدا اور نیکی اور اُمید کے لیے اِس سے دستبردار ہو جاؤ، اس لیے کہ تم مر رہے ہو!''۔

طالب، پادری، پاسٹر، فادر، نن............وہ اس کے کمرے میں رینگ آئے، اُس نرس کی مدد سے جسے اس مقدس مقام پہ رکھا تھا۔ پرانا جنگباز مر رہا تھا، اور انہیں یا کسی اور کو خوف کیوں ہوتا!۔ فرشتوں کے سنکھ نین کورڈا اور لگز نگٹن کے اوپر گرجے تھے، مگر وہاں دم رُکے ہوئے تھے اور سیاہ لباسوں کی سرسراہٹ تھی۔ اگر وہ مدد کے لیے نحیف آواز میں بلا رہا تھا تو اس کے کامریڈ اسے سن نہیں سکتے تھے، اس لیے کہ وہ مر چکے تھے یا بہت دور تھے، پہاڑوں اور میدانوں کو عبور کرتے ہوئے اپنے بیلوں اور ڈھانپے ہوئے ویگنوں کو ہانکتے ہوئے، اس زمین اور دنیا کو بنانے جا رہے تھے جو ٹام پین کا خواب، اور دکھ تھا۔ سیاہ لباس والے اُس پہ جھکے ۔انہوں نے معمولی سی سورج کی روشنی کو باہر دھکیلا اور اندھیرا کر دیا۔ وہ چیخے ''توبہ کرلو۔!''۔خواتین اپنی کوشش کرنے آئیں، مناسب آبنوس میں ملبوس۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر نے نیچے جھکتے ہوئے اسے نوکدار آواز میں کہا'' مسٹر پین، کیا آپ مجھے سن سکتے ہیں ؟ ۔ابھی بھی وقت ہے ، ابھی بھی امید ہے ۔ کیا آپ ایمان لانا چاہتے ہیں کہ جیزس کرائسٹ خدا کے بیٹے ہیں؟''۔

''کیا تم ایمان لانے کی تمنا کرتے ہو؟''۔

''کیا تم لادعویٰ ہوتے ہو؟''۔

''کیا تم دستبردار ہوتے ہو؟''۔

''تم ایک گندے بڈھے شخص ہو، تم تن تنہا ہو۔ ایمان لاؤ، ایمان لاؤ''۔

وہاں سکون کا ایک لمحہ تھا، جیسے کہ ہونا لازمی تھا۔ صبح سویرے اور رات کے اواخر میں، نرس بجتی ہوئی آواز میں بائبل پڑھ رہی تھی۔ یہ ایک مسیحی جہاد تھا، آؤ، تم سارے ایمان والو!۔

اور پھر اس نے اُن کی آوازیں مزید نہ سنیں، اُن کی حکمدار آواز، انکی جھڑکیاں، اُن کی درخواستیں کہ اُسے کمزور ہونا چاہیے، وہ جس کی طاقت قصے کہانیوں والے ہیروؤں کی طاقت تھی ، پرانے زمانے کے دیوتاؤں کی طاقت تھی ۔ اُسے اطمینان نصیب ہوا تھا، اُس کے کامریڈ اس کے

ساتھ تھے، وہ نیک ارادوں والے انسانوں کے ساتھ کھڑا رہا تھا، وہ جو اُس سے پہلے آئے اور وہ جو اُس کے بعد آئے۔

ایسا تھا تدفین کا جلوس جو نیو روچلی کے فارم تک اُس کی میت کے ساتھ گیا: مادام بونیولّی، اس کے بچے، دو نیگرو، اور کوئیکر مبلغ ولّٹ ہکس۔ وہی سات، اور کوئی نہیں، مگر یہ کافی تھا؛ یہی تو پوری دنیا تھی۔

ویسٹ چیسٹر تک کے اُن کے سفر کے دوران ایک مقام پر کوچوان نے گھوڑوں کو آرام دینے کی خاطر روک دیا، اور ایک راہ گیر نے ہکس کو پکار کے پوچھا:

''کس کی تدفین؟''

''ٹام پین کی''۔

''ہم م''۔ اجنبی غرایا ''اگر روحیں پاک کرنے جیسا کوئی معاملہ موجود ہے، تو وہ اپنا حصہ لے گا اس سے پہلے کہ شیطان اس سے چلا جائے''۔

دیہاتی لوگوں میں سے چند تدفین دیکھنے جمع ہو گئے۔ وہ قبر پہ ہکس کے کہے گئے چند الفاظ پر خاموشی سے کھی کھی کر رہے تھے۔ کوچوان عمدہ جون کے دن پہ شکر گزار تھا، اُسے اکثر دیہات کی طرف کوئی سواری نہیں ملتی تھی۔ ہکس نے مادام بونیولّی سے پوچھا کہ آیا وصیت میں کتبے کی کوئی بات موجود تھی، اور مادام نے کہا ہاں، جونہی تدفین ہو جائے وہ اسے نصب کرے گی۔ وہ قبر کے گرد بید اور صنوبر کے چند درخت بھی لگانے کا ارادہ رکھتی تھی، قبر بہت ننگی لگتی تھی۔ اس نے کاغذ کا وہ ٹکڑا ہکس کو دکھایا جس پر پین نے خود اپنی قبر کا کتبہ لکھا تھا:

''تھامس پین، **کامن سنیس** کا مصنف''۔

''یہ کافی ہے''۔ ہیکس بولا''۔ ''یہ ایک شخص کے لیے کافی ہے۔ وہ کتنی عمر کا تھا؟''۔

''72، میرا خیال ہے''۔

یہ 8 جون 1809 تھا۔

مگر یہ نیو روچیلی کے اچھے لوگوں کے لیے کافی نہ تھا کہ اُسے ناپاک کردہ میدان میں مدفون کیا گیا تھا۔ انہوں نے کھیت پر حملہ کیا اور درختوں سے شاخیں توڑ ڈالیں جو مادام بونیولّی نے کاشت کیے تھے، اور انہیں یادگار نشانی کے لیے بیچ ڈالا۔ انہوں نے قبر کے کتبے کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، انہوں نے وہ چند پھول بھی اکھاڑ پھینکے جو اگ چکے تھے۔

دس برس بعد، ولیم کوبیٹ نامی ایک شخص کے پاس ایک منصوبہ تھا۔ اس نے پین کی ہڈیاں کھود کے نکالیں اور مختلف شہروں میں اُن کی نمائش کی نیت سے انہیں انگلینڈ لے گیا۔ مگر برطانوی حکومت نے اس آخری، عزت بخشنے کی بدنامی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اور ہڈیاں انگلینڈ میں کہیں غائب ہو گئیں۔

چنانچہ، آج کوئی نہیں جانتا کہ پین کہاں دفن ہے، اور وہ، شاید اچھا ہے، اس لیے کہ دنیا اس کا گاؤں تھی۔